ماہنامہ

حنا

جنوری 2016

سالگرہ نمبر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اسلامیات

انشاء نامہ

مکمل ناول

ناولٹ

افسانے

سلسلے وار ناول

مستقل سلسلے

☆☆☆

سردار طاہر محمود نے نواز پرنٹنگ پریس سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ حنا 205 سرکلر روڈ لاہور سے شائع کیا۔
خط و کتابت و ترسیل زر کا پتہ، **ماهنامه حنا** پہلی منزل محمد علی امین میڈیسن مارکیٹ 207 سرکلر روڈ
اردو بازار لاہور فون: 042-37310797, 042-37321690 ای میل ایڈریس،
monthlyhina@hotmail.com, monthlyhina@yahoo.com

کچھ باتیں ہماریاں

قارئین کرام! جنوری 2016ء کا شمارہ بطور ''سالگرہ نمبر'' پیش خدمت ہے۔
اس شمارے کے ساتھ ہی حنا نے اپنی عمر کے سینتیس سال پورے کر کے اڑتیسویں سال میں قدم رکھ لیا ہے۔ان سالوں میں ہمیں آپ سب کی طرف سے جو پیار ملا ہے اس پر ہم آپ کے شکر گزار ہیں اور اللہ تعالیٰ کے حضور آپ کے لئے دعا گو ہیں۔ سینتیس سال کے اس سفر میں ہمیں اپنی مصنفات کا جو ساتھ ملا ہے اس پر ہم آپ سب کے ممنون ہیں۔ ہم خوش قسمت ہیں جو اس سفر میں آپ کا ساتھ ہمیں ملا۔ اللہ تعالیٰ آپ سب کو اپنی امان میں رکھے۔ (آمین)

سال نو:۔ جب یہ شمارہ آپ کے ہاتھ میں ہوگا تو 2015ء ماضی بن چکا ہوگا اور 2016ء کا سورج چمک رہا ہوگا۔ ہم سب کی طرف سے آپ کو نیا سال مبارک ہو۔ خدا کرے یہ سال آپ کے ہمارے ملک اور سارے عالم کے لئے امن وسلامتی اور خوشی کا پیامبر ہو۔ خدا کرے کہ ہمارے ارض پاک میں ناانصافی اور استحصال کا خاتمہ ہو اور ملک سماجی انصاف اور مساوات کی اپنی منزل کی طرف گامزن نظر آئے۔ ملک کے ہر بچے کے لئے تعلیم اور صحت کا ہمارا خواب پورا ہو۔ نفرت اور فرقہ واریت کا خاتمہ ہو اور امن کا دور دوراں ہو تا کہ ملک معاشی ترقی کی نئی بلندیوں کو چھو لے اور اس ترقی کا ثمر ہر پاکستانی تک پہنچے۔ (آمین)

ابن انشاء:۔ ابن انشاء کو ہم سے بچھڑے سینتیس برس ہو گئے ہیں لیکن وہ آج بھی اپنے چاہنے والوں کے دلوں میں زندہ ہیں۔ گیارہ جنوری کو انشاء جی کی برسی کے موقع پر قارئین سے دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

اس شمارے میں:۔ چاند نگر کا جوگی، بیاد انشاء میں قرۃ العین حیدر کی تحریر، فرزانہ حبیب اور مصباح نوشین کے مکمل ناول، فرح طاہر کا ناولٹ، طیبہ مرتضیٰ، ثمینہ بٹ، روشانے عبدالقیوم، ثمینہ زاہد اور ماریہ یاسر کے افسانے، اُم مریم، نایاب جیلانی اور سدرۃ المنتہیٰ کے سلسلے وار ناولوں کے علاوہ حنا کے سبھی مستقل سلسلے شامل ہیں۔

آپ کی آرا کا منتظر
سردار محمود

حمد باری تعالیٰ

مہک پھولوں کی ، بلبل کی نوا تو
سحر کا نور تو ، جان صبا تو

درون داغ دل مانند شبنم
وفور یاس میں آہ رسا تو

کبھی ساحل پہ تو حرف تمنا
کبھی گرداب میں حرف دعا تو

کہیں قوس قزح میں رنگ تیرا
کہیں کالی گھٹاؤں میں ملا تو

تو ہی سب بے سہاروں کا سہارا
نہیں جس کا کوئی اس کا ہوا تو

کلی میں ، عکس شبنم میں ، ہوا میں
ہوا محسوس مجھ کو بارہا تو

میں اک قطرہ ، تو بے پایاں سمندر
میں مشت خاک اور ارض و سما تو

بشیر اعجاز

نعت رسول مقبول ﷺ

عقیدت کے سبھی پھول پر نور ہو گئے
اشعار میری نعت کے منظور ہو گئے

نعت جیب جب بھی کہی میں نے جھوم کے
آزار میری جاں کے سب دور ہو گئے

عشق رسولؐ میں گرے آنسو وفور میں
آنکھوں کے جو دریچے تھے پرنور ہو گئے

جو پڑھ سکے نہ آج تلک کلمہ طیب
رحمت سے اپنے رب کی بہت دور ہو گئے

یہ آپؐ کا کرم ہے کہ الفاظ نعت کے
مدینے کے طول و عرض میں مشہور ہو گئے

جب سے حریم پاک سے وابستگی ہوئی
غم ہائے روز و شب میرے کافور ہو گئے

سہراب مت ڈرو ، سنو یہ غیب کی صدا
اشک وفا سبھی تیرے پرنورر ہو گئے

سہراب جنگ لدھیانوی

پیارے نبیﷺ کی پیاری باتیں

سیدہ انجم ناز

عرب دور جاہلیت میں

دور جاہلیت میں عرب اپنی فطری صلاحیتوں اور بعض عادات واخلاق میں تمام دنیا میں ممتاز تھے، فصاحت و بلاغت اور قادر الکلامی میں ان کا کوئی ہمسر نہ تھا، آزادی وخودداری ان کو جان سے زیادہ عزیز تھی، شہسواری وشجاعت میں وہ بے بدل تھے، عقیدہ کے پرجوش صاف گو اور جری حافظہ کے قوی مساوات بے تکلفی اور جفاکشی کے عادی ارادہ کے پکے زبان کے سچے، وفاداری اور امانت داری میں ضرب المثل تھے۔

لیکن انبیاء اور ان کی تعلیمات سے دوری اور ایک جزیرہ نما میں صدیوں سے مقید رہنے کی وجہ سے اور باپ دادا کے دین اور قومی روایات پر سختی سے قائم ہونے کا سبب وہ دینی و اخلاقی حیثیت سے بہت گر چکے تھے، چھٹی صدی میں زوال اور انحطاط کے آخری نقطہ پر تھے، کھلی ہوئی بت پرستی میں مبتلا اور اس میں دنیا کے امام تھے، اخلاقی و اجتماعی امراض ان کے معاشرے کو گھن کی طرح کھا رہے تھے، مذہب کی اکثر خوبیوں سے وہ محروم اور جاہلیت کی زندگی کی بدترین خصوصیتوں میں مبتلا تھے۔

عرب میں ہر گھر کا بت جدا تھا جس کی گھر والے پرستش کرتے تھے، جب کوئی شخص سفر کا ارادہ کرتا تو روانگی کے وقت گھر پر اس کا آخری کام یہ ہوتا کہ اپنے بت کو حصول برکت کے لئے چھوتا اور جب سفر سے واپس آتا تو گھر پہنچ کر پہلا کام یہ کرتا کہ اپنے بت کو تبرکا ہاتھ لگاتا۔

کسی نے تو ایک بت خانہ بنا رکھا تھا، کسی نے بت تیار کر لیا تھا، جو بت خانہ نہیں بنا سکتا تھا یا بت نہیں تیار کر سکتا تھا وہ حرم کے سامنے ایک پتھر گاڑ دیتا یا حرم کے علاوہ جہاں بہتر سمجھتا پتھر گاڑ کر اس کے گرد اس شان سے طوائف کرتا جس طرح بیت اللہ کے گرد طواف کیا جاتا ہے، ان پتھروں کو وہ انصاف کہا کرتے تھے اور اگر اچھی قسم کا پتھر مل جاتا تو وہ پہلے پتھر کو پھینک کر اس نئے پتھر کو لے لیتے اور اگر پتھر نہ پاتے تو مٹی کا ایک ڈھیر بناتے اور اس پر بکری کو لا کر دوہتے پھر اسی کا طواف کرتے۔

مشرکوں کو ہر زمانہ اور ہر ملک میں جو حال رہا ہے، وہی حال عرب کا تھا، ان کے متعدد اور مختلف معبود تھے جن میں فرشتے، جن ستارے سب شامل تھے، فرشتوں کے بارے میں ان کا یہ عقیدہ تھا کہ اللہ کی بیٹیاں ہیں، اس لئے ان سے شفاعت کے طلب گار ہوتے، ان کی پرستش کرتے اور ان کو وسیلہ بناتے، جنوں کو اللہ کا شریک کار سمجھتے، ان کی قدرت اور اثر اندازی پر ایمان رکھتے اور ان کی پرستش کرتے۔

اخلاقی اعتبار سے ان کی اندر بہت سی بیماریاں پائی جاتیں تھیں، شراب عام طور سے پی جاتی اور ان کی گھٹی میں پڑی تھی، شراب کی دکانیں عام تھیں اور علامت کے طور پر ان دکانوں پر جھنڈا لہراتا، جو بہت بڑائی اور خوبی کی بات تھی اور اس میں شرکت نہ کرنا بزدلی کی

علامت تھی، زمانہ جاہلیت میں ایک شخص اپنے گھر بار کو داؤ پر رکھ دیتا، پھر حیرت سے اپنے گئے ہوئے مال کو دوسروں کے ہاتھ میں دیکھتا، اس سے نفرت اور دشمنی کی آگ بھڑکتی اور جنگوں کی نوبت آتی، حجاز کے عرب اور یہودی سودی لین دین اور سود در سود کا معاملہ کرتے، اس سلسلے میں بڑی بے رحمی اور سخت دلی کے مظاہرے کرتے۔

عورت کے ساتھ ظلم و بدسلوکی عام طور سے روا سمجھی جاتی تھی، اس کے حقوق پامال کیے جاتے، اس کا مال مرد اپنا مال سمجھتے، وہ ترکہ اور میراث میں کچھ حصہ نہ پاتی، شوہر کے مرنے یا طلاق دینے کے بعد اس کو اجازت نہیں تھی کہ اپنی پسند سے دوسرا نکاح کر سکے، دوسرے سامان اور حیوانات کی طرح وہ بھی وارثت میں منتقل ہوتی رہتی تھی، مرد تو اپنا پورا پورا حق وصول کرتا لیکن عورت اپنے حقوق سے مستفید نہیں ہو سکتی تھی، کھانے میں بہت سی ایسی چیزیں تھیں جو مردوں کے لئے خاص تھیں اور عورتیں ان سے محروم تھیں، لڑکیوں سے نفرت اس درجہ بڑھ گئی تھی کہ انہیں زندہ دفن کرنے کا بھی رواج تھا، بعض ننگ و عار کی بنا پر بعض خرچ و مفلسی کے ڈر سے اولاد کو قتل کرتے، عرت کے بعض شرفا اور رؤسا ایسے موقعوں پر بچیوں کو خرید لیتے اور ان کی جان بچاتے، مصعصہ بن ناجیہ کا بیان تھا کہ اسلام کے ظہور کے وقت میں تین سو زندہ درگور ہونے والی لڑکیوں کو فدیہ دے کر بچا چکا تھا، بعض اوقات کسی سفر یا مشغولیت کی وجہ سے لڑکی سیانی ہو جاتی اور دفن کرنے کی نوبت نہ آتی، تو ظالم باپ دھوکہ دے کر اس کو لے جاتا اور بڑی بے دردی سے زندہ دفن کر دیتا، اسلام لانے کے بعد بعض عربوں نے اس سلسلے میں بڑے اندوہناک اور رقت انگیز واقعات بیان کیے ہیں۔

عرب کے سفاکانہ اعمال میں سب سے زیادہ بے رحمی و سنگ دلی کا کام معصوم بچوں کو مار ڈالنا اور لڑکیوں کو زندہ دفن کر دینا تھا کیونکہ لڑکیاں شرم و عار کا باعث سمجھی جاتی تھیں۔

اہم خصوصیت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک کتاب (قرآن پاک) اس علانیہ دعوے کے ساتھ پیش کی کہ یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے جو مجھ پر نازل ہوا ہے، اس کتاب کا جب ہم جائزہ لیتے ہیں تو یقینی طور پر محسوس ہوتا ہے کہ اس میں کوئی آمیزش نہیں ہوئی ہے، خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اپنا کوئی قول بھی اس میں شامل نہیں ہے بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اقوال کو اس سے بالکل الگ رکھا گیا ہے، بائبل کی طرح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی کے حالات اور عربوں کی تاریخ اور زمانہ نزول قرآن میں پیش آنے والے واقعات کو اس میں کلام الٰہی کے ساتھ غلط ملط نہیں کر دیا گیا، یہ خالص کلام اللہ (WORD OF GOD) ہے، اس کے اندر اللہ کے سوا کسی دوسرے کا ایک لفظ بھی شامل نہیں ہوا ہے، اس کے الفاظ میں سے ایک لفظ بھی کم نہیں ہوا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے سے جوں کا توں یہ ہمارے زمانے تک منتقل ہوا ہے، یہ کتاب جس وقت سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل ہونی شروع ہوئی تھی، اسی وقت سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے لکھوانا شروع کر دیا تھا، جب کوئی وحی آتی اسی وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سنایا جاتا تھا اور جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اطمینان کر لیتے تھے کہ کاتب نے اسے صحیح لکھا ہے، تب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسے

محفوظ جگہ رکھ دیتے تھے، ہر نازل شدہ وحی کے متعلق آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کاتب کو یہ ہدایت بھی فرما دیتے تھے کہ اسے کس سورہ میں کس آیت سے پہلے اور کس کے بعد درج کیا جائے، اس طرح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قرآن پاک کو ترتیب بھی دیتے رہے تھے، یہاں تک کہ وہ تکمیل کو پہنچ گیا۔

پھر نماز کے متعلق آغاز اسلام ہی سے یہ ہدایت تھی کہ اس کے نزول کے ساتھ ساتھ اس کو یاد کرتے جاتے تھے، بہت سے لوگوں نے اسے پورا یاد کرلیا اور ان سے بہت زیادہ بڑی تعداد ایسے صحابہ کی تھی، جنہوں نے کم وبیش اس کے مختلف حصے اپنے حافظے میں محفوظ کر لئے تھے، ان کے علاوہ وہ متعدد صحابہؓ جو پڑھے لکھے تھے، قرآن کے مختلف حصوں کو بطور خود لکھ بھی رہے تھے، اس طرح قرآن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات طیبہ ہی میں محفوظ ہو چکا تھا۔

پس یہ ایک نا قابل انکار تاریخی حقیقت ہے کہ آج جو قرآن ہمارے پاس موجود ہے، یہ لفظ بہ لفظ وہی ہے جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کلام اللہ کی حیثیت سے پیش فرمایا تھا، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پہلے خلیفہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے تمام حافظوں اور تمام تحریری نسخوں کو جمع کر کے اس کا ایک مکمل نسخہ کتابی صورت میں لکھوایا۔

حضرت عثمان غنیؓ کے زمانے میں اسی کی نقلیں سرکاری طور پر دنیائے اسلام کے مرکزی مقامات کو بھیجی گئیں، ان میں سے دو نقلیں آج بھی دنیا میں موجود ہیں، ایک استنبول میں دوسری تاشقند میں، جس کا جی چاہے قرآن مجید کا کوئی مطبوعہ نسخہ لے جا کر ان سے ملالے، کوئی فرق نہ پائے گا اور فرق ہو کیسے سکتا ہے جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے سے لے کر آج تک ہر پشت میں لاکھوں اور کروڑوں حافظ موجود رہے ہیں، ایک لفظ بھی اگر کوئی شخص بدلے تو یہ حفاظ اس کی غلطی پکڑ لیں گے، پچھلی صدی کے آخر میں جرمنی کی میونخ یونیورسٹی کے ایک انسٹی ٹیوٹ نے دنیائے اسلام کے مختلف حصوں سے ہر زمانے کے لکھے ہوئے قرآن مجید کے قلمی اور مطبوعہ بیالیس ہزار نسخے جمع کیے تھے، پچاس سال تک ان پر تحقیقی کام کیا گیا، آخر میں جو رپورٹ پیش کی گئی وہ یہ تھی کہ ان نسخوں میں کتابت کی غلطیوں کے سوا کوئی فرق نہیں ہے، حالانکہ یہ پہلی صدی ہجری سے چودھویں صدی تک کے نسخے تھے اور دنیا کے ہر حصے سے فراہم کیے گئے تھے، افسوس کہ دوسری جنگ عظیم میں جب جرمنی پر بمباری کی گئی تو وہ انسٹی ٹیوٹ تباہ ہو گیا لیکن اس کی تحقیقات کے نتائج دنیا سے ناپید نہیں ہوئے۔

ایک اور بات قرآن کے متعلق یہ بھی نگاہ میں رکھیے کہ جس زبان میں یہ نازل ہوا تھا، وہ ایک زندہ زبان ہے، عراق سے مراکو تک کروڑوں انسان آج بھی اسے مادری زبان کی حیثیت سے بولتے ہیں اور غیر عرب دنیا میں بھی کروڑوں افراد اسے پڑھتے اور پڑھاتے ہیں، عربی زبان کی گرامر، اس کی لغت، اس کے الفاظ کے تلفظ اور اس کے محاورے چودہ سو برس سے جوں کے توں قائم ہیں، آج ہر عربی داں اسے پڑھ کر اسی طرح سمجھ سکتا ہے جس طرح چودہ سو برس پہلے کے عرب سمجھتے تھے۔

یہ ہے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک اہم خصوصیت جو ان کے سوا کسی نبی اور کسی پیشوائے مذہب کو حاصل نہیں ہے، اللہ تعالیٰ کی طرف سے

نوع انسانی کی ہدایت کے لئے جو کتاب ان پر نازل ہوئی تھی، وہ اپنی اصل زبان میں اپنے اصل الفاظ کے ساتھ بلا تغیر و تبدل موجود ہے۔

ارشادات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

اللہ کا ہاتھ جماعت کے اوپر ہوتا ہے جو جماعت سے الگ ہوگا وہ آگ میں جا پڑے گا۔

بھائی سے مراد مسلمان بھائی ہے، ظالم کی مدد اس طرح کہ اسے ظلم سے روکا جائے۔

مظلوم کی بددعا سے ڈرو، اس لئے کہ اس کی بددعا اور اللہ کے درمیان کوئی پردہ نہیں ہے۔

انسان اپنے بھائی کے سبب بہت کچھ بن جاتا ہے، یعنی زیادہ لگتا ہے۔

اوپر والا (دینے والا) ہاتھ نیچے والے (لینے والے) ہاتھ سے بہتر ہے اور سب سے پہلے اسے دو جس کی تم پر ذمہ داری آتی ہے۔

بہترین کمائی کرنے والا وہ مزدور ہے جو نیک نیتی سے محنت کرے۔

جب تم میں سے کوئی کام کرے تو اسے پختہ طریقے سے انجام دے۔

اللہ کے نزدیک بہترین کام وہ ہے جس میں باقاعدگی ہو۔

کسی قوم کی زبان سیکھ لو، اس کے شر سے محفوظ ہو جاؤ گے۔

مومن وہ ہے جسے اپنی برائی سے افسوس ہو اور اپنی نیکی سے مسرت حاصل ہو۔

دو آدمیوں کا کھانا تین کے لئے اور تین کا کھانا چار کے لئے کافی ہوتا ہے۔

فراخی و خوش حالی کی امید رکھنا بھی عبادت ہے۔

انسان کے اسلام کا حسن یہ بھی ہے کہ وہ فضول باتوں کو چھوڑ دے۔

لوگوں کو تم دولت سے اپنا گرویدہ نہیں کر سکو گے، اس لئے انہیں اپنے اخلاق سے گرویدہ کرو۔

دو نعمتیں ایسی ہیں جن سے بہت سے لوگ محروم ہوتے ہیں، صحت و فراغت۔

اگر تم بولنے کی بہترین صلاحیت کے مالک ہو تو ان صلاحیتوں کو اپنے اس بھائی کی ترجمانی میں صرف کرو جو گفتگو پر قادر نہیں تو یہ بھی صدقہ ہے۔

بھلائی تو بہت ہے مگر اسے کرنے والے بہت تھوڑے ہیں۔

نیک بخت وہ ہے جو دوسروں سے عبرت حاصل کرے۔

دل کا اندھا پن سب سے بڑا اندھا پن ہے۔

راستوں میں مت بیٹھو، اگر بیٹھنا ہی ہو تو پھر نظریں جھکا کر رکھو، سلام کا جواب دو، بھٹکے ہوئے کو راستہ دکھاؤ اور کمزور کی مدد کرو۔

اگر انسان کے پاس دو سونے کی وادیاں بھی ہوں تو وہ تیسری وادی کا طلب گار بن جائے گا۔

جس کا کھانا بہت ہو، اس کی بیماری بہت ہو اور جس کی غذا کم ہو اس کی دوا کم ہو۔

دو چہروں والا (منافق) اللہ کے نزدیک کبھی معزز نہیں ہو سکتا۔

ایمان میں وہی کامل ترین ہے مومن، جو اخلاق میں سب سے بہتر ہے۔

مومن تو اپنے حسن اخلاق سے، روزہ دار اور نماز گزار کا درجہ حاصل کر لیتا ہے۔

زبان کی تیزی سے بڑھ کر انسان کو کوئی بری چیز نہیں دی گئی۔

☆☆☆

انشاء نامہ

تو کون

ابن انشاء

فسانہ غم دل سن چکے سنا بھی چکے
ہم اپنے جذب محبت کو آزما بھی چکے

یہی طلب تھی دل بے قرار یا کچھ اور؟
تو کہہ رہا تھا یہی بار بار یا کچھ اور؟

رہ وفا میں مری جاں بڑے جھمیلے ہیں
ہزار کوس کو منزل ہے ہم اکیلے ہیں

وفا ہے صبر طلب اور ہمیں ثبات کہاں
قرار و ہوش کی دولت ہمارے ہاتھ کہاں

زہے نصیب اگر بخت ساز گار ملے
نگاہ یار میسر ہوئی ہے یار ملے

ہمارے شوق فراواں کا کچھ ٹھکانا ہے
دعا بھی حسن طلب ہی کا اک بہانا ہے

رکھے گا تیرا مسافر لگا کے سینے سے
وہ زاد راہ جسے یاد یار کہتے ہیں

وہ تیرے عارض و لب کا گداز لمس لطیف
وہ تیرے کاکل وحشی کی بولتی خوشبو

یہاں وہاں یہ بھٹکتی ہوئی نگاہ کا سوز
لرزتا ڈولتا سینہ ، کھلے کھلے گیسو

نفس نفس میں بسی جا رہی ہے اے لڑکی!
کہاں سے آئی، کدھر کو چلی ہے کون ہے تو؟

پرے خیال کی وادی کی انتہا سے پرے
وہ شہر ہے جسے شہر نگار کہتے ہیں

بیادِ انشاء

چاند نگر کا جوگی

قرۃ العین حیدر

ابن انشاء جنھوں نے اپنے لئے ایک پراسرار فسوں خیز شعری کائنات تخلیق کی تھی، سب سے پہلے میں نے ان کا ذکر اس طور پر سنا کہ یہ نوجوان شاعر لاہور میں لکڑی کا پگوڈا نما مکان بنا کر اس میں رہتا ہے اور چینی نظمیں ترجمہ کرتا ہے، جب انشاء کراچی آئے تو پتہ ملا کہ یہ ایک لاابالی، مئے نوش، بوہمین نہیں بلکہ ایک نہایت معقول سنجیدہ اور رکھ رکھاؤ والے انسان ہیں، تو یہ چاند نگر (جو 1955ء میں شائع ہوئی) ان کی اندرونی چاندنی کی دنیا تھی اور ہندوستانی کانن ان کا داخلی لینڈ اسکیپ میر، نظیر اور کبیران کے اصل ساتھی۔

اسی زمانے میں ناصر کاظمی، مصطفیٰ زیدی، جمیل الدین عالی، ضیاء جالندھری، عزیز حامد مدنی وغیرہ کی دھوم مچنا شروع ہوئی ساتھ ہی ''رنگ میر'' کی ہماہمی، منیر نیازی ذرا بعد میں ظاہر ہوئے، عالی اور انشاء دونوں ''ہندی'' گیت لکھ رہے تھے، ساجن، گوری، پیت، جوگی، آشا، نراشا، اجیارا، روپ، سپنے وغیرہ کی تکرار سے یہ گیت کافی BANAL ہو سکتے ہیں لیکن ان دونوں کے ہاں اس قسم کی BANALITY ذرا کم ملے گی، اس قسم کے گیت 1920ء سے اردو میں لکھے جا رہے تھے، عالی اور انشاء نے ان کو ایک نئی انفرادیت بخشی، انشاء موجودہ عہد کے ان معدودے چند شاعروں میں سے ہیں جن کے اشعار اور نظمیں لوگوں کو زبانی یاد ہو گئیں۔

کل چودھویں کی رات تھی شب بھر رہا چرچا تیرا
کچھ نے کہا یہ چاند ہے کچھ نے کہا چہرا تیرا
ہم بھی وہیں موجود تھے ہم نے بھی سب پوچھا کیے
ہم ہنس دیئے ہم چپ رہے منظور تھا پردہ تیرا

اس قسم کی ایک رواں دواں غزل ایک زمانے میں ہمارے ہاں گلی کوچوں میں گائی جاتی تھی۔

اس نے کہا تو کون ہے میں نے کہا شیدا تیرا
اس نے کہا تو کون ہے کیا میں نے کہا سودا تیرا

یہ سیدھی دل میں اتر جانے والی شاعری تھی اور یہ روانی اور سادگی سب سے پہلے حالی نے متعارف کرائی تھی۔

1950ء میں انشاء پہلے شاید مولوی عبدالحق کے ساتھ اردو کالج میں کام کرتے تھے، اس کے بعد سرکاری ملازم ہوئے موٹے شیشوں کی عینک لگائے، دراز قد، نہایت بھلے اور نیک دل آدمی، بے حد سینس آف ہیومر کے مالک اور انتہائی شائستہ، چاند نگر کے بنجارے جوگی'' اور اصلی ابن انشاء دو مختلف ہستیاں تھیں، انسان کی ظاہری شخصیت اور اس کے دنیاوی کاروبار اور اس کی داخلی کائنات میں کتنا تضاد پایا جاتا ہے، اس ثنویت کی ایک مثال ابن انشاء تھے جن کا اصل نام شیر محمد خان تھا (جو بہت کم لوگوں کو معلوم تھا)۔

یہاں ایک نکتہ واضح کرنا ضروری ہے، ملک کے سماجی اور معاشی حالات اور عمرانیات کا اثر ادب اور ادیبوں پر کس طرح پڑتا ہے، پاکستان بننے کے بعد کافی ادیب اور شاعر آسودہ حال اور

اچھی ملازمتوں پر فائز تھے، اردو قومی زبان تھی، اہل قلم کو ذاتی ترقی کے نت نئے مواقع میسر آ رہے تھے، یہ مطلب نہیں ہے کہ پاکستان کا ہر ادیب اور شاعر دولت مند ہو چکا تھا، لیکن جہد البقاء سے پیدا کردہ نفسیاتی الجھنیں جو راست ادیبوں کی تخلیق میں ظاہر ہوتی ہیں، ان کا گزر کم تھا، 1950ء کے چیدہ اہل قلم کا یہ ایک نہایت فارغ البال گروہ تھا، قدرت اللہ شہاب (سی ایس سی) ہر صدر مملکت کے سیکرٹری مقرر کئے جاتے تھے، جمیل الدین عالی، جمیل جالبی، عبد العزیز خالد اور غالباً ضیاء جالندھری محکمہ انکم ٹیکس میں افسر تھے، محبوب خزاں اور مصطفےٰ زیدی سی ایس پی میں تھے، آفتاب احمد (آڈٹ اینڈ اکاؤنٹس) ن م راشد (اقوام متحدہ) صمد شاہین اور عزیز احمد محکمہ نشریات و اطلاعات) شیخ محمد اکرام، ممتاز حسن اور اسی طرح بہت سے بزرگ اور جواں سال مصنف ادیب تھے جن کے اب نام یاد نہیں آ رہے۔

تو اس وقت ایک حد تک ذاتی فرسٹریشن کا ادب تخلیق نہیں ہوا تھا، غم جاناں اور غم دوراں نظریاتی تھا، میں نے ابھی کہا کہ ادیب کا خوشحال ہونا ضروری ہے، یورپ، امریکہ، انگلستان، جاپان اور سوویٹ یونین کے اہل قلم کی فارغ البالی یا تمول کا تھرڈ ورلڈ کے ادیبوں کی خستہ حالی اور ان کے محدود ادب سے موازنہ کر کے دیکھئے جو بات میں کہہ رہی ہوں آپ کی سمجھ میں آ جائے گی، تھرڈ ورلڈ میں بالخصوص ہندوستان کے اردو والوں کی حالت اس وقت ادب میں (جتنا کچھ بھی ہو ہے اور جتنے لوگ بھی اس کو پڑھتے ہیں) جو ہڑبونگ مچی ہوئی ہے، ذاتی لغض و عناد، رشک و حسد مخالفت اور مخاصمت کا جو بازار گرم ہے چوہوں کی دوڑ میں بہتر مواقع حاصل کرنے کی مسلسل اور اکثر ناکام تگ و دو، اس کی وجہ سے آپس میں جھگڑے، گالی گلوچ، لعن طعن، تہمتیں اور الزام ایک دوسرے کو سی آئی اے یا روس کا ایجنٹ کہا جا رہا ہے وغیرہ، ان حالات میں دو قسم کا ادب پیدا ہو سکتا ہے، انقلابی اور یاسیت پرست، ہمارے ہاں اس وقت عموماً منفی، یاس پرست اور گنجلک ادب تخلیق کیا جا رہا ہے، ہندوستان کا بیشتر اردو ادب نروس بریک ڈاؤن کا شکار ہے، جب لکھنے والے کے پاس کھانے کو ہی نہ ہوگا، نہ اپنی تخلیقات چھپوانے کے لئے رسالے، نہ کتابیں شائع کرنے کے لئے ناشر نہ پڑھنے کے لئے ٹریڈنگ پبلک تو لکھنے والا رفتہ رفتہ ایک جذباتی اور ذہنی اندھے کنوئیں میں بند ہوتا جائے گا اور لا محالہ احساس کمتری کا شکار ہو گا، (مجھے بے حد تعجب ہوتا ہے جب میں یہ دیکھتی ہوں کہ یہاں کے بہت سے ادیب اور شاعر پاکستانی رسالوں خصوصاً نقوش میں اپنی تخلیقات چھپوانا اپنی بلندی کا سرٹیفکیٹ اور اپنا ادبی STATUS SYMBOL سمجھتے ہیں) یہ آزادی کے اکیس سال بعد کے ہندوستانی اردو ادیب کا المیہ ہے۔

میں 1950ء کا ذکر کر رہی ہوں، جب پاکستان میں نیا معاشرہ تخلیق ہو رہا تھا، نظریاتی اور عمرانی افراتفری موجود تھی، مگر چونکہ اردو قومی زبان تھی اردو والوں کا کسی دوسری زبان سے کمپٹیشن نہ تھا، رہی بنگالی وہ سیاسی مسئلہ تھا اور بنگالی ادب کا اردو ادب سے کوئی ٹکراؤ نہ تھا، بلکہ اردو ادب اور شاعر دراصل ایک حد تک اس احساس برتری میں مبتلا تھے، جو یہاں ہندی والوں کو ہے تو 1950ء میں کافی اہل قلم کے لئے غم جاناں اور غم دوراں نظریاتی تھا۔

ترقی پسند اور اسلامی ادب اور داخلیت

پرستی پر بڑے آرام و آسائش سے مناظرے ہوتے تھے، پنڈی سازش کیس کے بعد سے فیض صاحب ایک لیجنڈ بنتے جارہے تھے اور ہم سب کے پیرو مرشد تھے، اس وقت کراچی کے ایک سرکاری دفتر میں انشاء اور انکم ٹیکس آفیسر کی میز پر بیٹھے عالی کو گوری اور پنگھٹ اور جوگی اور من مندر کی ہندوستانی امیجری کے گیت اور دوہے لکھنا خالص شاعری تھی، لیکن ان شاعروں نے تخلیقی تجربے کی ایک مخصوص زبان اور لہجے کو دوبارہ دریافت کیا تھا، علامتوں کے ساتھ ایک مصیبت یہ ہے کہ وہ بہت جلد پامال ہو جاتی ہیں اور یہ اس وقت ہمارے ادب میں برابر ہو رہا ہے، لیکن انشاء کا چاند نگر منفرد رہا۔

اردو میں ہندی کی گھلاوٹ اور انداز بیان کی ایک مخصوص کیفیت اس سے پہلے مجھے صرف آرزو لکھنوی میں نظر آتی ہے، 1950ء میں شدید کٹر پاکستانی نیشنلسٹ جمیل الدین عالی اور ''ہیومنسٹ سوشلسٹ'' ابن انشاء کے ہاں ہندی امیجری کے استعمال میں ہندوستان کے لئے نوسٹیلجیا بھی مضمر تھا، ابن انشاء نے چینی نظمیں ترجمہ کی تھیں، وہ چینی اور جاپانی شاعری سے بھی متاثر تھے، چاند بھی، کوئی انوکھا موضوع نہیں ہے، حجری عہد کے غاروں میں رہنے والے ہمارے اجداد پونم کے چاند کو دیکھ کر پتھر لڑھکاتے اور غوں غاں کرتے ہوں گے، تب سے لے کر آج تک شاعروں نے چاند کی چھٹی نہیں دی، لیکن ایک چاند صرف ابن انشاء کا تھا، کوئی دوسرا اسے اس طرح نہیں دیکھ سکا اور ہر شعر میں چاند کی اتنی تکرار کے باوجود وہ بور نہیں کرتا۔

ابن انشاء سے میری آخری ملاقات 1960ء میں ہوئی تھی، ان کا دفتر میرے دفتر سے زیادہ دور نہ تھا اور ہم لوگ اکثر فون پر گپیں ٹھونکا کرتے تھے، یا انشاء دوسرے دوستوں کے ساتھ ہمارے دفتر آجاتے تھے، برسوں بعد 75ء میں انشاء کی بھیجی ہوئی ''اردو کی آخری کتاب'' مجھے ملی تو معلوم ہوا کہ آپ اب نیشنل بک سنٹر کے ڈائریکٹر ہو چکے ہیں، ساری دنیا میں گھوما کرتے ہیں اور شاعر سے زیادہ مقبول طنز و مزاح نگار اور کالم نویس بن چکے ہیں ''اردو کی آخری کتاب'' میں ایک حد تک ''1-66 AND ALL THAT'' کے پائے کا طنز و مزاح تھا، مجھے یہ تصنیف اتنی پسند آئی کہ میں نے فوراً اس کے چند ابواب تلخیص و ترجمہ کر کے السٹریٹیڈ ویکلی میں شائع کیے، چونکہ میں خط لکھنے کے معاملے میں بے حد کاہل ہوں پدما سچدیو کو اس مضمون کے تراشے دیئے کہ ابن انشاء کو کراچی پوسٹ کر دیں، ان کا خط آیا۔

کراچی

9 مئی 1975ء

عینی بیگم! آداب، چند دن ہوئے پدما کا خط آیا جس میں آپ کے ترجمے کا تراشہ ملفوف تھا، پدما سے ہماری خط و کتابت ہے، معصوم سی خط و کتابت جیسی انڈر گریجویٹ لڑکے لڑکیوں میں ہوتی ہے اور جیسی کہ ہماری عمر کا تقاضہ ہے، ہوش کی منزل کو پہنچیں گے تو ان جھمیلوں اور موہ مایا سے گریز کریں گے، لو ایک قصہ سنو، پچھلے مہینے ماری پور جانا ہوا، اپنے مدنی ساتھ لے گئے تھے، وہاں ان کے مرشد رہتے ہیں بابا ذہین شاہ تاجی، تصوف اور قوالیوں کے بحرنا پیدا کنار کے شناور میرا قلب ابھی جاری نہیں ہوا، جیسا گیا تھا ویسا لوٹ آیا، راستے سے گزرتے ہوئے جس کی شکل اب بالکل بدل گئی ہے پہلی بر آپ کے ہاں ماری پور جانا یاد آیا، پچیس برس پہلے ایوب احمد کو مانی کے ساتھ پھر ادھر جانے کا موقعہ نہ ملا تھا، اب

ہماری عمر میں پچیس برس باقی نہیں ہیں کہ تیسری بار جائیں اور جائیں تو کیوں جائیں۔

آپ نے بڑا کرم کیا کہ میرا مضمون ترجمہ کیا اور زیور طبع سے آراستہ بھی کیا، زندہ باش بعض جگہ ہندوستان کے چند ناموں کا ذکر آیا تو آپ ڈنڈی ضرور مار گئی ہیں، سو یہ صحبت کا اثر ہے، اب اس کتاب کو ہند پاکٹ بکس والے چھاپ رہے ہیں، اس کے پیش لفظ کے لئے آپ کچھ لکھ دیں بشرطیکہ UNDILUTED تعریف میں ہو، تو آداب بجا لاؤں، یہ جملہ شرطیہ ناحق لکھ دیا، میں جانتا ہوں جتنے نقاد صائب نظر رکھتے ہیں وہ میری تعریف پر مجبور ہیں، بعض کم فہم اور کج نظر ایسے بھی ہوتے ہیں جن کو میری تحریر میں کوئی خوبی نظر نہیں آتی۔

ایک پورا سیٹ اپنی کتابوں کا ایک بی بی کے ہاتھ آپ کے لئے بھیجا تھا کہ بریلی جا کر سپرد ڈاک کر دیں وہ بی بی وہاں جا کر صاحب فراش ہو گئیں، گھٹنے پر ضرب آئی، جانے کس کی آنکھیں پھوڑنے کو مارا ہو گا، اس کتاب کے علاوہ میرے سفر نامے میں ''آوارہ گرد کی ڈائری'' ''دنیا گول ہے'' ''ابن بطوطہ کے تعاقب میں'' ''چلتے ہو تو چین کو چلیئے'' اتنے سفر نامے ہو گئے ہیں کہ اب کہیں باہر جاتا ہوں تو امیگریشن والے حلف نامہ لیتے ہیں کہ آکر سفر نامہ نہیں لکھوں گا، سال گزشتہ تین بار جاپان گیا، ہر بار مسافر کے طور پر دلی کے ٹرانزٹ میں تھوڑی دیر کو اترتا ہوں اور حیرت و حسرت کا مارا پھر جہاز میں آ جاتا ہوں، دیکھیئے کب راستے کھلتے ہیں، کب سبیل بنتی ہے۔

''کیا تھا ریختہ پردہ سخن کا وہی ٹھہرا ہے اب فن ہمارا'' سنڈے کے سنڈے ایک کالم جنگ اخبار میں لکھتا ہوں، اتنا اچھا ہوتا ہے کہ اپنے ہاتھ چوم لینے کو جی چاہتا ہے، بار بار پڑھتا ہوں، لیکن طبیعت سیر نہیں ہوتی، ساتھ کے کالم میں مرزا جمیل الدین عالی کا عالمانہ اور فاضلانہ کالم ہوتا ہے، سنجیدہ اور مقطع لوگ ان کا کالم پڑھتے ہیں، قوم کے درد میں ڈوبا ہوا اور اسلام کے نشے میں سرشار ہوتا ہے ویسے یہ ہمارے یار عزیز آج کل نیشنل بنک آف پاکستان کے ایگزیکٹو وائس پریذیڈنٹ ہیں، بڑے دھانسو بن کر سمجھے جاتے ہیں۔

کیا ''اردو کی آخری کتاب'' میں سے ایک آدھ قسط ویکلی میں اور ہو سکتی ہے؟ آپ جانتی ہیں مجھے شہرت کی تمنا نہیں لیکن قارئین کے پرزور اصرار کا کیا کیا جائے، ان چند برسوں میں بہت کچھ ادب عالیہ اس فقیر کے قلم سے سرزد ہوا، وہ بزبان انگریزی آپ کے پرچے کی شوبھا بڑھانے اور سرکولیشن گھٹانے کے لئے وقتاً فوقتاً بھیجا جا سکتا ہے، جی کڑا کر کے جواب دیجئے، وہ نظم آپ کو ملی؟ ''یہ بچہ کس کا بچہ ہے؟'' میں چاہتا ہوں آپ اس کا انگریزی میں ترجمہ کر کے شائع کریں اور بھی بہت کلام بلاغت نظام ہے، سننے والے میں تحمل کا مادہ ہو۔

نیاز کیش

ابن انشاء

کراچی

11 جون 1975ء

''اردو کی آخری کتاب'' کے لئے طویل یا مختصر، یا طویل یا مختصر طویل تعارف، پیش لفظ، مقدمہ، بھومیکا، پریچے، فوراً ترنت لکھ بھیجیں، میرے خط پتر کا جواب بھی ضرور دیں۔

مخلص

ابن انشاء

میں نے مصروفیت اور کاہلی کی وجہ سے انشاء جی کے کسی خط کا جواب دیا نہ کتاب کا پیش لفظ لکھ

اور سب سے زیادہ افسوس یہ ہے کہ ''یہ بچہ کس کا بچہ ہے'' جس کے بارے میں انہوں نے مجھے بار بار لکھا میں اس کا انگریزی میں ترجمہ کرنا بھی ٹالتی رہی، خیال یہ تھا کہ ابن انشاء کہیں بھاگے تھوڑا ہی جا رہے ہیں کبھی ان کو خط بھی لکھ دیں گے اور ترجمہ بھی، ان کی کتاب کے متعلق بھی کچھ لکھ دیں گے۔

پچھلے سال لندن سے ایک صاحب ابن انشاء کی تازہ کتاب اور خط لے کر آئے۔

لندن

31 مارچ 1977ء

عینی بیگم، تازہ خبر یہ ہے کہ ہم بھی یہاں آ گئے ہیں، مکان ابھی نہیں ملا ہے، آئے تو ہیں تین سال کے لئے لیکن اتنی استقامت ہم میں نہیں ہے، دیکھئے کب بھاگتے ہیں، کام ہمارا انڈیا آفس لائبریری سے متعلق ہے، کسی دفتر وفتر کی پابندی نہیں ہے، آپ سے ملاقات کے امکان ذرا روشن سمجھئے۔

باقی انقلابات زمانہ کا کیا کہیے، عسکری کا معلوم ہو گیا ہو گا، پیرس میں پریس کونسلر ہیں، عالی اسمبلی کے لئے بھٹو کے ٹکٹ پر کھڑے ہوئے تھے، جماعت اسلامی اور متحدہ محاذ نے ہرا دیا، شہاب صاحب اسلام آباد میں ہیں، اب آپ چنڈو خانے کی سنائیے، سحاب قزلباش روز ملتی ہیں، اچھا اب ہمارا مجموعہ ''اس بستی کے اک کوچے میں'' قبول کرو اور اسے پسند کرو۔

ابن انشاء

میں نے سوچا انشاء اپنے مکان کا پتہ بھیجیں تو ان کو خط لکھوں، سنا تھا سفارت خانے میں گئے ہیں، لیکن پاکستان ایمبیسی بھی شاید لندن میں کسی اور جگہ منتقل ہو چکی ہے اور مجھے اس کا پتہ معلوم نہ تھا، پھر سنا ابن انشاء دراصل علیل ہیں اور حکومت پاکستان نے ان کو اس لئے لندن ٹرانسفر کر دیا ہے کہ وہاں ان کا علاج ہوتا رہے، علالت کی نوعیت کا مجھے علم نہ تھا، نومبر یا دسمبر 77ء میں معلوم ہوا کہ ابنا انشاء TERMINAL مرض میں مبتلا ہیں، میں نے سحاب قزلباش کو خط لکھا، اطلاع ملی کہ سحاب لندن سے کراچی واپس جا چکی ہیں۔

11 جنوری 78ء کو لندن کے ایک ہسپتال میں کئی دن بے ہوش رہنے کے بعد یہ نیک اور بہت ہی بھلا انسان اس دنیا سے رخصت ہو گیا جس کے لئے وہ بہت کڑھتا رہا تھا۔

بند آنکھیں ہوئی جاتی ہیں پساریں پاؤں
نیند سی نیند ہمیں اب نہ اٹھانا لوگو
اب کوئی آئے تو کہنا کہ مسافر تو گیا
یہ بھی کہنا کہ بھلا اب بھی نہ جانا لوگو

ابن انشاء نے جہانگیر روڈ کراچی کے ایک سرکاری کوارٹر سے بتدریج آکسفورڈ اسٹریٹ لندن کے ایک لگژری فلیٹ تک کا سفر کیا، بحیثیت شاعر اور طنز نگار اپنے ملک میں بے پناہ مقبولیت حاصل کی، لیکن کامیابی اور شہرت نے اس کا دماغ خراب نہیں کیا۔

انشاء کا مزاج لطیف اور مہذب تھا، اردو زبان کی ہمہ گیری کا ایک افسوناک پہلو یہ ہے کہ طنز و مزاح بڑی آسانی سے ابتذال بے ہودگی اور بدتمیزی میں تبدیل ہو سکتا ہے، شائستہ طنز اور پھکڑ پن میں بال برابر کا فرق ہے، جس کو متمدن لوگ پہچانتے ہیں، مگر بعض مزاحیہ شاعروں اور نثر کے طنز نگاروں کے ہاں یہ سوقیانہ پن آ ہی جاتا ہے، واقعات مسائل اور شخصیات پر خامہ فرمائی کرتے ہوئے قلم کو سنبھالے رکھنا تہذیب کی پہچان ہے، انشاء اس معیار پر پورے اترتے تھے۔

69ء میں کراچی کی ایک خاتون صحافی نے

ان سے وہی پٹا ہوا سوال کیا۔

''آپ ادب کیوں تخلیق کرتے ہیں؟''

کسی ادیب سے یہ سوال کیوں کیا جاتا ہے، یہ میری سمجھ میں آج تک نہ آیا، یہ ایسا ہی ہے کہ کسی مغنی سے پوچھیئے آپ کیوں گاتے ہیں یا پھر یہ کہ آپ کھانا کیوں کھاتے ہیں، پانی کیوں پیتے ہیں، بہرحال تو اس کا جواب انشاء نے یوں دیا۔

''آپ کی طرح ادب کے اور بھی کئی بہی خواہوں نے ہم پر یہ اعتراض کیا ہے بھئی کیا کریں، عادت سے مجبور ہیں، پھر صحبت اچھی نہیں ملی ہوش کی آنکھ کھلی تو اپنے آپ کو ادیبوں اور شاعروں میں گھرا پایا، اس سے بہتر اور کوئی کام ہمیں آتا بھی تو نہیں۔''

آپ کے اس خیال سے مجھے اتفاق نہیں کہ ہمارا معاشرہ ادیبوں کے بارے میں کوئی ذمے داری قبول نہیں کرتا، اہل خرد کی رائے ہے ادیب اچھا ادب بدحالی کے ماحول ہی میں پیدا کر سکتا ہے، فراغت کے عالم میں نہیں لہٰذا معاشرہ ادیب کے لئے ایسے ماحول کا التزام کرتا رہتا ہے کہ وہ بیٹھا کڑھتا، روتا اور اپنے دل کو گداز کرتا رہے تاکہ رہتی دنیا تک زندہ رہنے والا ادب پیدا کرتا رہے۔

اسی موضوع پر زیادہ سنجیدگی سے ابن انشاء نے 56ء میں سویرا (لاہور) کے ایک شمارے میں ''میں کیوں لکھتا ہوں'' کے جواب میں کہا تھا۔

''عسکری نے اپنے کسی مضمون میں مشورہ دیا تھا کہ ادیب کو جو کچھ لکھتا ہے اپنے اعصابی نظام سے پوچھ کر لکھنا چاہیے، میں یہی کرتا ہوں، اب یہ الگ بحث ہے کہ میرا یا عسکری صاحب کا اعصابی نظام میر فیض بودلیئر یا ملارلے سے متاثر تو نہیں اور آیا دل و دماغ کا شمار اعصاب میں ہے یا نہیں، بہرحال ظاہری حقیقت یہی ہے کہ میں اپنے اندرونی جذبے سے متاثر ہو کر لکھتا ہوں، شعوری طور پر نہ کسی نقاد کے لئے لکھتا ہوں نہ عوام کے لئے، میری وہ نظمیں جن میں صحت مند سماجی شعور ملتا ہے شعوری طور پر مقصدی نہیں ہیں، شاید یہی وجہ ہے کہ بعض اوقات ان میں جبلی کمزوریاں یاسیت اور فرار جگہ پا جاتی ہے میرے نزدیک دیانت کا تقاضا یہی ہے کہ انہیں اسی طرح رہنے دیا جائے۔''

''میں طبعاً رومانی بلکہ الف لیلوی ہوں، لکھنے میں اس رجحان سے بڑی مدد ملتی ہے، لیکن میں ایک ایسی سوسائٹی میں رہتا ہوں اور اس کے دکھوں اور سکھوں سے بہرہ مند ہوتا ہوں، جو الف لیلوی نہیں ہے، میں نے کسی سماجی سائنس کا (مارکسزم کا بھی) ڈھنگ سے مطالعہ نہیں کیا لیکن انسان کو انفرادی اور اجتماعی مادی اور روحانی طور پر خوش باش دیکھنا چاہتا ہوں، اصطلاح پر اصرار ہو تو پرانی طرز کا ہیومنسٹ یا سوشلسٹ سمجھ لیجیے، میرے نزدیک یہ معلوم کرنے کے لئے کسی حکیم کے پاس جانے کی ضرورت نہیں ہے کہ جنگ اچھی چیز ہے یا امن، غریبی یا خوش حالی، قید یا آزادی۔''

''ان معاملوں میں تشکک، بے اعتنائی اور غیر جانبداری میرے نزدیک بددیانتی ہے یا کم از کم ذہنی جمود، مجھے منفیوں سے نفرت ہے اور بے حسوں سے بھی، میں نے آڈن اور اس کے ہم عصروں کا عروج و زوال دیکھا ہے اور اس سے خاصی عبرت حاصل کی ہے، میرے نزدیک کسی کے کامیاب یا ناکام ہونے کا معیار یہ نہیں کہ اس سے کسی ڈھلمل یقین اور جذباتی انٹلیکچوئیلی کی ذہنی تسکین ہو، یہ دیکھتا ہوں کہ اس کی بدولت پچاس کروڑ سادہ اور غیر انٹلیکچوئیل انسانوں کی زندگی

میں شادابی کا دور ہوا ہے یا نہیں۔"

"یہی جذبے ہیں جو قدرتی طور پر میرے اعصابی نظام میں سے ہوتے ہوئے میری نظموں میں بھی غیر شعوری طور پر آجاتے ہیں۔"

"عشقیہ نظموں میں جذبے کی سچائی میرا اصول ہے اور ان معاملوں میں میرا جذبہ ہمیشہ شاید ہوتا ہے، چونکہ میں اسے PHILOSOPHISE نہیں کر سکتا یہ جنون کا روپ دھار لیتا ہے ایسی نظموں کے ڈکشن اور لفظیات میں بھی آپ کو ایک وارفتگی ملے گی، میر کو چاند میں ایک شکل نظر آتی تھی نا، مجھے بھی (جھوٹے پر خدا کی لعنت) نظر آتی ہے۔"

بقول خود انشاء کا قلب جاری نہیں ہوا تھا لیکن انہوں نے نظیر کے قلندروں اور وارث شاہ کے کن پھٹے جوگیوں کی جو دنیا بسائی تھی، جو دراصل انسان دوستوں اور جہاں دوستوں کی دنیا تھی یہ جوگی اور بنجارے ایک فاسق، استحصال زر پرست معاشرے سے ادپٹ آڈٹ کرنے والوں کے سمبل تھے۔

سید ھے من کو آ دبوچیں میٹھی باتیں سندر بول
میر نظیر کبیر اور انشاء ایک گھرانا ہو

مترنم جھرنوں کی روانی کے ساتھ انشاء کیا کہتے تھے، خالص، اداس، رومان، آئیڈیلزم امن پرستی، انسان دوستی۔

سکھیاں نہ ساون بھادوں نہ برکھا
بگیا نہ بگیا میں پھولوں کے تھالے
تو جو نہیں ہے تو ہم بھی کہاں ہیں
آتا ہے کیوں یاد یاد آنے والے

وہ ایک کلی چنبیلی کی
جو تم نے کہا تھا بھیجو گی
اے کاش تم آ کر دیکھ سکو

ملاحظہ

ایک عورت کپڑے کی بڑی دکان میں گئی جہاں ہزاروں کی تعداد میں بلے۔ ملانے جوڑے رکھے تھے وہ دیر تک کپڑوں کو دیکھتی رہی پھر مایوسی سے بولی۔
"بس آپ کے پاس یہی کچھ ہے؟"
سیلز گرل نے مودبانہ جواب دیا
"محترمہ میرے بدن کا بھی جوڑا ملاحظہ فرمالیجیے۔"

وہ ہم کو کتنی پیاری ہے

اس نظم کو پڑھ کر بن جانسن کا ISENT THE LATE A ROSY WREATH یاد آجاتا ہے۔

ابن انشاء بھی مزاجاً ایک ایلزبتھن LYRICAL شاعر تھے۔

"عصری حسیت" اور عصری آگہی۔" کا ان دنوں ہماری بقراطی تنقید میں بہت چرچا ہے کہا جا رہا ہے کہ ان دنوں جو کچھ لکھا جا رہا ہے، اس میں عصری آگہی اور عصری حسیت موجود ہے، گویا اس سے پہلے، اب تک لکھنے والوں نے جو کچھ لکھا وہ اس آگہی اور حسیت سے عاری تھے، (اس قسم کی PHONEY اور مضحکہ خیز باتیں ہمارے ہاں ہی ممکن ہیں)۔

ابن انشاء کی طویل سیاسی نظمیں (ان کو سیاسی کہنا مناسب نہیں یہ تاریخ کی دستاویزیں ہیں) "دیوار گریہ" (عرب اسرائیل جنگ جون 1967ء) "دیوانے کا پاؤں درمیاں ہے" اور "یہ بچہ کس کا بچہ ہے" اور "بغداد کی ایک رات" اردو کی اچھی نظموں میں شمار کی جائیں گی۔

☆☆☆

دل گزیدہ

ام مریم

پہلی قسط کا خلاصہ

غانیہ اپنے والد کے ساتھ گاؤں اپنی ددھیال آتی ہے، جہاں اس کی ملاقات باقی کزنز کے ساتھ تایا زاد منیب سے ہوتی ہے پہلی ہی ملاقات میں وہ اس پر طنز کے تیر چلاتا ہے، جبکہ تایا زاد بہن کنیز اس سے بہت محبت سے پیش آتی ہے اور اپنے بھائی کے رویے کا ازالہ کرنے کی کوشش میں گھر کے لگژری کمرے میں آرام کرنے کا کہتی ہے، لیکن وہاں سے منیب اس کی بے عزتی کر کے نکال دیتا ہے یہ کہہ کر کے وہ اپنا کمرہ کسی صورت اس کو نہیں دے گا۔

مون کی آپا بے حد پریشان ہے وجہ مون کی بیوی ہے جو کہ ان کے بھائی سے علیحدگی چاہتی ہے اور اپنے بچوں کو بھی اپنے پاس رکھنا چاہتی ہے، اس وجہ سے مون بے حد اپ سیٹ ہے۔

گاؤں سے واپسی پر غانیہ بے حد الجھی سی دکھائی دیتی ہے، مما نازلی بیگم غانیہ کی تعلیم کے سلسلے میں لاپروائی دیکھ کر بے حد خفا ہیں جبکہ غانیہ ان سے یہ پوچھ کہ "وہ اپنے کس تایا زاد سے منسوب ہے" پریشان کر دیتی ہے۔

دوسری قسط

اب آپ آگے پڑھیے

تیری ابتدا بھی آنسو
تیری انتہا بھی آہیں
تو خود بتا محبت
تجھے کس بنا پہ چاہیں

خاموش لب بستہ دونوں ہاتھ ٹھوڑی کے نیچے ٹکائے وہ گلاس وال کے پار برستی بارش کو دیکھتی رہی، آسمان پہ کہیں کہیں بادلوں کے کچھ چھوٹے بڑے ٹکڑے نارنجی انگاروں کی طرح دہکتے ہوئے نظر آرہے تھے، مغرب کی جانب سے کالی گھٹائیں اڈ اڈ کر آئیں جو اس جانب اشارہ کرتی تھیں کہ بادل ابھی اور برسیں گے، صبح جب وہ سو کر اٹھی تو کھڑکی سے باہر کا منظر ہی اور تھا، دور نہر کی جانب جانے والی سڑک رات بھر ہونے والی بارش سے دھل کر مزید سیاہ اور چمکدار ہو رہی تھی، گہرے بادل ابھی بھی آسمان پہ قبضہ جمائے ہوئے تھے۔

''چھوٹی بی بی آپ کو بیگم صاحبہ بلاتی ہیں، فضہ بی بی کی امریکہ سے کال ہے، بات کر لیں۔''
وہ اسی کیفیت میں بیٹھی گلاس وال پہ اِدھر اُدھر پھسلتے پانی کے قطروں کو دیکھ رہی تھی جب ملازمہ نے دروازہ تھپتھپا کر اندر آنے پہ اہم اطلاع دی، غانیہ کے تھکے ہوئے اعصاب یکدم مزید شکستہ ہو کر رہ گئے۔

''آتی ہوں۔''
وہ اٹھی تو ڈریسنگ ٹیبل کے قد آدم آئینے میں ابھرتا اپنا عکس دیکھ کر ایک پل کو دھچکا سا لگا، یہ وہ تھی اس نے ہاتھ سے اپنے چہرے کو چھوا، الجھے بے ترتیب بال، متورم آنکھیں، ستا ہوا چہرہ، شکن آلود لباس اس کے دل سے ہوک سی اٹھی تو آنکھیں یکا یک پانیوں سے لبریز ہو گئیں۔

منیب چوہدری کتنے پاورفل ثابت ہوئے ہو، کتنی بے نیازی سے سرعت سے مجھے ہی مجھ سے چھین لیا، میری نیند، میرے خواب، میری ذات، میرا مان، کچھ بھی اختیار میرا مجھ پہ نہیں رہنے دیا، پھر بھی دیکھتے ہو تو نفرت سے...... (س از ناٹ فیئر۔)

مما کا شکوہ اور خفگی بے جا نہ تھی، وہ واقعی خود سے دن بدن لاپرواہ ہوتی جا رہی تھی، بکھرتی جا رہی تھی، وہ ہاتھ سے الجھے بال سنوارتی اپنے آپ سے نگاہ چراتی کمرے سے نکل آئی۔

''ہاں بھئی، آ گئی ہے مہارانی صاحبہ، کر لو بات اس سے۔'' مما کا اسے دیکھتے ہی پھر بلڈ پریشر ہائی ہونے لگا، حالانکہ اس کے کمرے میں آمد سے قبل وہ بہت ریلیکس انداز میں بیڈ پہ نیم دراز محو کلام تھیں مگر اس پہ نگاہ پڑتے ہی ان کی پیشانی شکنوں سے پر ہوئی آنکھوں میں ناگواریت در آئی، اس پہ سرد نظریں ڈالتے ہوئے انہوں نے ریسور اس کے ہاتھ میں دینے کی بجائے تکیے پہ ڈال دیا، غانیہ کا دل تو پہلے ہی درد کا پھوڑا تھا، مما کی خفگی و ناراضگی بھرا یہ رویہ مزید اذیت کا سامان کر گیا، اس نے ڈھیلے ہاتھوں سے ریسور اٹھایا۔

''ہیلو۔'' اس کی آواز بھی اس کے چہرے کی طرح تھی، بے جان اور الجھن آمیز۔
''میری جان...... کیا حال ہیں؟'' فضہ کی زندگی سے بھرپور شوخ کھنکتی آواز اس کی سماعتوں

میں اتری، وہ اس سے آٹھ سال بڑی تھی، ڈاکٹری کی اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے بعد وہ کامیاب شادی شدہ زندگی گزار رہی تھی، عامر بھائی بھی ڈاکٹر تھے، امریکہ میں دونوں اپنا ذاتی کلینک چلا رہے تھے، فضہ کا ارادہ مستقل وہاں قیام کا نہیں تھا، وہ پاکستان آ کر اپنا ہسپتال بنانے کی متمنی تھی، اس کے کہنے پہ ہی مما نے زبردستی غانیہ کا رجحان نہ ہونے کے باوجود اسے میڈیکل میں لانے کا پلان بنایا ہوا تھا، غانیہ کی دلچسپی نہیں تھی مگر مما کے سامنے بھلا کس کی پیش چلتی تھی، وہ کسی بھی صورت غانیہ کو بھی فضہ اور اسد کی طرح ڈاکٹر بنانا چاہ رہی تھیں، یہ انہی کی خواہش تھی دونوں بڑی اولادوں کی طرح شانزے بھی اسی شعبے میں نام کمائے۔

''کہاں کھوئی رہتی ہو بھئی؟ مما کو بھی تم سے اتنی شکاتیں پیدا ہو گئی ہیں۔'' گفتگو کے آغاز میں ہی فضہ نے اس کی بے دلی اور بے دھیانی محسوس کر کے ٹوک دیا، غانیہ گھبرا سی گئی، بے ساختہ مما کی جانب دیکھا، جو اسی خفا انداز میں اٹھ کر وہاں سے جا رہی تھیں، وہ سرد آہ بھر کے رہ گئی۔

''کچھ نہیں بھئی! معمولی سی طبیعت خراب ہے، مما تو یونہی پریشان ہونے لگتیں ہیں، آپ مجھے عمر کا بتائیں؟ کیسا ہے وہ؟'' غانیہ نے دانستہ موضوع بدلا اور اس کی توجہ خود سے ہٹانی چاہی، فضہ ماں تھی، بیٹے کی لاتعداد باتیں بتاتی چلی گئی، صد شکر اس کا دھیان تو بٹا۔

''پتا ہے غانیہ! کل عامر نے عمر سے پوچھا، بڑے ہو کر کیا بنو گے بیٹے! پتا ہے محترم نے کیا جواب دیا؟'' فضہ ہنستے ہوئے لوٹ پوٹ ہوئی جا رہی تھی، غانیہ کے چہرے پہ بھی بھولی بھٹکی مسکان اتری۔

''کہتا ہے ڈیڈ میں بڑا ہو کر ''ابو'' بنوں گا ہی ہی ہی۔'' اب کے قہقہے صرف فضہ نے نہیں لگایا، غانیہ بھی ہنس دی تھی۔

''بس مت پوچھو کہ عامر صاحب کا چہرہ کیسا ہو رہا تھا، میں نے کہا ٹھیک ہی تو کہہ رہا ہے، پاکستانی مرد ڈاکٹر، انجینئر، پائلٹ بنے نہ بنے مگر ابو ضرور بنتے ہیں۔'' وہ پھر قہقہے لگا رہی تھی، غانیہ اس آخری بات پہ بری طرح جھینپ گئی۔

''عمر ہے آپ کے پاس تو میری بات کروائیں۔'' غانیہ موضوع تبدیل کرنا چاہتی تھی، اگلے چند لمحوں میں عمر اپنی چہکتی آواز کے پھول برساتا لائن پہ آ چکا تھا۔

''کیسی ہیں خالہ جان؟''

عامر بھائی خاصے سے زیادہ محبّ وطن اور روائتیں سوچ کے مالک تھے، امریکہ جیسے ملک میں رہتے ہوئے بھی بیٹے کی پرورش اور گھر کے ماحول میں مشرقی اور اسلامی اقدار کو محفوظ خاطر رکھا ہوا تھا، یہی وجہ تھی کہ عمر بہت رواں اردو بولتا تھا۔

''فائن میری جان! آپ کیسے ہو؟ خالہ جانی یاد نہیں آتیں؟ کب آ رہے ہو ملنے؟'' اس معصوم فرشتے سے بات کرتے وہ واقعی بہلنے لگی تھی۔

''بابا تو کہتے ہیں نیکسٹ ائیر مگر میں انہیں عید پہ آنے کے لئے منا لوں گا، آتے ہوئے آپ کے لئے ڈھیر سارے چاکلیٹس کے ساتھ لیپ ٹاپ بھی لاؤں گا نیا والا۔'' وہ بہت جوش سے بتا رہا تھا، مزید کچھ دیر عمر سے بات کرنے کے بعد جب غانیہ نے ریسور رکھا تو مما کی نہ صرف کمرے

میں واپسی ہو چکی تھی بلکہ وہ اس کا خشمگیں پوسٹ مارٹم بھی مکمل کر چکی تھیں، غانیہ نے عجلت میں گفتگو بھی اسی لئے سمیٹی تھی کہ وہاں سے راہ فرار کی خواہاں تھی، مگر اسے ٹھیک سے اٹھنے بھی نہیں دیا تھا مما نے اور اپنے کٹہرے میں گھسیٹ لیا، وہ گہرا سانس بھرتی واپس ٹک گئی۔

''کل رزلٹ آیا ہے تمہارا اور تم نے مجھے بتانا بھی گوارا نہیں کیا۔'' ان کا انداز کڑا تھا اور نظریں ملامت زدہ، غانیہ جیسے زمین میں گڑھ کر رہ گئی، اس کی آنکھیں جھکانے کا باعث صرف ندامت نہیں تھی، دکھ کی اس ساعت میں اپنی تنہا ذات بھی تھی، وہ کس سے اپنی بے بسی اور بے مائیگی کی داستان کہتی۔

''کون کون سے سبجیکٹ میں سپلی آئی ہے؟'' اس کی خاموشی انہیں مزید آگ لگا رہی تھی، دانت پیس کر سوال کیا۔

''انگلش، کیمسٹری اور......''

''اور......'' وہ غم و غصے سے بھپرتی صدمے سے دھاڑیں، آنکھوں میں قیامت کی حدت تھی، غانیہ سر جھکائے ہونٹ بھینچے کھڑی رہی۔

''بے شرم لڑکی! اور گنجائش باقی بچی ہے، اگر بچی ہے تو ہو جاؤ فیل اس میں بھی لعنت ہے مجھ پر کہ تمہیں کسی بلند مقام پہ دیکھنے کو مری جا رہی ہوں، حالانکہ جو تمہاری حرکتیں ہیں قابلیت ہے اس کا تقاضا یہی ہے کہ تمہاری شادی کسی جاہل گنوار قسم کے مرد سے کر دوں، جو ساری زندگی تمہیں جانوروں کی طرح کاموں میں لگائے رکھے اور اس کے بے شمار بچے پالو تم اور اسی طرح بوڑھی ہو جاؤ، پھر ہی تمہیں ایجوکیشن کی اہمیت کا اندازہ ہو سکے گا۔'' غم و غصے کی شدید کیفیت میں کھولتے اعصاب پہ قابو پائے، بغیر وہ جو منہ میں آیا پر جلال انداز میں بولتی اسے رگیدتی ایسے چلی گئیں کہ پھر نہ انہیں اس کا اڑتا رنگ نظر آیا نہ ہی چھلک جانے کو تیار آنکھیں۔

''آئی ایم سوری مما!'' وہ گھٹی ہوئی آواز میں یہی کہہ سکی، مگر انہوں نے درشتی سے اسے جھڑک ڈالا۔

''شٹ اپ غانیہ...... جسٹ شٹ اپ، اینڈ ناؤ گیٹ لاسٹ فرام ہیئر۔'' آپے سے باہر ہوتیں وہ پھر چلائیں، انہیں واقعی لگتا تھا اگر غانیہ کی حرکتیں یہی رہیں تو لازماً انہیں وہ پاگل کر دے گی، غانیہ کو اس سارے مرحلے میں پہلی بار ان پہ غصہ نہیں بلکہ رحم آیا، ان کی حالت اسے تشویش میں مبتلا کرنے کو کافی تھی، وہ بے اختیار مضطرب ہوتی انہیں سنبھالنے کو آگے بڑھی۔

''مما......!'' انہوں نے ہیجانی انداز میں اسے زور زور سے جھٹکا۔

''فی الفور یہاں سے چلی جاؤ غانیہ، ورنہ میں خود کو شوٹ کر لوں گی گو......'' وہ پوری قوت سے چلائیں، غانیہ حواس باختہ سی ہو گئی، پھر منہ پہ ہاتھ رکھے پلٹ کر بھاگی تو آنسو پلکوں سے ٹوٹتے قدموں میں لوٹ رہے تھے۔

☆☆☆

تمہاری یاد بھی محسن
کسی مفلس کی پونجی ہے

جسے ہم ساتھ رکھتے ہیں
جسے ہم روز گنتے ہیں
آہستہ آہستہ شام ڈھل چکی تھی، چرند پرند کی چہچہاہٹیں فضا سے غائب ہو چکی تھیں، رات کی سیاہی میں چاند روشنی میں نہایا ہوا تھا، وہ ٹیرس پہ کھڑی ریلنگ سے کہنیاں ٹکائے اس خاموش ماحول سے بھی زیادہ خاموش۔
لاؤنج میں بیٹھے ماما پپا کی آوازیں اس تک با آسانی پہنچ رہی تھیں، وہ یقیناً اس کی وہاں موجودگی سے بے خبر تھے۔
''میں نے سمجھایا بھی تھا آپ کو، زبردستی کا نتیجہ یہی نکل سکتا تھا۔'' وہ مما کو ہی سمجھا رہے تھے یقیناً، ان لوگوں کے پاس ایک یہی موضوع تھا، اک سرد آہ غانیہ کے سینے کی گہرائیوں سے آزاد ہوئی، یہ بھی اچھا تھا بھرم قائم رہ گیا تھا، سب یہی سمجھتے تھے وہ میڈیکل پڑھنا نہیں چاہتی، یہ ناکامی اس عدم توجہی کا باعث سمجھی جاتی تھی، حالانکہ حقیقت اس کے بالکل برعکس تھی، وہ اس ایک لمحے کا بھگتان بھگت رہی تھی، جس لمحے میں وہ اسیر ہو چکی تھی، اس کے خیال سے دامن نہ چھوٹتا تھا، احساس سے نجات نہیں ملتی تھی، پہلے وہ اس بات پہ کڑھتی تھی وہ اس کے ساتھ ایسا کیوں کر رہا تھا، جواب تو مل گیا تھا، محبت میں ناکامی اسے ہر اس عورت سے نالاں کر گئی تھی، جس کے مزاج کا ذرا سا عکس بھی اس صورت سے ملتا تھا جو اس کی بیوی رہ چکی تھی، اب وہ یہ سوچ کر مضطرب ہوتی رہتی اگر وہ اسے پہلے قبول نہیں کر سکا تو اب کیا گنجائش نکلتی، یہ مایوسی زندگی سے دوری کا باعث ٹھہری اور ہر شے میں اس کی دلچسپی ختم ہوتی چلی گئی ماسوائے منیب چوہدری کے۔
''ملازمہ سے کہہ کر میری، پیکنگ کروا دیجئے گا نازنین! کل کنیز فاطمہ کی منگنی ہے، میرا جانا ضروری ہے۔''
کئی لمحے یونہی چپ چاپ سرک گئے، اک ان دیکھی خاموشی اداسی کی بکل مارے اس کے آس پاس سرسراتی رہی تھی جب پپا کی آواز پہ اس کا یہ گیان دھیان ٹوٹا، وہ ایک دم چونک کر رہ گئی، چہرے پہ رنگ سے اترنے لگے، گفتگو کا رخ اسی دشمن جاں سے جا ملا تھا۔
''کنیز فاطمہ کون......؟'' شاید مما بھی چونک گئی تھیں، ان کا انداز استفہامیہ تھا۔
''کنیز فاطمہ...... میری بھتیجی، کمال بھائی کی سب سے چھوٹی بیٹی، کل آفس میں مجھے انہوں نے فون کیا تھا۔'' مما کے ماتھے پہ امنڈتی شکنوں کو نظر انداز کیے پپا رسان سے جواب دے رہے تھے، غانیہ کا دل بہت زور سے دھڑکا اور دھڑکتا چلا گیا، توجہ کے تمام ارتکاز خود بخود اس جانب ہو گئے، حدت کے بعد ترستی ہوئی سماعتوں نے کوچہ جاناں کا تذکرہ سنا تھا۔
''آپ کو بہانہ چاہیے ہوتا ہے وہاں جانے کا اور ایسے بہانے آپ کے بھائی صاحب آپ کو مہیا کرتے رہتے ہی خیر سے۔'' مما کا لہجہ و انداز طنزیہ ہوا، پپا نے پھر نظر اندازی کا ازلی طریقہ اپنایا، مما جتنا بھی جلتی کڑھتی وہ اس معاملے میں اب ان کی سننے والے نہیں تھے۔
''کل ہی اگر آپ کو یاد رہا ہو تو مسز ہمدانی کے ہاں پارٹی ہے، ایک ہفتہ ہو گیا ہے یہ بات یاد دہانی کراتے مگر آپ...... آپ وہاں نہیں میرے ساتھ جائیں گے سن لیں آپ۔'' صرف پپا نے

ہی نہیں غانیہ نے بھی اپنی جگہ جز بز ہو کر پہلو بدلا۔
''میں نے آپ کو بھی فورس نہیں کیا ہے نازنین کہ آپ لازمی میرے رشتوں سے تعلق رکھیں، جہاں تک مجھے روکنے کی بات ہے تو میں آپ کو اتنا اختیار نہیں دے رہا ہوں میں، بہرحال ایک فضول پارٹی کی خاطر میں اپنے خاندان کی اہم تقریب مس نہیں کر سکتا، آپ اگر پیکنگ نہیں کر سکتیں تو اٹس او کے، میں غانیہ سے کہہ دوں گا۔'' بے حد سنجیدگی سے کی گئی یہ بات مما کو ہتھے سے اکھاڑنے کا باعث بن گئی، کچھ کہنا چاہتی تھیں مگر پپا وہاں سے چلے گئے، سڑھیوں کے اختتام پہ غانیہ یکدم ان کے سامنے آ گئی، پپا کے اس حتمی فیصلے نے اس کے اندر جیسے اک توانائی بھر دی تھی۔
''میں ابھی آپ کی پیکنگ کر دیتی ہوں پپا!'' اس کی آواز میں یکا یک زندگی در آئی تھی جیسے، پپا نے چونک کر اسے دیکھا، پھر اس کے سر پہ ہاتھ رکھ کر مسکرا دیئے۔
''تھینکس بیٹے! جیتی رہو۔'' وہ کھل کر سانس لیتی خود بھی مسکرانے لگی۔
(اگر تم برسوں قبل میرے نصیب کا حصہ بنے تھے منیب چوہدری، تو میں اس حصے کو وصول کیے بغیر نہیں رہوں گی، تمہیں میرا بننا تو پڑے گا، باقی کی تمام جنگیں تمہارے روبرو لڑ لوں گی)، اپنے کمرے کی طرف جاتے وہ خود سے عزم باندھ رہی تھی، یہ جانے بغیر کہ اس عزم میں، اس جنگ میں کیا کچھ قتل نہ ہونا تھا، خودی، زعم، انا، وقار اور جانے کیا کچھ...... مگر وہ سمجھتی ہی تو تھی۔

☆☆☆

وہ خیال تھا کوئی دھنک نمایا کوئی عکس تھا میرے روبرو
جو مجھے ہر طرف سے تو لگا وہ تو ہی تھا یا کوئی ہو بہو
یہاں میں تھی وہ چاشنی کہ مہک رہا تھا حرف حرف
جیسے خوشبوؤں کی زبان میں کوئی کر رہا ہو گفتگو
نہیں کچھ خبر کہ کس گھڑی تیرے راستوں کا سرا ملے
تیرے نقش پا کی تلاش میں لگی تو ہے میری جستجو
بس دیکھنا ہے کس طرح وہ جی رہا ہے میرے بغیر
یوں تو دل میں ہے وہ آج بھی جسے ڈھونڈتا ہوں میں کو بہ کو

بیگ میں پپا کے کپڑے رکھتے اس کی ذہنی اڑان تاؤ جی کے گھر تک ہی محدود رہی، ہر سوچ کا مرکز وہی ایک شخص تھا، ہر خیال میں اسی کا سراپا سجا تھا، خشونت و درشتی جس کے مزاج کا خاصا تھی ناگواری جس کی پہچان، وہ غصیلا اور تند خو تھا، مگر اسے اچھا لگ گیا تھا، اتنا اچھا کہ اس کی خفگی بھی سہنے کو بخوشی راضی ہوتی، اپنی اس آخری سوچ پہ وہ خود ہی جھینپ کر مسکرا دی۔
(اگر انہیں میری اس حماقت کا معلوم ہو تو کیا ری ایکشن دیں گے بھلا......؟)
سوچ کا سنہرا پن حیا کے خوب صورت سنگم کے ساتھ اس کی دلکشی و رعنائی کو بڑھاوا دے رہا تھا، وہ اتنی محو تھی کہ پپا کے اندر آنے کی بھی خبر نہیں ہو سکی، ان کے کھنکارنے پہ ایک دم اچھل سی گئی، پپا کے شرارت بھری مسکان کو دیکھتی وہ خفا نظر آنے لگی۔
''آپ نے ڈرا دیا مجھے۔'' وہ سینے پہ ہاتھ رکھے کھڑی تھی، دل ابھی تک دھڑ دھڑا رہا تھا، پپا

اس کے ناز بھرے، بسورتے انداز کو شفیق مسکان سمیت دیکھتے اس کے سر پہ ہاتھ رکھ گئے۔
''آج بہت دنوں بعد میرا بیٹا ذرا سا خوش نظر آیا ہے، خیریت ہے نا سب، کہیں وجہ میڈیکل سے جان چھوٹنے کی تو نہیں؟'' ان کے شرارتی انداز پہ وہ ایک دم جھینپ گئی، مگر خاموش رہی، کچھ گریزاں قدرے متذبذب۔
''کچھ چاہیے بیٹے......؟'' انہوں نے اس کا گال تھپتھپایا تھا، گویا حوصلہ افزائی کی۔
''میں......آپ کے ساتھ چلوں پپا......؟ وہ......ایکچوئیلی کنیز کی انگیج منٹ ہے تو میری دوستی ہوگئی ہے کنیز سے، جبھی......'' وہ ہنوز ہچکچاہٹ کا شکار تھی، بات ادھوری چھوڑ کر ان کے تاثرات جھانچے، پپا بے حد سنجیدہ نظر آئے۔
''اپنی مما کا پتا ہے ناں آپ کو؟ آپ کے رزلٹ کی وجہ سے آج کل ویسے ہی بہت برہم ہیں۔''
''منشین ناٹ پپا! اس وقت تو مما گھر پہ نہیں ہیں، بعد کی بعد میں دیکھی جائے گی۔'' وہ ان سے اجازت مانگتی مانگتی اپنے فیصلے سے آگاہ کررہی تھی انہیں، لہجہ کیسے چہکار سمیٹ لایا تھا۔
آنکھوں میں بے تحاشا چمک...... پپا کو اس پہ بے ساختہ پیار آگیا، پچھلے کئی دنوں سے وہ کتنی ملول تھی، کیا حرج تھا اگر اس طرح خوشی کر دیا جاتا، انہوں نے آمادگی سمیت اس کا گال تھپکا تو ساتھ ہی اسے بعد کے نتائج کے متعلق بھی ڈرانا چاہا تھا۔
''سوچ لو بیٹے! واپس بہرحال ہمیں یہیں آنا ہے، آپ کی ہٹلر مما کے پاس۔'' الفاظ کا چناؤ اسے کھلکھلانے پہ مجبور کرگیا تھا، یا پھر وہ واقعی اتنی ہلکی پھلکی ہوچکی تھی کہ بات بے بات ہنستی تھی۔
''میں فیس کرلوں گی پپا! لیکن پلیز مجھے وہاں لے چلیں۔'' اس کے یکدم ملتجی ہو جانے پہ پپا نے سرد آہ بھری۔
''سویٹ ہارٹ میں کب چاہتا ہوں آپ کو اتنے پیارے رشتوں سے دور کروں، اس دوری کی خلیج کو مٹانے کو ہی تو میں نے برسوں قبل......'' معاً ایک دم احساس ہونے پہ پپا زبان دبا گئے اور متاسفانہ گہرا سانس بھرا۔
''اینی ویز...... آپ تیار ہوکر آؤ، پھر چلتے ہیں، آپ کی مما سے بعد میں دو دو ہاتھ کرلیں گے۔'' یہ اجازت تھی یا خوشی کا پروانہ، اس کا چہرہ یکلخت جگمگا اٹھا۔
''تھینکس پپا! میں دو منٹ میں ریڈی ہوتی ہوں۔'' وہ چٹکی بجاتی کھلکھلاتی پلٹ کر بھاگ گئی اور جس وقت تیار ہوکر اپنے مختصر بیگ سمیت آئی، پپا پورٹیکو میں اسی کے منتظر تھے، اسے دیکھ کر نظروں میں پسندیدگی اتر آئی۔
''میری بیٹی بہت پیاری لگ رہی ہے۔'' انہوں نے پرشفیق انداز میں سراہا تو غانیہ مطمئن ہو کر مسکرائی۔
(پپا کی طرح تمہاری نظروں میں بھی پسندیدگی دیکھوں تو ہی سکون ملے گا مجھے منیب چوہدری) سیاہ جدید تراش خراش کا سوٹ اس پہ باریک نیٹ کا دوپٹہ جو بہت سلیقے سے اس نے کاندھوں پہ پھیلا رکھا تھا، شرٹ کے دامن اور گلے پہ سلور کناری تھی، دوپٹے میں کہیں کہیں سلور

ستارہ دمکتا تھا جو اس کے سنہرے روپ کو اور بھی تابنا کی بخش جاتا، وہ واقعی بہت دمک رہی تھی اس روپ میں، زیور کے نام پہ کلائی میں اک نازک زنجیر تھی، جس میں تھوڑے تھوڑے فاصلے پہ ڈائمنڈ لگے تھے، تراشیدہ بال کاندھوں پہ اک ترتیب سے ڈالے لگے تھے، اس کا یقین کامل تھا، منیب چوہدری اگر اس پہ فریفتہ نہ بھی ہوا تو سابقہ بدسلوکی بھی نہیں کر سکے گا۔

''ڈونٹ وری پپا! اب میں جتنے بھی ڈریس پہنا کروں گی سب کے دوپٹے اتنے بڑے بڑے ہوں گے۔'' اس نے دونوں ہاتھ پھیلا کر دوپٹوں کی لمبائی بتائی تو پپا بے اختیار ہنس دیئے تھے، جبکہ وہ ان سے کرید کرید کے تاؤ جی کی فیملی کے متعلق سوال کرتی رہی تھی۔

''تاؤ جی کی فیملی کا کچھ بھی خاص لائف اسٹائل نہیں ہے پپا! آپ کو چاہیے تھا جب آپ خود شہر میں سٹیل ہوئے تھے تو تاؤ جی کو بھی شہر بلوا لیتے، آپ کو نہیں لگتا وہ لوگ زندگی کی دوڑ میں بہت پیچھے رہ گئے ہیں......؟'' اس کے اس مدابرانہ تجزیئے پہ پپا نرمی سے رسان سے مسکرا دیئے۔

''ہر کسی کا اپنا ماحول ہوا کرتا ہے بیٹے جسے وہ لوگ عزیز رکھتے ہیں اور اس سے دستبرداری پسند نہیں کرتے، یعنی اپنی جڑ بنیاد سے ہلنا انہیں پسند نہیں، بھائی جان کے بڑے بیٹے نے ان کی شدید کوشش و خواہش کے باوجود تعلیم حاصل نہیں کی اور اپنے آبائی پیشے کھیتی باڑی کو اپنایا، منیب پڑھا لکھا باشعور انسان ہے، شہر میں بہت اچھی پوسٹ ہے مگر گاؤں چھوڑنا اسے بھی گوارا نہیں، کنیز اور سہیل بھی تعلیم یافتہ ہیں، الگ بات ان سب میں نمایاں صرف منیب رہا ہے، قسمت بھی ہوتی ہے اپنی اپنی۔'' پپا کے لہجے میں بھائی کی سب اولاد کے لئے یکساں محبت تھی مگر منیب کے حوالے سے ان کے انداز میں موجود فخر محسوس کیا جانے والا تھا، غانیہ کے اندر طمانیت اتر آئی، ماں کے برعکس باپ کی سوچ اس شخص کے متعلق بہت حوصلہ افزا تھی۔

''ان کی شادی کب ہوئی تھی پپا؟ اور بیوی سے سپریشن کی وجہ کیا بنی؟ جبکہ شادی نہ صرف محبت کی تھی بلکہ اولاد بھی ہو چکی تھی۔'' لہجے کو سرسری بناتے ہوئے اس نے بنیادی سوال کر ڈالا، جو پھانس بن کر دل میں اٹکا رہ گیا تھا۔

''منیب نے شادی دس سال قبل جب وہ خود محض انیس سال کا تھا اپنی یونیورسٹی فیلو سے کر لی تھی، دونوں میں محبت بھی تھی، مجھے سپیریشن کی وجہ پوری تو معلوم نہیں لیکن اتنا ضرور جانتا ہوں وہ لڑکی گاؤں میں نہیں رہ سکی، جبکہ منیب گاؤں چھوڑنے پہ آمادہ نہیں تھا۔'' غانیہ اس جواب پہ سکتے میں آ گئی، اسے یقین نہیں آتا تھا اتنی سی بات پہ وہ اپنا گھر بھی توڑ سکتا ہے۔

''اور بچے......؟'' وہ سوچ کے بھنور سے ابھری، پپا سگریٹ سلگانے میں مصروف ہو چکے تھے، لائٹر ڈیش بورڈ پہ پھینکنے کے بعد کش لیتے سگریٹ ہونٹوں سے ہٹا کر ہاتھ کی انگلیوں میں دبا کر دھواں منہ سے خارج کرتے گہرا سانس کھینچا۔

''ایک ہی بیٹا ہے حمدان، مری کانونٹ میں ہوتا ہے۔'' اب کے وہ کچھ نہیں بولی، پپا نے خود ہی اس کی معلومات میں اضافہ کرنا شروع کیا تھا۔

''کنیز کو شہر کے کالج سے گریجویشن کیے چند ماہ ہوئے ہیں، اب بھرجائی کے بھتیجے سے نسبت طے کی جا رہی ہے، لڑکا دوبئی میں ہوتا ہے، کنیز کو شادی کے بعد وہیں لے جائے گا۔'' پپا اتنی

تفصیلات شاید اسی لئے فراہم کر رہے تھے کہ انہیں اس کا ان لوگوں کے متعلق الفاظ کا چناؤ مناسب نہیں لگا تھا۔

''یہ تو اچھی بات ہے پپا! کنیز پیاری لڑکی ہے، آپ کو چاہیے تھا یہ رشتہ آپ علی بھائی کے لئے مانگ لیتے۔'' وہ سیدھی ہو کر بیٹھتے ہوئے انہیں مشورہ بھی دے گئی، پپا سگریٹ کا کش لے رہے تھے، آہستگی سے کھنکارے۔

''صرف میرے چاہنے سے کیا ہوتا ہے بیٹا! آپ کی مما اور بھائی دونوں کو ہی یہ اقدام پسند نہیں آسکا تھا۔'' غانیہ اب کے چونک گئی، اس نے بغور ان کا چہرہ دیکھا۔

''یو مین پپا آپ نے یہ بات گھر میں کی تھی؟'' پپا نے محض سر ہلا دیا، وہ متاسفانہ سانس بھرتی خود کو ڈھیلا چھوڑ گئی، معاً کسی خیال کے زیر اثر اس نے گلا کھنکار کر صاف کیا پھر بڑی جرأت کا مظاہرہ کرتے ہوئے گویا ہوئی تھی۔

''بالغرض پپا! بھائی کنیز کے حق میں فیصلہ دیتے تب بھی آپ مما کی مخالفت کے باعث یہ شادی نہ کرتے؟'' اس استفار پہ پپا نے جس طرح سے چونک کر اسے دیکھا، جیسے اس کے چہرے کا جائزہ لیا وہ ایکدم چور سی بن گئی، نظریں چراتی کنفیوژ ہو کر سر جھکا گئی تھی، پپا سنبھل کر سر جھٹک کر کھانسے۔

''اگر ایسا ہوتا تو میں علی کی خواہش کا احترام کرتا، زندگی بچوں کو گزارنی ہوتی ہے، اگر ان کا فیصلہ اور پسند ان کی آئندہ زندگی کے لئے اثر انداز نہ ہو تو مخالفت کی وجہ سمجھ نہیں آتی، ہونی بھی نہیں چاہیے۔'' جواب ایسا تھا کہ اس کے اندر ڈھیروں طمانیت بھر گیا، وہ ایک دم جیسے ریلیکس ہوئی تھی۔

(آپ اپنے رشتوں کی مضبوطی کی خاطر نئے رشتے استوار کرنا چاہتے تھے نا پپا! دیکھیں آپ کے ساتھ ساتھ میرے دل میں بھی یہی جوت جاگ گئی ہے، مجھے ہمیشہ ڈھارس رہے گی کہ اس سفر پہ میں تنہا نہیں ہوں مسافر، منیب چوہدری نہ سہی آپ ضرور میرے ہمقدم ہیں، خواہش کا یہ سفر اب یونہی تمام نہیں ہونے والا۔)

اس نے سر سیٹ کی بیک سے ٹیک کر آنکھیں بند کر لیں، اس شخص کو سوچنے سے لے کر اسے دیکھنے تک ہر احساس خوش گوار تھا، اس پل وہ اسی خوش گوار یت کے احساس سے دو چار تھی۔

☆☆☆

چند ماہ کے عرصے میں
دو چار ملاقاتیں
شام کی حویلی میں
صبح کے مہکنے کی
بے یقین سی باتیں
کچھ عذاب ماضی کے
گفتگو کا موضوع تھے

''کیوٹو...... کون ہے یہ؟'' وہ نرمی سے مسکرا رہی تھی، کنیز کچھ چپ سی ہوئی، بچہ کسی کے پکارنے پہ اٹھ کر پھر سے باہر بھاگ گیا۔

''ویرے منیب کا بیٹا ہے، حمدان شاہ، ویر اسکول سے ابھی لے کر آیا ہے۔'' غانیہ جہاں کی تہاں بیٹھی رہ گئی، حالانکہ یہ سب پہلے سے جانتی تھی، پھر بھی عجیب سی ویرانی دل میں گھر کر گئی۔

کیسا سانحہ تھا، ابھی محبت کی کونپل اس کے دل کی زمین سے پھوٹی ہی تھی کہ غم کی بادسموم نے اسے کملا ڈالا تھا، کنیز اور بھی کچھ کہہ رہی تھی، وہ جیسے سننے سمجھنے کی صلاحیت کھو بیٹھی، اس نے یہ کیوں نہ سوچا بیٹا اس شخص کے پاس بھی ہو سکتا ہے اور اگر ایسا تھا تو فاصلے تو مزید بڑھ گئے تھے، بچے کے انداز میں باپ کی سی بے نیازی ابھی سے چھلکتی تھی، کنیز کے علاوہ اس نے غانیہ سے بات کرنا تو درکنار اسے دیکھا تک نہیں تھا، وہ جیسے عجیب سی تھکاوٹ محسوس کرنے لگی تھی۔

''ارے کب سے باتوں میں لگی ہوں، یاد ہی نہیں رہا کہ تمہیں کچھ کھانے پینے کا بھی پوچھوں، رکو ذرا میں آتی ہوں کچھ دیر میں۔'' اس کے گم صم انداز کو محسوس کرتی کنیز جیسے پہلو بچا کر وہاں سے اٹھ گئی، غانیہ پھر بھی نہیں چونکی، سوچوں کا عنکبوت تھا اور وہ تھی دھنستی ہوئی۔

''کنیز! میرے کاٹن کے کرتے شلوار والا سوٹ کدھر رکھ دیا، وہی جس کو کل کلف لگانے کو لے کر گئی تھیں تم میرے کمرے سے۔'' وہ اپنے دھیان میں بلکہ عجلت میں بولتا ہوا ذرا سا دروازہ تھپتھپاتا ہوا اندر آیا تھا، کنیز کی بجائے پرسوز حسن کی مالک لڑکی کو دیکھ کر پہلے چونکا، پھر ٹھٹک گیا، چونکی تو غانیہ بھی تھی بلکہ پوری جان سے متوجہ ہو گئی۔

''اسس...... السلام علیکم!'' وہ بوکھلا کر کھڑی ہو گئی، سرو قد، ڈھلکا ہوا دوپٹہ ریشمی کھلے بال گلابی چہرے پہ بلا کی جاذبیت اور مسحور کر دینے والی معصومیت وہ نروس تھی، پھر بھی بہت پیاری لگتی تھی، مگر مقابل کی نظروں میں ستائش اتری نہ ہی پسندیدگی کا کوئی تاثر آنکھوں میں البتہ عجیب سی خشونت ضرور اتر آئی، گویا یہ اچانک ہونے والا سامنا ناگواری سے دوچار کر گیا ہو، وہ کچھ کہے بغیر پلٹا تھا کہ غانیہ بوکھلا کر پکار گئی۔

''کنیز تو پتا نہیں کہاں چلی گئی، آ...... آ...... آ...... آپ کو کچھ کام ہے تو...... بتا دیں۔'' وہ سرعت سے لپک کر خود آگے بڑھ آئی تھی، نگاہوں کو جو اس کی ستائش کی طلب تھی وہ کہاں بجھی تھی، منیب کو یقیناً اس کی یہ حرکت ناگوار گزری تھی، جبھی اسے ترچھی ترش نگاہوں کے حصار میں لیتا اسے گھورنے لگا، تاثرات میں اُمڈتی حقارت بھی غانیہ سے مخفی نہ رہ سکی۔

''کام غالباً میں بتا چکا ہوں، آپ کے حواس سلامت ہوتے تو یقیناً سن ہی لیا ہوتا، اینی ویز میں کنیز کو دیکھ لوں گا خود۔'' وہ سائیڈ سے ہوتا تلخ تاثرات سمیت باہر نکل گیا، غانیہ کچھ دیر یونہی کھڑی رہی، عجیب انداز تھا، اس پل گویا بے مائیگی کی انتہا پہ ہو، گویا تہی دامنی کا شدید احساس روہانسا کرتا چلا گیا ہو، بے بسی اپنے عروج پہ پہنچی تو آنکھ بھر آئی، حالانکہ وہ ایسا ہی تھا، اس کے باوجود وہ اس کے رویوں کی مار سہتی ہر بار بکھر جاتی۔

''آپ یہاں اکیلی کیا منتر پڑھ رہی ہیں بھئی، باہر آئیں بہت سے لوگ آپ کے متلاشی ہیں، کہ اک پریوں کی ملکہ جیسی پیاری سی لڑکی کہاں کھو گئی۔''

اس سے پیشتر کہ وہ واقعی رو پڑتی سہیل اپنے مخصوص انداز میں بولتا ہوا چلا آیا، بلکہ اسے ڈھونڈتا ہوا، وہ فی الفور سنبھلی اور اس سے نظر بچا کر گیلی آنکھیں رگڑ ڈالیں۔

''ہاں چلو...... میں بھی بس آ رہی تھی باہر ہی۔'' وہ اس سے پہلے باہر آ گئی، واقعی باہر دادی اور تائی جان اسی کی منتظر تھیں، مہمان خواتین جن میں نوجوان نوخیز لڑکیاں بھی شامل تھیں اس کا تعارف کروانے لگیں۔

''یہ جمال کی بیٹی ہے، کالج میں پڑھ رہی ہے ابھی۔'' ان کے لہجے میں محبت اور فخر بیک وقت تھا، خواتین نے اس کے سر پہ ہاتھ پھیرا۔

''ماشاء اللہ بہت پیاری بچی ہے، چشم بدور۔'' لڑکیاں آپس میں گھسر پھسر کرنے میں مصروف اسے دیکھتی جا رہی تھیں۔

''مامی نے ادھورا تعارف کیوں کروایا، سنا ہے وکیل صاحب کی منگ بھی ہے موصوفہ!'' غانیہ تک لڑکیوں کی سرگوشیاں پہنچ رہی تھیں، وہ کنفیوژ ہوئی تھی۔

''ارے وہ تو کب کا رشتہ ختم ہو گیا، منیب باؤ کی شادی کے بعد ہی، اتنی پیاری لڑکی ہے وہ لوگ پاگل تھوڑا ہیں کہ بچے کے باپ اور عمر کے اتنے فرق کے باوجود شادی کر دیں۔'' لڑکیوں کی سرگوشیاں جاری تھیں، غانیہ کا دل عجیب سے غبار سے بھر گیا، وہاں مزید نہیں ٹھہر سکی تو بہانے سے اٹھ گئی۔

''مجھے کنیز سے بات کرنی ہے تائی ماں؟'' وہ اٹھ کر پھر سے کنیز کے کمرے میں آ گئی، جہاں اس کی سہیلیاں اسے تیار کرنے میں مصروف تھیں۔

''آؤ غانیہ!'' کنیز اسے دیکھ کر مسکرائی، وہ محض سر ہلا کر ایک سائیڈ پہ بیٹھ گئی، اس کے ذہن میں جوار بھاٹے اٹھ رہے تھے۔

''وہ شخص شادی شدہ ہی نہیں، اک بچے کا باپ بھی تھا، یہ تھی اس کی پسند، اس کا انتخاب؟''

انجانے میں اس نے کتنی تیزی سے محبت کا یہ سفر طے کیا تھا کہ آگاہی کے بعد بھی واپسی کا راستہ نہیں ملتا تھا، دل کبھی ملال کے سنگ سسکنے لگتا تو کبھی نارسائی کا دائمی احساس کچوکے لگانے لگتا، پہلے رسم کی ادائیگی ہوئی پھر مہمانوں کو کھانا کھلایا جانے لگا، وہ صحن میں ابھرتی آوازوں سے بے نیاز وہیں بیٹھی رہی، تائی جان نے رسم کے لئے اسے بلوایا پھر کنیز نے بھی پیغام بھیجا، وہ ذرا کی ذرا اس کے پاس جا کے بیٹھ سکی، اٹھنے کو تھی جب کنیز نے ہاتھ پکڑ لیا۔

''جلدی کیا ہے؟ کچھ دیر تو اور بیٹھو پلیز۔'' مووی میکر کنیز کا دیور ہی تھا، غانیہ کو اس کی نظروں سے ہی الجھن ہو رہی تھی، وہ کنیز کو کیمرے کی آنکھ میں فوکس کرنے کی بجائے اسی سے کیمرے کا رخ نہیں ہٹا رہا تھا، وہ جھنجھلا سی گئی۔

''اسٹوپڈ...... ذرا تمیز نہیں بیہودہ انسان کو۔'' وہ جھمگھٹے سے باہر نکل کر اپنا دوپٹہ سنبھالتی ہوئی بھی غصے سے نجات حاصل نہیں کر سکی، مگر اگلے لمحے دھک سے رہ گئی، منیب چوہدری کی تلخی چھلکاتی ملامت آمیز نظروں میں صاف صاف الزام اسی کے سر لکھا تھا۔

''عجیب بات ہے سولہ سنگھار کر کے دعوت نظارہ کا اہتمام کرتے وقت آپ کو یہ خیال نہیں آتا

کہ غیر مردوں کی نظروں کا سامنا کرنا ہوگا، بی بی غلطی آپ کی ہی نکلے گی، خود کو بری ذمہ قرار نہیں دیا جا سکتا ایسے۔" غانیہ کو لگا ابھی وہ یہی سب کہے گا، مگر خیر گزری، یہ ملامت نظروں تک محدود رہی وہ ہونٹ بھینچے آگے بڑھ چکا تھا، غانیہ نے گہرا سانس بھر کے خود کو ڈھیلا چھوڑ دیا، کمرے کی جانب پلٹتے حمدان اچانک اس کے سامنے آ گیا۔

"حمدان۔" وہ بے اختیار اسے پکار بیٹھی تھی، اچھلتا کودتا بچہ ایک دم اپنے نام کی پکار پہ چونک کر پلٹا۔

"ادھر آئیں۔" وہ ہاتھ سے اشارہ کرتے خود ہی اس کی جانب آ گئی، بچہ منتظر نظروں سے اسے دیکھتا تھا۔

"کیسے ہو آپ؟" وہ اس کے دونوں ہاتھ پکڑتے پنجوں کے بل اس کے سامنے بیٹھ گئی، بچہ قدرے حیران نظر آنے لگا۔

"فائن۔" وہ یہی کہہ سکا تھا۔

"آپ کے پپا کا نام منیب ہے؟"

"جی...... انہی کا بیٹا ہوں۔" بچہ اس سوال پہ الجھ کر اسے دیکھنے لگا۔

"اور ماما؟ وہ کہاں ہوتی ہیں؟" غانیہ نے اس کا گال سہلا کر اگلا سوال کیا ہی تھا کہ بچہ گھبرا کر پہلے اسے پھر دائیں جانب اسی پل وہاں آنے والے اپنے باپ کو دیکھنے لگا، منیب کی نگاہوں میں موجود سرخی میں عجب سا قہر کروٹیں لیتا دیکھ کر غانیہ کو ایکدم اپنی حماقت اور جذباتی بے وقوفی کا احساس ہوا تھا، وہ بے ساختہ قسم کی گھبراہٹ سمیت اٹھی، اس سے قبل کہ خود بچے کا ہاتھ چھوڑتی منیب کے درشت جھٹکے نے چھڑوا دیا۔

"آپ جاؤ حمدان یہاں سے۔" وہ بیٹے سے مخاطب تھا تب بھی لہجے کی نرمی میں موجود سنگینی غانیہ کا لہو رگوں میں ٹھٹھرانے کا باعث بن گئی، متوقع بے عزتی کے خیال سے ہی وہ جیسے خود کو زمین میں گڑھتا محسوس کرنے لگی، ہاتھوں کی لرزش پہ قابو پانے کو اس نے ہاتھوں کو باہم جکڑا مگر خاطر خواہ نتیجہ برآمد نہیں ہو سکا، وہ اس شخص کے قہر ساماں تاثرات کے سامنے باقاعدہ ہولے ہولے لرزنے لگی۔

یہ پوزیشن واقعی بے حد آکورڈ تھی، وہ کیا سوچتا ہوگا کہ اسے اس کی ذاتیات سے اتنی دلچسپی کیوں ہے۔

"فرمایئے کیا پوچھنا چاہ رہی ہیں آپ...... مجھ سے پوچھیئے؟" کیسا جتلاتا ہوا لہجہ تھا اس کا، تحقیر سے لبریز، تنفر سے بھرا ہوا۔

غانیہ عرق ندامت میں ڈوبی بھیگی پلکیں جھپکنے کے علاوہ کچھ نہیں کر سکی، اتنی ہمت بھی ناپید تھی کہ وہاں سے چلی ہی جاتی۔

"لوگوں کے ذاتی مسئلوں میں دلچسپی رکھنے کی بجائے انسان کے لئے بہتر یہ ہوتا ہے کہ وہ اس انرجی کو اپنی اصلاح میں ویسٹ کرے اور سنیں۔" وہ روہانسی ہوتی پلٹی تھی کہ اس کی سرد پکار پہ نا چاہتے ہوئے بھی رک گئی، البتہ نظریں اٹھانے اس کی خفا نظروں کا سامنا کرنے کی تاب خود میں

نہیں پاتی تھی۔
"میرا خیال ہے جو بھی خوش فہمیاں اب تک آپ کو لاحق تھیں اس سارے معاملے سے بے خبری کی بدولت وہ یقیناً اب ختم ہو گئی ہوں گی، آپ کے لئے بہتر ہو گا کہ اب واپس اپنے ٹریک پہ چلی جائیں۔" اپنی بات مکمل کر کے وہ رکے بغیر لمبے ڈگ بھرتا چلا گیا اور غانیہ کے اب تک بامشکل رکے ہوئے آنسو بے اختیار بہہ نکلے تھے، اس کا لہجہ اس کا انداز غانیہ کو پاتال میں اتارنے کو کافی ثابت ہوئے یعنی وہ اسے جتلا گیا تھا وہ اتنا بھی بے خبر نہ تھا جتنا اپنے تئیں وہ اسے سمجھے بیٹھی تھی، یعنی اس کے نوخیز انداز محبت کے چھلکتے احساس نہ صرف اس تلک پہنچے تھے، بلکہ بے اثر اور ناقابل قبول بھی کیے جا چکے تھے، رد ہونا اور اتنی شدتوں سے جھٹلایا جانا اسے پاش پاش کرتا جا رہا تھا، وہ چاہنے کے باوجود اپنے پیروں پہ کھڑی نہیں رہ سکی، جسم ہی ایسے بے جان ہوا جاتا تھا، اس سے بڑھ کر بھی سبکی کا کوئی احساس ہو سکتا تھا، بے بسی کا کوئی مقام ہو سکتا تھا کہ اس کا راز اسی شخص پہ آشکار ہو چکا تھا جس سے چھپانے کی وہ سب سے زیادہ متمنی تھی۔

☆☆☆

میرے چہرے پہ ان گنت تحریریں ہیں
ہر سطر میں ہزاروں مضمحل خواب
ان خوابوں کی ٹہنیوں سے لپٹے خار گلاب ایسے
بہت ہی ستم رسیدہ کسی بوڑھے فقیر کے جیسے
حسن کا کاسہ بہت سی دعاؤں سے ویران ہے
سیراب ہونے کا منتظر زوردار بارش کا طلبگار
آئینہ جب بھی دیکھوں تو اپنے چہرے پہ ان گنت جھریاں نظر آتی ہیں
بے شمار سلوٹیں دکھائی دیتی ہیں
تھکی ہوئی بیمار آنکھیں کسی شفایاب لمحے کی منتظر ہیں
میں بھی کسی بوڑھے فقیر کے جیسی ہوں
غم نے میرے قدموں تلے ریت بچھا دی ہے

یہ گلابی جاڑے کا ایک اداس دن تھا، اس اداس دن کے دامن کو خاموش بارش کی پھوار نے بھگو ڈالا، بارش جو اونچے ٹنڈ منڈ درختوں سبز باڑوں ننھے پودوں خالی کیاریوں کو چھوتی سبز گھاس میں گم ہو رہی تھی، بارش جو شیشے کی دیواروں پہ موتیوں کی صورت برس رہی تھی، وہ بھی اس کے ساتھ ایسے ہی موسم میں اسی دیوار کے پاس ایزی چیئر پہ ٹانگوں پہ گلابی کمبل ڈالے بہت دیر تک اس کے ساتھ بارش کا نظارہ کیا کرتا تھا اور ہر موضوع پہ بلا دریغ بولے جاتا، وہ اس کی ذہانت سے چمکتی آنکھوں کو دیکھتی بس ایک بات سوچے جاتی۔
"کیا دنیا میں ان آنکھوں سے بھی زیادہ کہیں اور حسن ہو سکتا ہے؟ اور پھر خود ہی نفی بھی کر دیتی، ناممکن۔" اس نے گردن پھیر کر داہنی جانب دیکھا، اس کی کرسی خالی تھی، اس کے دل کی طرح اس کے گھر کی طرح، وہ نم آنکھوں کو جھپکتی ہونٹ کچلنے لگی، بارش کے ساتھ اس کا رشتہ ہمیشہ

عجیب رہا تھا، اس بارش نے اسے ہمیشہ وحشت خوف تنہائی اور اداسی دی تھی، مگر ایسے میں جب وہ بالکل اچانک بغیر اطلاع کے آ کر اسے چونکا دیتا، تو ساری اداسی ختم ہو جاتی، وہ بات بے بات کھلکھلایا کرتی اور جب وہ کسی بات پہ مسکراتا یا ہنستا اسے کائنات کی ساری دلکشی پیچ لگنے لگی، وہ سوچنے پہ مجبور ہو جاتی کہ ''بعض لوگوں کی ہنسی ان کی مسکراہٹ سے بالکل جدا ہوتی ہے۔'' اور ہر بار اسے ہنستے مسکراتے دیکھ کر وہ سوچا کرتی۔

''اس کی ہنسی زیادہ خوب صورت ہے یا مسکراہٹ زیادہ قاتلانہ؟''

آنکھ سے بہتی نمی میں پچھتاوے آہ بھرتے تھے، وہ جانے کتنی دیر روتی رہی یہاں تک کہ نڈھال ہوگئی، پھر وہ غنودگی تھی یا شدید نقاہت کے باعث بے ہوشی کا غلبہ اس کی بند پلکیں لرزتی تھیں، وہ اس روشنی جیسے اجلے شخص کو مجسم اپنے سامنے دیکھ سکتی تھی۔

''ہاں۔'' وہ گردن میں تولیہ لٹکائے واش روم سے نکلا تھا اور اس حسن کی جوالہ مکھی کو دیکھنے لگا، ہنسی یا سے جس کا گلابی چہرہ سرخ ہو کر تمتما رہا تھا، سفید دانتوں کی موتیوں جیسی لڑی اسے اور حسین بنا رہی تھی۔

''اب بس کرو بے وقوف لڑکی۔'' اس نے اس کے کاندھے پر ہاتھ مار کر نرمی سے ڈانٹا اور وہ گہرے خواب سے جاگ گئی اور آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر ہر سو اسے تلاش کرنے لگی، پورا وجود تلاش کی ناکامی کے حراساں کر دینے والے خیال سے لرزاں تھا، بدن پسینے میں نہا گیا تھا اور چہرہ پسینے کے قطروں سے یوں تر تھا جیسے کسی کو پالے کا بخار چڑھ جائے، یہ لمس، یہ احساس، یہ خوشبو، وہ کسمسائی اور ایک دم تڑپ کر اٹھ بیٹھی، اس کا تنفس تیز تر چل رہا تھا، وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے چہار اطراف دیکھتی ناکامی کے احساس سمیت شکست کے احساس سمیت پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

''اک بار تو آ جاؤ، میں تمہارے پاؤں پکڑ لوں گی، جتنا مرضی دھتکار دینا، پر معاف کر دینا۔''

وہ تڑپ تڑپ کر فریادیں کرتی رہی، گزارشیں کرتی رہی، جواب میں وہی خاموشی تھی، سناٹا تھا، وقت گزر جائے تو تلافی ناممکن بھی ہو جایا کرتی ہے، اسے کون سمجھاتا اب کچھ نہیں ہو سکتا تھا۔

☆☆☆

تمہیں کیسے بتاؤں میں
میں کیوں ناشاد رہتی ہوں
میں کیوں برباد رہتی ہوں
میرے دشت تمنا پر
لکھی تحریر ہو جاناں
پہنچ سے دور خوابوں کی تمہی تعبیر ہو جاناں
مگر جو فاصلے تقدیر نے ماتھے پہ لکھے ہیں
مقدر کی اس تحریر کے باعث
میں خود پہ جبر کرتی ہوں
گلہ شکوہ نہیں کرتی مسلسل صبر کرتی ہوں

تمہیں کیسے بتاؤں میں
کہ میں جب صبر کرتی ہوں
زمین مصلحت میں آرزو کو دفن کرتی ہوں
فلک سے ٹوٹ کر جیسے سمندر میں بکھرتی ہوں
میں کیسے صبر کرتی ہوں
میں کیسے جبر کرتی ہوں
سنو ان چاہتوں کو عشق کی پہچان دیتی ہوں
جنوں کی آخری حد کا کوئی عنوان دیتی ہوں
سنو میں مان دیتی ہوں
یقین تم کو دلانے کو
کہو تو جان دیتی ہوں

پھر وہ وہاں سے واپس چلی آئی تھی، شاید ہمیشہ کے لئے، کبھی بھی پلٹ کر وہاں نہ جانے کو، وہاں اس کے لئے کیا تھا، وہاں اس کے لئے کم از کم کچھ بھی نہیں تھا، اک نگاہ التفات تک تو کیا ہمدردی کا اک بول تک بھی نہیں، کیسی حرماں نصیب تھی نا اس کی بے مایا محبت۔

وہ سوچے جاتی اور بے بسی بے مائیگی کے احساس سمیت بلکنے جاتی، کتنے بہت سارے دن بیت گئے، چاہنے کے باوجود وہ خود کو سمیٹنے خود کو جوڑے رکھنے کی کوشش میں ناکام ہوئی جاتی، جب وہ واپس آ رہی تھی، دو عجیب باتیں ہوئیں تھیں، اس نے منیب چوہدری کی آنکھوں میں واضح اطمینان دیکھا تھا، کیوں؟

یہ اک لفظ اس کے اندر اودھم مچانے ضرور آتا اگر وہ کچھ سوچنے سمجھنے کی صلاحیت رکھتی، جبکہ کنیز نے اسے روکنے کی بھرپور کوشش کر کے بھی اسے چونکنے پہ مجبور کر ڈالا تھا، بہن بھائی کے اس متضاد رویئے پہ وہ اب تک الجھتی رہی تھی، کنیز کیسے منتوں پہ اتر آئی تھی۔

''صرف آج کی رات رک جاؤ غانیہ! مجھے بہت خاص باتیں کرنی ہیں تم سے۔''

''کیا بات؟ ابھی کہہ دو۔'' وہ جو پوری طرح لٹ چکی تھی، ہر آس کا دامن جھٹکے مایوس دل گرفتہ نظر آئی۔

''یہاں کھڑے کیسے کر لوں، اطمینان سے رات کو، غانیہ پلیز۔'' کنیز کتنی ملتجی ہو رہی تھی، غانیہ نے جان چھڑانے کو کہہ دیا۔

''ٹھیک ہے، میں پھر آؤں گی تو کر لینا۔''

وہ اب واقعی رکنا نہیں چاہتی تھی، وہ اب پلٹنا بھی نہیں چاہتی تھی، اس سے بڑھ کر ذلت کی متحمل نہیں ہو سکتی تھی وہ، اس کی آنکھیں بے تحاشہ جلن سمیٹ لائیں، منیب چوہدری کے الفاظ اس کے دل میں تیر بن کر پیوست ہو گئے تھے، کیسا حقارت زدہ تھا اس کا لہجہ اور آنکھوں کی وہ نفرت، وہ تاب نہ لاتے بھی جھلس گئی۔

''ایک عورت کا اس حد تک جذبات سے مغلوب ہو جانا باعث فخر نہیں باعث ملامت ہے،

عورت اپنے جذبوں میں بے بس تو اچھی لگتی ہے بے باک ہو کر نہیں، مت سمجھنا کہ میں جان نہیں سکتا کیا چاہتی ہو تم۔" کتنا تنفر زدہ تھا اس کا قہر آلود لہجہ تاثرات میں جو تضحیک کا رنگ تھا وہ کیسے سہہ گئی بھلا وہ...... وہ یاد کر کے تڑپتی تھی اور تڑپ کر خود کو ملامت کرتی تھی، اب یہ غانیہ کی قسمت تھی یا وہ واقعی اس کی تاک میں لگا ہوا تھا کہ جب جب بھی اس سے کوئی حماقت سرزد ہوئی عین موقع پہ پکڑ ہو گئی اور منیب چوہدری کا تو محبوب مشغلہ تھا اس پہ گرفت کرنا اس پہ ملامت و ذلت کو مسلط کرنا، اس میں شک بھی نہیں تھا کوئی کہ حماقت اس سے ہوئی تھی صرف حماقت نہیں قابل سزا جرم۔

پتا نہیں وہ جذبات کی رو میں بہہ کر اتنی بے وقوفی کر گئی تھی یا اس سے بچھڑنے کا دائمی احساس اسے ہر نزاکت کا احساس فراموش کرا گیا تھا، کہ اس سوہان روح خیال کے زیر اثر وہ اس شخص کے کمرے میں اس کی تصویر چرانے آ گئی تھی، یہ اس کی جینے مرنے والی بے بس محبت اور بے چارگی کے جان لیوا احساس کی انتہا پہ جا کر اٹھایا ہوا وہ قدم تھا جو شیطان کے بہکاوے میں آ کر خالصتاً نفس کی غلامی کی تسکین کی خاطر اٹھایا گیا تھا، وہ اگر ایک پرائے مرد غیر محرم کی دید کو اتنا اہم گردان رہی تھی کہ اس کے لئے اتنا بڑا قدم اٹھا لیا، منیب چوہدری جس پل وہاں آیا اس کی تصویروں کا البم اس کے ہاتھ میں تھا اور وارڈ روب کے دونوں پٹ کھلے ہوئے تھے، وہ رنگے ہاتھوں پکڑی گئی تھی، اس پہ اس شخص کی نظروں کا غصیلا روح فرسا تاثر، اس کے سخت ترین الفاظ۔

کیا پھر بھی وہ حواس نہ کھوتی، اسے لگا روح جسم سے نکل جائے گی اور روح واقعی نکل گئی، بے بسی شرم خفت وگھبراہٹ اور خفت وخجالت نے مل جل کر اس کی تمام صلاحیتیں مفلوج کر ڈالیں، البم اس کے ہاتھ سے چھوٹا اور رنگت سرسوں کے پھول کی مانند زرد پڑتی چلی گئی، پھر اس کے بعد وہ جس طرح برسا، ان الفاظ کی کاٹ تلخی اور سفاکی کو سہہ نہیں سکی تھی وہ، جبھی اس کے دفع ہو جانے کے حکم نامے پہ عمل پیرا نہیں ہو سکی، سنسناتا دماغ، شل اعصاب اور مفلوج ہوا ہوا اعصابی نظام۔

اسے لگا وہ نیلے گہرے پانی میں بے آواز ڈوب رہی ہے، اسے اندھیروں نے مکمل طور پہ ڈھک لیا، حواس مکمل طور پہ کام کرنا چھوڑ گئے، اسے بالکل خبر نہیں تھی اس کے بعد کیا ہوا، اسے وہاں سے کون کنیز کے کمرے تک لایا اور ذلت ورسوائی کا یہ واقعہ کس کس تک کیسے پہنچا، البتہ مکمل طور پہ ہوش میں آنے کے بعد اس نے ضرور پوری آمادگی سے پوری شدتوں کے ساتھ اپنی موت کی دعا مانگی تھی، بہت مانگی تھی، بار بار مانگی، مگر اس کی ہر دعا کی طرح یہ دعا بھی رد کر دی گئی۔

وہ کیا کرتی؟ اس کے پاس کوئی راستہ ہی نہ بچا تھا، بے بسی کا ایک وسیع لامتناہی سلسلہ اس کے اندر پھیل گیا، پپا اس کی اچانک بگڑ جانے والی طبیعت پہ بے حد اپ سیٹ نظر آتے تھے، جبھی اسے ساتھ لئے جلد واپس چلے آئے، بس اس کے بعد پھر وہ تھی اور بےکلی و دکھ کا وہ جان لیوا احساس، وہ ہر لمحہ جیتی اور مرتی تھی۔

محبت میں اگر چاہے جانے کا احساس دل ربا ہوتا ہے تو اس شفاف آئینے میں ناگواری، بے مہری بے یقینی اور بے گانگی کا ہلکا سا کنکر بھی اسے تڑخا کر بدنما کر ڈالتا ہے اور ہر خالص چیز کے ساتھ یہی مسئلہ ہوتا ہے کہ تھوڑا سا ناخالص پن بھی بری طرح کھٹکتا ہے، یہاں تو محبت کے آئینے پہ پتھر ہی بہت بے دردی سے برسائے گئے تھے جو اس کے پندار کے آئینے کو چکنا چور کر کے رکھ

گئے۔

محبت تو دھڑکنوں کے اک دوسرے میں تحلیل اور مدغم ہونے کا نام ہے، اک سرتال ... کا نام ہے، فریق ثانی کی کج ادائی و غفلت سے یہ جذبہ مرجھانے لگتا ہے، بلاشبہ چاہے جانے کا ... چاہ جانے سے کہیں زیادہ پرخار کٹھن اور اذیت آمیز ہوتا ہے، اس نے اس ... کو ... سے دل ... چرایا تھا مگر وہ اس ذلت کو برداشت نہیں کر سکتی تھی، یہ سچ ہے عورت محبت کے ... میں کبھی نہیں ... اگر اسے ذلت و سبکی کے احساس سے دوچار نہ ہونا پڑے، یہی احساس تھکاوٹ کا بھی باعث ہے اور جذبوں کی موت کا بھی، وہ جانتی تھی، یکطرفہ محبت کا سفر پاگل پن کہلاتا ہے، محض سراب ... یہاں کوئی منزل نہیں آتی کبھی بھی، وہ یہ بھی جانتی تھی ایسے رشتے تتلیوں کی مانند خوشنما تو دکھائی دیتے ہیں، مگر ہتھیلیوں پہ خوشنما رنگ چھوڑ کر تتلیاں تو کب کی اپنی موت مر چکی ہوتی ہیں، مگر رنگ ان مٹ ہو جاتے ہیں، وہ سب جانتی تھی، پھر بھی بے بس تھی، محبت کے آگے بے بس، وہ وہاں جانا تو چھوڑ سکتی تھی، وہ محبت نہیں چھوڑ سکتی تھی، اس کے آنسو نہیں تھمتے تھے۔

"ایسا تو کبھی میں نے سوچا بھی نہیں تھا، میں ایسے کیسے اتنا کمزور پڑ گئی، وہ بھی اس ... جبکہ وہ شخص اس سے قبل بھی مجھے اپنی ناپسندیدگی جتلا چکا تھا، اب جینا کتنا دشوار ہے، کاش اس آخری حماقت سے قبل ہی کوئی مجھے سنبھال لیتا، کوئی مجھے اس راہ سے واپس لے آتا، جو مجھے ... سوائے ذلت و رسوائی کے اور کچھ بھی نہ تھی۔" وہ ہچکیوں سے رو رہی تھی، محبت میں رد ہونے کا احساس بہت روح فرسا تھا، جو گھن بن کر چاٹ رہا تھا اسے، وہ جیسے اپنی نظروں سے گر گئی تھی۔

یہی تو المیہ ہے، محبت عزت دار گھرانوں کی لڑکیوں کو مجروح پرندہ بنا کر رکھ دیا کرتی ہے، اڑ سکنے کی خواہش اور نا اڑ سکنے کی بے بسی تاعمر تڑپاتی اور رلاتی رہتی ہے، ... چوہدری بھی اس ... نادان دل کی ایسی ہی خواہش تھا، جس نے آکٹوپس بن کر اسے جکڑ لیا، اب اس کی مثال ... اجنبی مسافر کی مانند تھی جو جنگل میں بھٹک جائے، جسے رستوں کی پہچان نہ ہو ... میں کوئی اندھی دلدل یا کھائی ہی اس کا نصیب بن سکتی ہے، بے بسی کی المناک موت مرنے کا غم بھی ... کیفیت کا شکار تھی، نارسائی سے پامالی کے بعد اب وہ بے بسی کی موت مرنے کو ہر لمحہ ... کر کاٹ رہی تھی۔

(باقی آئندہ ماہ)

آج ایف ایم ریڈیو پر رامین کا تین سے پانچ کا اسپیشل شو تھا جس کا موضوع ''محبت ایک بے اختیاری جذبہ ہے'' منتخب کیا گیا تھا چینل کے ایڈمن عادل صاحب نے رامین کی خوبصورت، سریلی آواز اور مزاج میں دھیمے پن کی وجہ سے اس شو کی ذمہ داری اسے سونپی تھی جو اس کے کیریئر کا سب سے چیلنجنگ اور منفرد شو تھا اس سے پہلے وہ (Youth forum) کے نام سے شو کیا کرتی تھی۔

آج پروگرام میں اس کے ساتھ Co-host کے فرائض آر جے مائرہ ادا کر رہی تھیں جو اس کی نہ صرف بہترین دوست بلکہ ہم راز بھی تھی۔

شو کا آغاز مائرہ نے خوبصورت شعر سے کیا۔

محبت سے بڑھ کر نہیں دنیا میں کوئی روشنی
پی گئے یہ روشنی تو آئینہ ہو جاؤ گے
گفتگو میٹھی کرو ہر شخص سے جھک کر ملو
دشمنوں کے واسطے بھی دلربا ہو جاؤ گے

آر جے رامین نے اس کے خوبصورت انداز کو سراہا، مختلف کالرز ٹاپک کے حوالے سے اپنے خیالات و جذبات کا اظہار کر رہے تھے کسی کے نزدیک محبت کائنات کا سب سے خوبصورت جذبہ تھا تو کسی نے اس جذبے کو محض دھوکہ، فریب اور فضول ٹائم پاس کہا تھا، دونوں ایس ایم ایس اور کالرز کی باتوں کو خوب انجوائے کر رہی تھیں، ساتھ ساتھ موضوع کے حوالے سے خوبصورت گانے بھی سامعین (listeners) کو پسند آرہے تھے، کچھ لوگوں نے رامین سے بھی محبت کے جذبے کے بارے میں رائے پوچھی تھی، رامین نے اپنے مخصوص دھیمے انداز میں جواب دیا۔

مکمل ناول

مجھے آواز دے لینا

فرزانہ حبیب

''جی سامعین! ہم سب آپ کی باتوں اور خیالات کا احترام کرتے ہیں ہر ایک کو آزادی رائے کا حق حاصل ہے، میرے نزدیک محبت واقعی ایک بے اختیاری اور آفاقی جذبہ ہے جو حساس دلوں میں ودیعت ہوتا ہے، جو کبھی بھی، کسی بھی لمحے کسی کو بھی آکٹوپس کی طرح اپنے شکنجے میں جکڑ لیتا ہے محبت کی نظر جس پر پڑ جائے، پھر وہ عام نہیں رہتا بلکہ محبت اسے خاص بنا دیتی ہے، مگر افسوس کی بات ہے کہ آج کل ہماری نوجوان نسل نے اس جذبے کو وقتی کھیل بنا دیا ہے، خدا نے یہ کائنات محبت سے تخلیق کی ہے، اس کی ہر شے میں محبت کا خمیر موجود ہے مگر آج کل ہماری نوجوان نسل اس جذبے سے ناواقف ہیں، محبت یہ نہیں سکھاتی کہ جب چاہا کسی کے حساس دل سے کھیلا اور جب کوئی اور دل پسند آیا تو اپنی زہریلی باتوں سے اس جذبے کو آلودہ کر دیا، اس طرح محبت کی نوخیز کلی کھلنے سے پہلے ہی مرجھا جاتی ہے، یہاں میں اپنے پسندیدہ قابل محترم شاعر سید محفوظ الحسن کی ایک نظم سنانا چاہوں گی جس کے ذریعے یقیناً ہمارے نادان نوجوان کو اس آفاقی جذبے کی پاکیزگی اور خوبصورتی کا احساس ہو جائے گا۔''

نو خیز پرندوں کو پرواز سے بچنا ہے
آغاز محبت میں جذبات سے بچنا ہے
اس سفر محبت میں ہے احتیاط بڑی لازم
اس بات سے بچنا ہے اس بات سے بچنا ہے
بھیگو نہ ابھی زیادہ کچے ہیں تمہارے پر
ساون کے مہینے میں برسات سے بچنا ہے
کہیں ڈوب نہ جانا خیالوں کے سمندر میں
ہر وقت تصور کی عادات سے بچنا ہے
رہنا ہے اگر محفوظ طوفاں سے حسن تم کو
تنہائی میں روزانہ ملاقات سے بچنا ہے

''اس کے ساتھ ہی آپ سب کے ایس ایم ایس اور کالز کا بہت بہت شکریہ، آپ سب ہمارے ساتھ شامل رہیں، بہت اچھا لگا، گزر رہی گئے زندگی کے یہ حسین پل بھی، اگر قسمت مہربان رہی تو ایف ایم کے اس اسٹوڈیو کے توسط سے آپ سب سے دوبارہ ملاقات ہو گی، جی مائرہ آپ آخر میں کچھ کہنا چاہیں گی۔'' رامین کا رخ اب مائرہ کی طرف تھا جو اسکرین پر بلنک کرتے میسج کو بغور پڑھ رہی تھی۔

''جی رامین! آپ نے بہت خوبصورت انداز میں آج کے حساس اور کومل موضوع کو سمیٹا، اس سے پہلے کہ میں اور آر جے رامین آپ سب دوستوں سے اجازت چاہیں، رامین! یہ آخری میسج جس نے میری توجہ اپنی طرف کھینچ لی، وہ میں آپ کے ساتھ ساتھ سب ہی سننے والوں سے شیئر کرنا چاہوں گی۔'' مائرہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''جی ضرور۔'' رامین اب ہیڈ فون اتار کر مکمل طور پر اس کی طرف متوجہ تھی۔

''بھیجنے والے نے اپنا نام نہیں لکھا، وہ کہتے ہیں کہ میرا سوال آر جے رامین سے ہے ابھی جیسا کہ انہوں نے محبت کے بارے میں اپنے خوبصورت خیالات کا اظہار کیا، کیا واقعی حقیقت میں بھی وہ اپنی اس بات پر قائم ہیں؟ کیونکہ یہ میرا ذاتی تجربہ ہے اگر آپ مخلص اور وفادار بھی ہو تو بھی اس جذبے کی کوئی قدر نہیں کرتا اور بے اعتباری و بدگمانی کی دیمک محبت کے احساس کو چاٹ لیتی ہے اور پھر محبت کی کونپل سے صرف اور صرف نفرت کی شاخیں پھوٹتی ہیں جو وقت کے ساتھ ساتھ تناور درخت بن کر محبت کی جڑیں کمزور کر دیتی ہیں تو پھر مس رامین محبت کے بارے میں اتنی خوبصورت رائے کیسے رکھ سکتی

ہیں؟۔''
''ہوں سوال تو واقعی دلچسپ ہے، لگتا ہے یہ صاحب محبت کی بہت گہری چوٹ کھائے ہوئے ہیں۔'' مائرہ نے اس کی طرف مسکراتے ہوئے دیکھا مگر رامین کا چہرہ اس پیغام کو پڑھنے کے ساتھ ساتھ سرسوں کی طرح زرد پڑتا جا رہا تھا اس کی آنکھیں نم تھیں، مائرہ نے جلدی سے الوداعی کلمات کہہ کر شو کا اختتام کیا۔

''آر یو او کے، رامین کیا ہوا؟ تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے؟ اف تمہارے تو ہاتھ پاؤں بالکل برف کی طرح ٹھنڈے ہو رہے ہیں، یہ اچانک تمہیں کیا ہو گیا؟'' مائرہ نے فکرمندی سے گھبرائے ہوئے پوچھا۔

''میں بالکل ٹھیک ہوں بس تھوڑا بی پی لو ہو گیا ہے۔'' رامین نے خود پر قابو پاتے ہوئے جواب دیا، مائرہ نے جلدی سے اسے پانی پلایا، سر عادل اور پوری مینجمنٹ اتنا بھرپور شو کرنے پر دونوں کو مبارکباد پیش کر رہی تھیں، لیکن رامین مسکرا بھی نہ سکی، جلدی جلدی سب سے مل کر وہ گھر کے لئے روانہ ہو گئی، مائرہ اس کی حالت کے پیش نظر اسے خود چھوڑ کر گئی تھی، شکر ہے اس وقت گھر پر کسی سے سامنا نہیں ہوا، ماما حسب معمول کسی پارٹی یا پارلر گئی ہوئی تھیں، کرن اپنے کمرے میں آرام کر رہی تھی، رامین نے جلدی سے اپنے کمرے کا رخ کیا اور خود کو کسی تھکے ہارے مسافر کی طرح بستر پر گرا دیا، اب تک جو آنسو اس کی پلکوں میں منجمد تھے انہیں بغاوت کرنے کا راستہ مل گیا تھا اس کا پورا چہرہ آنسوؤں سے تر تھا، اشک مسلسل اس کے عارض سے ہوتے ہوئے اس کے دامن کو بھگو رہے تھے، جنہیں اس نے روکنے کی کوشش بھی نہیں کی، اس گمنام پیغام ایس ایم ایس کے الفاظ سے اسے مانوس سی خوشبو آ رہی تھی جس میں چھپے احساسات نے اس کی اندرونی ہستی کو تہہ و بالا کر دیا تھا، رامین جس نے بڑی مشکل سے اپنے اندر کی شوخ و چنچل رمی کو سلایا تھا اور زندگی کی طرف بمشکل لوٹی تھی، پھر اس کے اندر سوئے ہوئے خوابیدہ جذبات سر اٹھانے لگے، چھ مہینے پہلے والی رمی اس کے سامنے پوری تمکنت اور شوخ و چنچل فطرت کے ساتھ آ کھڑی ہوئی جس سے اس نے نظریں چرانا چاہیں مگر آج تو دل ناتواں کے ساتھ ساتھ دماغ بھی بغاوت پر اترا ہوا تھا، اس کے ذہن کے پردے پر گزشتہ چھ ماہ پہلے کے مناظر کسی فلم کی طرح چلنے لگے، بالآخر رامین نے تھک کر خود کو ماضی کی کربناک یادوں کے حوالے کر دیا۔

☆☆☆

عموماً بچہ جب ہوش سنبھالتا ہے تو اپنے گرد ماں کا چہرہ سب سے پہلے دیکھتا ہے اس کا پہلا قدم ماں کے سہارے اٹھتا ہے اس کے منہ سے پہلا لفظ ''ماں'' ادا ہوتا ہے مگر رامین کے ساتھ بالکل الٹ تھا، اس کے سامنے جو پہلا مسکراتا چہرہ آیا جس نے پہلے قدم پر اس کو سہارا دیا اور پھر تا حیات ہر قدم پر اس کا سہارا اور اس کا رہنما بنا رہا، جس نے اسکول سے لے کر کالج تک کا سفر طے کرنے میں ہر ہر لمحہ رہنمائی اور مشورہ جس ہستی نے دی وہ ''علی آذر آفریدی'' تھا، اس کا پھپھو زاد، اسے نہیں معلوم کہ وہ کب سے اس کے گھر میں مقیم تھا اور اپنے والدین کے ساتھ رہنے کی بجائے ان کے ساتھ کیوں رہ رہا تھا؟ رامین کے لئے بس اتنا کافی تھا کہ وہ اس کا سچا اور مخلص دوست ہے جو اپنے کالج کا ہی نہیں بلکہ پورے خاندان کا سب سے ذہین، پروقار، ہینڈسم اور خداداد صلاحیتوں کا مالک ہر دلعزیز طالبعلم تھا،

بہترین مقرر، اسپورٹ کا چیمپئن اور ادبی ذوق کا دلدادہ، کرنٹ افیئر پر گھنٹوں سیر حاصل گفتگو میں اسے کمال حاصل تھا، کسی کا کوئی بھی مسئلہ، کوئی بھی کام علی آذر آفریدی کے مشورے کے بغیر ناممکن تھا اور رامین کا تو وہ ہمدم، دوست اور رہنما تھا، اسکول سے آنے کے بعد اس کا سارا وقت اس نرم، نرم روئی کے گالوں میں گلابی گڑیا کے گرد منڈلاتے گزرتا اس کے چھوٹے چھوٹے ہاتھ، پاؤں کو وہ ایسے حیرت سے چھوتا کہ اکثر جہانگیر صاحب (رامین کے پاپا) اس کی معصومیت پر ہنس دیتے، جب وہ رونے لگتی وہ فوراً مامی کے پاس دوڑتا جس پر مسز جہانگیر اسے ڈانٹ کر بھگا دیتیں، نہ جانے مسز جہانگیر کو اس معصوم چھ سالہ بچے سے کیسی پرخاش تھی جسے علی آذر آفریدی کا کم سن ذہن سمجھنے سے قاصر تھا، وہ ان کے غصے بھری ڈانٹ سے خائف ہو کر اپنے کمرے میں بند ہو جاتا مگر کچھ دیر بعد پھر وہ رامین کے جھولے کے گرد منڈلاتا نظر آتا، رامین تھوڑی بڑی ہوئی اور پاؤں پاؤں چلنے لگی تو اس کا پہلا قدم علی آذر کے ذریعے اٹھا، پھر وہ اس کی محبتوں، چاہتوں کی عادی ہوتی چلی گئی جب تک علی آذر اسکول سے نہیں آجاتا تھا وہ اِدھر اُدھر بے چینی سے اسے ڈھونڈتی رہتی، جس پر کبھی کبھی مسز جہانگیر اسے ڈانٹ کر رکھ دیتی تو وہ چھوٹی چھوٹی معصوم آنکھوں میں آنسو بھرے توتلی زبان میں اپنے پاپا سے شکایت لگاتی۔

''پاپا، ماما دندی (گندی) آدر (آذر) اچھا۔'' جس پر جہانگیر صاحب اسے گود میں اٹھا کر مسکرا دیتے، لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ مسز جہانگیر کی بیزاری اور نفرتوں میں مزید اضافہ ہوتا گیا، ان کا بس چلتا تو وہ آذر کو اپنے گھر سے کب کا در بدر کر دیتیں، لیکن جہانگیر صاحب کی وجہ سے انہیں آذر کے وجود کی صورت یہ کڑوا گھونٹ بھرنا پڑا، لیکن اب رامین کے ساتھ اس کی انسیت اور دوستی ان کی آنکھوں میں خار بن کر چبھنے لگی تھی، انہوں نے رامین کے لئے ایک گورنس کا انتظام کر دیا، مگر رامین گورنس کے ہاتھ سے کچھ بھی کھانا پسند نہیں کرتی ہاتھ مار کر وہ چیزیں اِدھر اُدھر بکھیر دیتی، رونے لگتی اور پھر بیمار ہو گئی، اس کی چڑچڑاہٹ روز بروز بڑھتی جا رہی تھی، مجبوراً مسز جہانگیر کو آذر کے ساتھ رامین کو کھیلنے کی اجازت دینی پڑی۔

آذر کا بھی رامین کے علاوہ کوئی قریبی دوست نہیں تھا وہ اپنی پاکٹ منی سے اس کے لئے کلر پنسل، کلر بک، کھلونے اور چاکلیٹ لے کر آتا تھا۔

''تمہیں کتنی بار منع کیا ہے کہ رمی کو چاکلیٹ نہیں کھلایا کرو اس کے دانت خراب ہو رہے ہیں مگر تم جاہل لڑکے اپنی ماں کی طرح، خودسر، ضدی اور ہڈ حرام ہو وہی کام کرو گے جو منع کیا جائے گا، خبردار آئندہ جو اپنی مرضی چلائی۔'' مسز جہانگیر جب بھی موقع دیکھتی اسے ڈانٹے بغیر نہ رہتیں، مگر آج پہلی بار اس نے اپنی ماں کا نام ان کے منہ سے سنا تھا وہ بھی اتنی نفرت اور حقارت بھرے انداز میں، آذر کو مامی کے رویئے پر غصہ تو بہت آیا مگر وہ ماموں اور رمی کی محبت میں برداشت کر گیا، پھر اس دن سے علی آذر مامی کے پاس جانے سے گریز کرنے لگا، اس کی دنیا بس رمی تک محدود تھی۔

''آذر...... آذر دیکھو میری ڈرائنگ نہیں بن رہی، آذر...... آذر کل میرا میتھ کا ٹیسٹ ہے مجھے یہ سمجھ نہیں آ رہے۔'' رامین نے منہ بسورتے بک اٹھائے اس کے پاس چلی آتی، تو علی خواہ اپنی پڑھائی میں کتنا ہی مصروف رہتا، سب کچھ

چھوڑ کر مسکرا کر اس کو پڑھانے بیٹھ جاتا اور چٹکی میں اس کا مسئلہ حل ہو جاتا، اس طرح رمی کو وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ پکا یقین ہو گیا کہ آذر کے پاس کوئی جادو کی چھڑی ہے جس کے ذریعے وہ سارے مسئلے فوراً حل کر لیتا ہے، آذر اس کی معصومانہ سوچ پر ہنس دیتا، اسی طرح وقت کا پنچھی اڑتا چلا گیا، علی آذر کے ساتھ مامی کی نفرت اور رمی کی محبت وقت کے ساتھ ساتھ پروان چڑھتی گئی۔

☆☆☆

''علی...... علی میرا میٹرک میں A-1 گریڈ آیا ہے۔'' جیسے ہی علی آذر انسٹیٹوٹ سے واپس آیا رمی کی چہکتی زندگی سے بھرپور آواز اس کی سماعتوں میں پڑی اور ٹھنڈی میٹھی پھوار بن کر اس کی ساری ذہنی وجسمانی تھکاوٹ دور کر گئی۔

آج کل آذر کا ایم بی اے میں فائنل سمسٹر چل رہا تھا جس کی وجہ سے وہ کافی مصروف تھا۔

''واؤ گریٹ، پھر تو زبردست سی پارٹی ہونی چاہیے، تم ایسا کرو جلدی سے تیار ہو جاؤ میں بھی فریش ہو کر آتا ہوں پھر تمہیں آئسکریم کھلاؤں گا، لونگ ڈرائیو پر جائیں گے اور پھر تمہارا فیورٹ گفٹ، کیسا آئیڈیا۔'' آذر نے مسکراتے ہوئے اس کے معصوم خوشی سے دمکتے چہرے کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''زبردست! میں ابھی تیار ہو کر آتی ہوں۔'' رمی نے چہکتے ہوئے کہا۔

''خبردار کوئی ضرورت نہیں کہیں جانے کی، اب تم بڑی ہو گئی ہو، یہ کیا ہر وقت آذر کے گلے کا ہار بنی رہتی ہو اور تم لڑکے تمہیں بھی خیال ہونا چاہیے رامین تمہارے ماموں کی بیٹی، اس گھر کی عزت ہے، بچپن کی بات اور تھی میں نے تمہاری بے تکلفی برداشت کر لی مگر اب تمہارے ماموں بھی ملک سے باہر ہیں رمی اب بڑی ہو رہی ہے اس میں تو بچپنا ہے مگر تم تو کافی سمجھدار ہو، تمہیں خود خیال ہونا چاہیے تمہاری اس طرح کی دوستی و بے تکلفی پر خاندان والے کتنی باتیں بنائیں گے، جس طرح تمہاری ماں پورے خاندان کی عزت کو مٹی میں ملا کر چلی گئی تھی اب تم بھی وہی کرنا چاہتے ہو، ہوناں اسی بدکردار اور خودسر ماں کے بیٹے۔'' آج مسز جہانگیر کو، جہانگیر صاحب کی عدم موجودگی میں اپنے دل کی بھڑاس نکالنے کا بھرپور موقع مل گیا تھا، مگر آذر کی ہمت اب جواب دے گئی تھی۔

''بس مامی! میں نے اب تک آپ کا بہت لحاظ کیا آپ نے بچپن سے اب تک میرے ساتھ جو بھی سلوک روا رکھا میں نے برداشت کیا، مگر اب مزید نہیں، اپنی ماں کے بارے میں اتنے نازیبا الفاظ کہنے کی آپ کو بالکل اجازت نہیں، میری ماں کا صرف اتنا جرم تھا کہ انہوں نے اپنی پسند سے خاندان کے باہر شادی کی جس کا ہمارا مذہب بھی اجازت دیتا ہے اور یہ شادی ماموں اور نانا ابا کی دلی رضامندی سے ہوئی تھی، انہوں نے عزت کے ساتھ اس گھر سے انہیں رخصت کیا تھا، تو پھر اس طرح پوری زندگی ان کی کردار کشی کرنا، آپ جیسی ایجوکیٹڈ اور مہذب خاتون کو زیب نہیں دیتا، ان کا قصور صرف اتنا تھا کہ انہوں نے آپ کے کم پڑھے لکھے نکمے اور بے روزگار بھائی سے شادی کرنے سے انکار کر دیا تھا جبکہ نانا ابا بھی اس شادی کے حق میں نہیں تھے، وہ ان کے باپ اور ان کے سرپرست تھے، انہوں نے وہی فیصلہ کیا جو میری ماں کے حق میں بہتر تھا تو پھر آپ یا خاندان والے کون ہوتے ہیں؟ اس طرح ان پر کیچڑ اچھالنے والے اور اب تو ان کو بخش دیں میرے ماما اور بابا دونوں اب اس دنیا

میں نہیں رہے، پلیز ان کی روح کو اپنی اخلاق سے گری ہوئی باتوں سے ایذاء پہنچانا بند کر دیں، اگر آپ ان کے ایصال ثواب کے لئے دعا نہیں کر سکتیں تو کم از کم یوں انہیں تکلیف پہنچانے کا فعل بھی چھوڑ دیں۔"

بچپن سے آذر کے دل اور دماغ میں پکتا ہوا لاوا آج پھٹ پڑا تھا، اس کے انداز و تیور پر مسز جہانگیر حیران تھیں کہ آج تک اس لڑکے نے کبھی ان کے سامنے اتنی اونچی آواز میں بات نہیں کی اور آج اس طرح ان کے مقابل کھڑا حساب کتاب کر رہا ہے، وہ شاید یہ بھول گئی تھیں کہ کوئی بھی غیرت مند بیٹا اپنی ماں کے بارے میں غلط باتیں برداشت نہیں کر سکتا، رمی بھی ڈری سہمی آذر کا یہ غصے سے بھرا روپ دیکھ رہی تھی اس نے ہمیشہ آذر کو نرم مسکراہٹ کے ساتھ پرسکون دیکھا تھا، بچپن ہی سے ممی کا رویہ آذر کے ساتھ ہتک آمیز اور حقارت بھرا تھا، مگر آذر ہمیشہ صبر سے ان کی بات ہنس کر ٹال دیتا، جس پر کبھی کبھی رمی بھی اس سے شکوہ کرتی کہ وہ ممی کی غلط باتوں پر ناراض ہونے کی بجائے خاموش رہتے ہیں تو وہ مسکرا کر اسے سمجھاتا کہ "کوئی بات نہیں، مامی میری، ماما کی طرح ہیں اگر وہ مجھے ڈانٹ دیتی ہیں تو کیا ہوا؟ غلطی شاید میری ہی تھی" اور یہ کہہ کر خندہ پیشانی سے مسکرا کر بات ختم کر دیتا، مگر آج......؟

"تم دو ٹکے کے لڑکے میرے مقابل آؤ گے، تمہاری اوقات کیا ہے؟ ارے ہمارے ٹکڑوں پر پلنے والے آج میرے گھر پر کھڑے ہو کر مجھے ہی باتیں سنا رہا ہے اتنی جرأت، آج ہی تمہارے ماموں سے تمہاری شکایت کرتی ہوں میں، ان کے لاڈلے کے کرتوت بتاتی ہوں۔" ممی نے نخوت سے سانپ کی طرح پھنکارتے ہوئے کہا۔

"شوق سے میری شکایت کریں میں نے آپ سے کوئی بدتمیزی نہیں کی آپ کی غلط باتوں کا جواب دیا ہے، حقیقت سے آگاہ کیا ہے اور رہی ٹکڑوں پر پلنے والی بات For your kind infrmation اب تک مجھ پر یا میری ذات پر جتنا بھی خرچ ہوا، وہ سب میرے مرحوم باپ کی کمائی سے ہوا ہے، میرے مرحوم باپ نے میرے لئے اتنا کچھ چھوڑا ہے کہ میں کبھی کسی کا محتاج نہیں ہو سکتا، مجھے ماموں نے ساری حقیقت بتا دی ہے، بابا نے میرے نام ڈیفنس میں ایک پلاٹ، ایک پلازہ اور بینک میں پچاس لاکھ میرے نام پر چھوڑا ہے جس کا اب میں قانونی و شرعی وارث ہوں، ہاں ماموں کا مجھ پر بہت بڑا احسان ہے انہوں نے مجھ یتیم کے سر پر دست شفقت رکھا مجھے کبھی باپ کی کمی محسوس نہیں ہونے دی ان کا یہ قرض میں مر کر بھی ادا نہیں کر سکتا، اسی لئے آپ کی اتنی جلی کٹی حقیر باتیں سن کر بھی اس گھر میں رہائش پذیر ہوں، میں چاہوں تو الگ فلیٹ لے کر اس میں شفٹ ہو سکتا ہوں، مگر ماموں کی غیر موجودگی میں آپ دونوں کی حفاظت میری ذمہ داری ہے، لہٰذا آپ میرے ساتھ جیسا بھی رویہ رکھیں، میں اپنے فرض سے غفلت نہیں برت سکتا اور جہاں تک رمی کی بات ہے تو اس کی عزت مجھے اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز ہے آپ بے فکر رہیں، میں کبھی کوئی ایسا کام نہیں کروں گا جس سے میرے ماموں یا رمی کی عزت پر کوئی حرف آئے، میں اس کا محافظ ہوں رہزن نہیں۔" آذر نے غصے سے سرخ چہرے کے ساتھ ان کی طرف دیکھتے حتمی مگر نرم لہجے میں جواب دیا، پھر وہ اس کی طرف متوجہ ہوا، جو بے یقینی اور خائف نظروں سے سب سن رہی تھی اس

کے لئے یہ انوکھے انکشافات تھے۔
''اور تم ابھی تک یہیں کھڑی ہو؟ جاؤ جلدی سے تیار ہو جاؤ ہمیں دیر ہو رہی ہے۔'' رمی نے فوراً وہاں سے کھسک جانے میں ہی عافیت جانی۔
''اور ہاں مامی! ایک مزے کی بات بتاؤں آپ کی یہ ساری گفتگو ماموں نے بھی سن لی ہے لہٰذا اگر آپ ان کے دل میں میرے خلاف کوئی بدگمانی پیدا کرنی چاہتی ہیں تو یہ خیال دل سے نکال دیں کیونکہ آپ کے آنے سے پہلے ماموں مجھے کال کر رہے تھے اور ابھی میں ان سے بات کرنے ہی لگا تھا کہ آپ آ گئیں اور اس طرح ماموں نے من وعن ساری گفتگو سن لی ہے۔'' مسز جہانگیر نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔
''لیجئے ماموں! مامی جی سے بات کریں اور آپ کو پتہ تو چل گیا ہوگا کہ رمی کا میٹرک میں اے گریڈ آیا ہے، اگر آپ کی اجازت ہو تو اسے آؤٹنگ کے لئے لے جاؤں؟'' آذر نے مامی کے غصے سے بھرے چہرے کی طرف مسکراتے ہوئے دیکھا اسی وقت اسپیکر سے جہانگیر صاحب کی آواز گونجی۔
''ہاں بیٹے ضرور، مجھے فخر ہے کہ تم رمی کا اتنا زیادہ خیال رکھتے ہو اس کی تعلیم میں کامیابی بھی تمہاری محنت کے مرہون منت ہے، مجھے تمہاری موجودگی میں ان دونوں کی کوئی فکر نہیں اور اب رمی کے ایڈمیشن میں بھی تم نے مدد کرنی ہے، اپنی مامی کی باتوں کو دل پر مت لینا وہ بے وقوف عورت ہمیشہ ہی خوشی کے موقع پر کوئی نہ کوئی رخنہ ضرور ڈالتی ہے۔''
''ارے نہیں ماموں، مجھے شرمندہ نہ کریں مامی میری بزرگ ہیں ان کی باتوں کا برا نہیں مانتا اور سوری ماموں اگر آپ کو مامی کے ساتھ میرا اس طرح بات کرنا ناگوار گزرا ہو، لیکن آپ

جانتے ہیں میرا مقصد ان سے بدتمیزی کرنا نہیں تھا بس انہوں نے ماما کے بارے میں غلط باتیں کی جو مجھ سے برداشت نہیں ہو سکی، اس کے علاوہ مجھے مامی سے کوئی شکوہ نہیں ان کی عزت وتکریم اور ان کا حکم سر آنکھوں پر ہے۔'' مسز جہانگیر جو ان کی گفتگو سن رہی تھی ہمیشہ کی طرح جہانگیر صاحب کا آذر کا ساتھ دینے پر وہاں سے تن فن کرتے چلی گئیں، مسز جہانگیر اندر ہی اندر سلگ رہی تھیں یہ لڑکا ان کے لئے مسلسل آزمائش بنتا جا رہا تھا اور اب تو وہ صاحب جائیداد بھی ہو گیا تھا، تھوڑا جو شرم ولحاظ اس کی آنکھوں میں تھا انہیں ڈر تھا کہ کہیں وہ بھی ختم نہ ہو جائے اسی لئے فی الحال انہوں نے خاموشی میں ہی عافیت جانی ورنہ شوہر اور بیٹی کی نظر میں بری بن جاتیں، انہیں موقع کی تلاش تھی کہ کس طرح اس سے جان چھڑائی جائے؟ جس کی ماں نے ان کے بھائی سے شادی سے انکار کر کے ان کی اور ان کے خاندان کی جو ناک کٹوائی تھی وہ اب تک نہیں بھولی تھیں، اگر ان کے بھائی کی شادی رمی کی پھپھو ثروت جہاں سے ہو جاتی تو ان کے حصے کی ساری جائیداد ان کے بھائی کے نصیب بن جاتی ان کے بھائی کی شادی بعد میں جس لڑکی سے ہوئی وہ متوسط طبقے سے تعلق رکھتی تھیں تا زندگی ان کے بھائی نے مستقل مزاجی سے کوئی کام نہیں کیا ان کی بھابھی ٹیچنگ کر کے گھر کی گاڑی چلا رہی تھیں اور اپنے بیٹے راحیل کے تعلیمی اخراجات کو برداشت کر رہی تھیں، اسی طرح کمپرسی میں دن گزارتے آخر کار ان کی بھابھی اس دنیا سے چلی گئیں، مسز جہانگیر نے راحیل کا خرچ اپنے ذمے لے لیا مگر ان کے بھائی کی وہی روش تھی، بالآخر راحیل کے میٹرک کے بعد وہ ٹی بی کے مرض میں لاحق ہو کر اس دنیا سے رخصت ہو گئے جس کی وجہ سے عالیہ

بیگم کو ثروت جہاں سے اور زیادہ نفرت محسوس ہوئی ان کے خیال میں اگر وہ اس رشتے کو قبول کر لیتی تو حالات سازگار ہوتے جبکہ ان کے بھتیجے راحیل نے ٹیوشن پڑھا کر اور کچھ عالیہ بیگم (مسز جہانگیر) کی ماں امداد سے اپنا گریجویشن مکمل کیا قسمت نے یاوری کی اور آج کل وہ امریکہ میں سکونت پذیر تھا اور اب انہیں آذر کو اپنے شوہر اور بیٹی کی نظروں میں گرا کر ہی ان کی دل میں برسوں سے جلتی آگ ٹھنڈی پڑ سکتی تھی۔

☆☆☆

''رمی تمہارا آگے کا کیا پلان ہے؟ کس کالج میں اور کون سی فیلڈ میں ایڈمیشن لینا ہے؟'' رامین کی دوست مائرہ نے کوک کے ساتھ برگر کا بائٹ لیتے ہوئے پوچھا، وہ دونوں آج مارکس شیٹ لینے اسکول آئی تھیں۔

''مجھے کیا سوچنا ہے؟ تمہیں پتہ تو ہے میرے سالگرہ سے لے کر اسٹڈی تک سب کچھ آذر پلان کرتے ہیں اب بھی وہی کریں گے۔'' رامین نے ازلی بے فکری سے کندھے اچکاتے ہوئے جواب دیا۔

''اوہ یار تم کب بڑی ہو گی؟ کبھی تو اپنی سوچ اور پسند کو بھی استعمال کر لیا کرو مانا کہ آذر بھائی بہت ذہین، قابل اور تمہارے بیسٹ فرینڈ ہیں مگر تمہاری اپنی بھی تو کوئی چوائس ہو گی تمہیں اب اپنے فیصلے میں آزاد ہونا چاہیے آخر ان کی اپنی لائف ہے، وہ اپنا بزنس سیٹل کر رہے ہیں پھر سوچو، کل کو ان کی شادی ہو گی ان کی فیملی بنے گی، تو کیا وہ تمہیں اس طرح ٹائم دے پائیں گے؟'' مائرہ نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا۔

''اُوف او، یار پھر وہی لیکچر، تمہیں پتہ ہے کہ میں آذر کے بغیر کچھ نہیں، مجھے ان پر خود سے بھی زیادہ اعتبار اور بھروسہ ہے وہ مجھے کبھی بھی نہیں چھوڑ سکتے، کبھی نہیں۔'' رامین نے اٹل لہجے میں کچھ فخر سے جواب دیا، مائرہ اسے بس دیکھ کر رہ گئی اسے سمجھانا فی الحال فضول تھا، شاید وقت کے ساتھ ساتھ خود اس میں سمجھداری و احساس ذمہ داری پیدا ہو جائے۔

''اوکے میں چلتی ہوں آذر آ گئے ہوں گے، پھر میں تمہیں ان سے Decide کر کے بتاتی ہوں کہ آگے کیا مضامین لینے ہیں۔''

''اوکے بائے۔'' اس نے مائرہ سے گلے ملتے ہوئے کہا، مائرہ بھی اس سے مسکرا کر ملی، پھر دونوں اپنے اپنے گھر روانہ ہو گئیں۔

☆☆☆

شام کی چائے پر آذر کو مارکس شیٹ دکھاتے ہوئے انٹر کے مضامین کے بارے میں پوچھا۔

''تم بتاؤ تمہارا کیا ارادہ ہے؟ تمہیں کس فیلڈ میں جانا ہے، میرا خیال ہے اب تم اس قابل ہو گئی ہو کہ اپنے مستقبل کے لئے خود کوئی فیصلہ کر سکو۔'' آذر نے چائے کے سپ لیتے ہوئے اس کی رائے معلوم کرنی چاہی۔

''اوہ آپ بھی مائرہ والی بات کہہ رہے ہیں مجھے تو کچھ نہیں معلوم، آپ جو ہیں میرے لئے بہتر فیصلہ کرنے والے، پھر مجھے کیا ضرورت ہے اپنے ننھے سے دماغ پر زور ڈالنے کی۔'' رمی نے شوخی اور معصومیت سے ناک سکیڑتے ہوئے کہا، آذر اسے مسکرا کر دیکھنے لگا، پھر آذر ہی کی خواہش پر اس نے کامرس کی فیلڈ اپنائی آگے اس کا ارادہ ماس کمیونیکیشن میں گریجویشن کرنے کا تھا، کیونکہ آذر کا خیال تھا کہ اس میں کافی ٹیلنٹ اور Serse of humour ہیں جس کی وجہ سے وہ نیوز اور رپورٹنگ کی فیلڈ میں اپنا بہترین کیریئر بنا سکتی ہے، مسز جہانگیر کو ہمیشہ کی طرح اعتراض ہوا۔

''کیا ضرورت ہے اتنا دماغ کھپانے کی، اتنی مشکل پڑھائی کر کے سارا رنگ روپ کملا جائے گا ہمیں کون سا تم سے نوکری کروانی ہے، تم ہی تو ہماری اکلوتی اولاد اور تمام جائیداد کی وارث ہو، سیدھے سیدھے آرٹس کے سبجیکٹ لو۔'' مگر پھر پاپا ہمیشہ کی طرح اس کی ڈھال بنے اور آذر کی ڈیل کے آگے مسز جہانگیر کو ایک بار پھر شکست کھانی پڑی اور اس طرح اس کا ایڈمیشن کامرس کالج میں ہو گیا مائرہ نے بھی اس کے ساتھ داخلہ لیا، جس سے اس کو کالج میں کافی سہارا ملا، کیونکہ آذر کے بعد اس کی واحد سچی دوست صرف مائرہ تھی اور اس دوستی میں بھی مائرہ کا زیادہ ہاتھ تھا اسے پریپ کلاس میں آنے والی پونی ٹیل باندھی، بڑی بڑی بھوری آنکھوں اور سنہری کرلی (گھنگھریالے) بالوں والی یہ لڑکی بہت پسند آئی تھی، Recess ٹائم میں اس نے اپنا لنچ باکس اس کے ساتھ شیئر کرنا چاہا۔

''میں صرف آذر کے ساتھ لنچ شیئر کرتی ہوں۔'' رمی نے توتلی زبان میں آنکھیں گول گول گھماتے ہوئے ناک سکیڑتے ہوئے کہا۔

''کوئی بات نہیں، تم نہیں کرو، میں تمہارے ساتھ کر لیتی ہوں۔'' اور یہ کہہ کر اس نے مزے سے اس کا Cheese آملیٹ کا بائٹ لیا تو رامین اسے حیرت سے منہ کھولے دیکھے گئی وہی سے ان کی دوستی کا آغاز ہوا جواب تک ٹائم تھا، رامین کی باتیں اسکول میں بھی صرف آذر سے شروع ہو کر آذر پر ہی ختم ہوتی، مائرہ کیونکہ اچھی سامع تھی لہٰذا دلچسپی سے اس کی باتیں سنتی، اس لئے رمی کو بھی آہستہ آہستہ اس کے ساتھ دوستی میں مزہ آنے لگا۔

☆☆☆

''آج کا پہلا دن کیسا گزرا ہماری رمی کا؟'' آذر آج لنچ پر صرف رمی کی وجہ سے جلدی گھر آ گیا تھا، خلاف توقع آج لنچ پر مسز جہانگیر بھی موجود تھیں جو بظاہر ان دونوں سے بے نیاز، مگر ان کا سارا دھیان ان دونوں کی گفتگو کی طرف تھا۔

''ہوں آج تو بس انٹروڈکشن تھا تھوڑی بوریت ہوئی مگر مائرہ کے ساتھ وقت گزرنے کا پتہ نہیں چلا اور ہاں، آذر مجھے آج آپ نے گفٹ سینٹر لے کر جانا ہے، کل مائرہ کی سالگرہ ہے مجھے اسے وش کرنا ہے۔'' رمی نے اپنی پلیٹ میں چکن رائس نکالتے ہوئے کہا۔

''ارے نہیں رمی آج تو مشکل ہے گڑیا، تم ایسا کرو مامی کے ساتھ چلی جاؤ، آج میری ضروری میٹنگ ہے، میں بس تمہاری وجہ سے لنچ پر آ گیا تھا مجھے آدھے گھنٹے میں آفس پہنچنا ہے۔'' آذر نے جلدی جلدی منہ میں نوالے ڈالتے ہوئے جواب دیا، مسز جہانگیر کن اکھیوں سے رمی کی طرف دیکھنے لگیں جس کی آنکھوں میں پانی بھر آیا تھا ان کا رمی کے ساتھ جانے کا ارادہ تو نہیں تھا مگر اس وقت ان کے ذہن میں ایک خیال کوندے کی طرح لپکا، انہوں نے سوچا رمی کو آذر کے خلاف ورغلانے کا اچھا موقع ہے۔

''چلو رمی بیٹا! تم تیار ہو جاؤ آج ماما اور بیٹی خوب شاپنگ کریں گے پھر تمہارے فیورٹ آئسکریم بار سے آئسکریم بھی کھائیں گے۔'' مسز جہانگیر نے رمی کو پیار سے چمکارتے ہوئے کہا۔

''اوہ رئیلی ماما! آپ آج میرے ساتھ ٹائم Spent کریں گی Love you mama! great۔'' رمی جو آذر کے انکار پر تھوڑا اداس ہو گئی تھی اب ان کی بات سن کر خوش ہو گئی اور ان کے ماتھے پر پیار کر کے تیار ہونے اوپر بھاگی۔

''دیکھا آذر! تم کچھ بھی کر لو وہ میری بیٹی

ہے دیکھو میری ذرا سی نگاہ التفات پر وہ پھول کی طرح کھل گئی اور تمہیں بالکل فراموش کر گئی۔'' مسز جہانگیر طنزیہ مسکراہٹ کے ساتھ آذر سے مخاطب ہوئیں آذر ان کی تنگ نظری پر مسکرا کر رہ گیا۔

''مامی! میرا اور آپ کا کوئی مقابلہ نہیں بہر حال میں اس کا کزن اور دوست ہوں جبکہ آپ اس کی ماں اور جنت ہے، میں آپ کی جگہ کبھی بھی نہیں لے سکتا نہ ہی میری ایسی کوئی خواہش ہے، اوکے۔'' یہ کہہ کر آذر وہاں سے چلا گیا، تو مسز جہانگیر اس کے ازلی اطمینان پر بے سکون ہو کر رہ گئیں ان کا اسے زک پہنچانے کا سارا پلان دھرا رہ گیا تھا۔

''ہونہہ ابھی تو یہ شروعات ہے دیکھتی ہوں کب تک یہ اطمینان اور اعتبار رمی پر قائم رہتا ہے، وہ حشر کروں گی کہ تمہاری سات پشتیں یاد رکھیں گی تمہاری ذات کی دھجیاں رمی کے سامنے بکھیر کر رکھ دوں گی۔'' رمی کے آنے پر زبردستی انہوں نے مصنوعی مسکراہٹ چہرے پر سجائی اور پھر اس کے ساتھ روانہ ہو گئیں۔

☆☆☆

آذر آج کل بے حد مصروف تھا، اسے اپنے نئے شروع کیے گئے امپورٹ ایکسپورٹ کے بزنس کے ساتھ ساتھ ماموں کے بزنس کو بھی ٹائم دینا پڑ رہا تھا اس کی شب و روز محنت کی وجہ سے بزنس سرکل میں اس کا نام اور کام دونوں مستحکم ہو رہے تھے، یہی وجہ تھی کہ وہ آج کل صبح نکلتا تو رات میں ہی واپس آتا، البتہ اس نے رمی کی صبح کالج ڈراپ کرنے کی ذمہ داری خود لے رکھی تھی واپسی میں وہ مائرہ کے ساتھ ہی کالج وین میں آ جاتی تھی، اس طرح مامی کی نفرت اور رمی کی محبت کے ساتھ شب و روز آگے پیچھے بھاگ رہے تھے،

ماموں بھی اس کی کارکردگی سے مطمئن تھے ان کا ابھی دو سال مزید وہاں قیام کا ارادہ تھا، رمی نے حسب معمول انٹر میں بھی امتیازی نمبروں سے کامیابی حاصل کی تھی اور طے شدہ پلان کے مطابق آگے ماس کمیونیکیشن میں مائرہ کے ساتھ داخلہ لے لیا تھا، شروع میں یہ سبجیکٹ اسے بور لگا مگر پھر کرنٹ افیئر پر پروجیکٹ تیار کرنا، مختلف ملکی و سیاسی حالات پر سروے رپورٹ بنانا اور مختلف Celebrities کا انٹرویو کرنا، اسے کافی مزہ آنے لگا، مصروفیات کے باوجود آذر اس کی پڑھائی سے غافل نہیں تھا اکثر اس کی پریزنٹیشن بنانے میں رمی کی مدد کرتا لیکن اب مائرہ کے ساتھ رمی بھی انٹرنیٹ اور لائبریری سے ریفرینس بک سرچ کر کے نوٹس وغیرہ بنانے لگی تھی، آج ان کے کالج میں فن فیئر تھا جس کی وجہ سے وہ آج آذر کے بجائے مائرہ کے ساتھ تھوڑی تاخیر سے کالج آئی تھی، تمام لڑکیاں کافی پر جوش تھیں ہر طرف رنگین آنچل، زندگی سے بھرپور شوخ و چنچل شرارتی لڑکیاں گروپ کی شکل میں اسٹالز کے ساتھ نظر آ رہی تھیں مائرہ اور دوسری لڑکیوں کی فرمائش پر اس نے اپنی خوبصورت آواز میں ایک خوبصورت غزل ''گلابی شام'' سنائی، اسی وقت آذر اسے لینے آیا تھا کالج گیٹ سے اندر داخل ہوتے وقت اس کی نظر سامنے لڑکیوں کے حلقے میں دھانی کلر کے گھیر دار فراک اور چوڑی دار میں ملبوس رمی آنکھیں بند کیے سر بکھیرتی اپنے دل میں اترتی محسوس ہوئی اسے اپنی کیفیت پر خود حیرانی ہوئی اس کا دل تو پہلے ہی رمی کا تابع تھا اور اب اس کی دھڑکن بھی رمی کے نام ہو گئی تھی، وہ بے خودی میں اس معصوم حسین پیکر کو دیکھے گیا، آج ہی اسے پتہ چلا کہ اس کی چھوٹی سی ستوان ناک میں چمکتی ڈائمنڈ نوز پن اس کے معصوم چاند

سے چہرے میں کیسے چاندنی بکھیرتی ہے، لڑکیوں کی تالیوں کی پرجوش آواز میں جہاں آذر کی بے خودی ٹوٹی وہی رمی کی نظر بھی اس کی طرف پڑی۔

''ارے آذر آپ اور یہاں؟'' وہ خوشگوار حیرت سے لڑکیوں کے گھیرے سے نکل کر اس کی طرف بڑھی۔

''ہاں بس کافی دنوں سے تمہیں ٹائم نہیں دے پا رہا تھا، آج تھوڑی فرصت ملی تو سوچا آج کا دن اپنی چھوٹی سی دوست کے ساتھ گزارا جائے۔'' آذر نے اس کے خوبصورت صبیح چہرے کو حصار میں لیتے ہوئے جواب دیا اس کی بات سن کر رمی کا چہرہ خوشی و مسرت سے مزید دمکنے لگا۔

''ارے واہ شکر ہے آپ کو میرا خیال تو آیا، پاپا بھی یہاں نہیں ہیں ماما کی اپنی مصروفیات ہیں بیچ میں بھی آپ کی کمپنی کو بہت مس کر رہی تھی، مگر مجھے اندازہ تھا آج کل آپ پر دوہری ذمہ داری ہے جس کی وجہ سے آپ کافی مصروف ہیں، لیکن مجھے آپ بھی نظر انداز نہیں کر سکتے۔'' آخر میں رمی نے فخر و انبساط کے ملے جلے جذبات سے مغلوب ہو کر کہا، تمام لڑکیاں اب آذر کی طرف ہی متوجہ تھیں اور کچھ تو آپس میں اس کی طرف اشارہ کر کے سرگوشی بھی کر رہی تھیں، رمی کو کچھ عجیب سا لگا، جلدی جلدی اس نے دور سے ہی مائرہ کو اپنی واپسی کا بتایا اور آذر کے ساتھ گیٹ پار کر گئی۔

''جی جناب پہلے کہاں جانے کا ارادہ ہے؟'' آذر اپنی بے اختیاری پر قابو پا چکا تھا اب اسی مخصوص دوستانہ انداز میں اس سے شوق سے پوچھ رہا تھا۔

''پہلے لنچ، پھر آئسکریم پھر، پھر سی ویو۔'' رمی نے سوچتے ہوئے اپنا پلان بتایا، آذر اس کے بچکانہ پن پر مسکرا کر رہ گیا۔

''ایک بات کہوں آذر؟''

''ہاں کہو، بھئی ہماری پرنسز رمی کو اجازت کی کب سے ضرورت پڑ گئی؟'' آذر نے مصنوعی حیرانگی سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا جو اب سر جھکائے اپنے ناخنوں سے کھیل رہی تھی۔

''وہ...... وہ آپ آئندہ کالج کے اندر مت آیئے گا۔'' رمی نے فوراً کہا۔

''ارے مگر کیوں؟'' آذر اب واقعی اس کی بات سن کر چونک گیا تھا۔

''بس ایسے ہی، آپ نے دیکھا نہیں لڑکیاں کیسے آپ کی طرف پرشوق نظروں سے دیکھ رہی تھیں آپ کی شاندار سحر انگیز شخصیت پر کمنٹ پاس کر رہی تھیں تو مجھے اچھا نہیں لگا۔'' رمی نے ہچکچاتے ہوئے اپنی دلی کیفیت بیان کی آذر نے اس کی بے تکی بات پر پہلے چونک کر اس کی طرف دیکھا پھر اس کا قہقہہ بے اختیاری تھا۔

''اوہ...... ہا...... ہا...... ہا...... ہا تو تم جیلس ہو رہی ہو میری تعریف سے؟'' آذر نے اب مزے سے پوچھا۔

''ہاں ہو رہی ہوں جیلس، کیونکہ مجھے اچھا نہیں لگتا کوئی آپ کی طرف دیکھے آپ کے بارے میں گفتگو کرے، آپ پر صرف اور صرف میرا حق ہے۔'' رمی کو خود بھی اندازہ نہیں تھا کہ وہ اپنی معصومیت میں کیا کہہ گئی ہے، آذر اس کے صبیح چہرے کو غور سے مسکرا کر دیکھنے لگا، اسے اپنی تھوڑی دیر پہلے والی بے خود کیفیت یاد آئی۔

''اوکے چلو آئندہ میں نہیں آؤں گا بس خوش چلو اب موڈ ٹھیک کرو۔'' آذر نے اس کی چھوٹی سی ناک دباتے ہوئے کہا تو رمی سب بھول بھال کر اسے آج کی فن فیئر کی روداد سنانے

لگی۔

''ہوں میں نے بھی تمہاری شاعری سنی تھی۔''

''سچ آذر پھر کیسے لگی میری آواز؟ میری سب کلاس فیلوز میری تعریفیں کرتی ہیں بلکہ مائرہ کا تو مشورہ ہے کہ ہمیں ایف ایم جوائن کرنا چاہیے کیونکہ میری آواز ولہجہ میں بقول اس کے Clearity اور Controllivy ہے لیکن میں نے یہ سوچ کر سیریز نہیں لیا کہ ماما کو اچھا نہیں لگے گا۔'' اپنی خواہش کے ساتھ ساتھ اس نے مسز جہانگیر کی ناراضگی کا خدشہ بھی ظاہر کیا۔

''مائرہ بالکل ٹھیک کہتی ہے ویسے بھی تم لوگوں کی یہ سبجیکٹ ڈیمانڈ بھی ہے آج کل تو ایف ایم پر کافی پڑھے لکھے اور ٹیلنٹڈ لڑکے لڑکیاں آ رہے ہیں جو نہ صرف اپنی آواز سے بلکہ اپنی وسیع معلومات کو خوبصورت انداز میں عام لوگوں تک پہنچا کر اپنے سامعین میں کافی مقبول ہو رہے ہیں اب تو ایف ایم ہر جگہ سنا جاتا ہے، میں خود اکثر ڈرائیونگ کے دوران ایف ایم انجوائے کرتا ہوں یہ آر جے ایس تو ہماری فیملی فرینڈز بنتے جا رہے ہیں میرا خیال ہے تمہیں ضرور اپنے ٹیلنٹ کو سامنے لانا چاہیے رہی مامی کی بات تو تم فکر مت کرو انہیں صرف مجھ سے اختلاف ہے مگر جب ماموں کی سپورٹ حاصل ہو گی تو انہیں بھی کوئی اعتراض نہیں ہو گا۔'' آذر نے ہمیشہ کی طرح رمی کو تسلی دی، وہ آج آذر سے اپنی بات شیئر کر کے مطمئن ہو گئی تھی کبھی کبھی وہ سوچتی کہ اگر آذر اس کی زندگی میں نہیں ہوتا تو اس کی خواہشات، اس کی فرمائشیں کون پوری کرتا، ماما سے تو اس کی ہمیشہ جان جاتی تھی اور پاپا یہاں موجود نہیں تھے، پھر آذر کے ساتھ ایک بھرپور دن گزار کر وہ شام ڈھلے گھر پہنچی، تو وہاں اپنی خالہ زاد کزن کو منتظر پایا جو اسلام آباد سے آئی تھی اس کا یہاں ٹرانسفر ہو گیا تھا، جاب کی وجہ سے اب اسے ان کے گھر ہی قیام کرنا تھا، رامین نے خوشی کا اظہار کیا، آذر تو سلام دعا کے بعد فوراً اپنے روم میں چلا گیا، جبکہ رمی اسے کمپنی دینے بیٹھ گئی، مگر اس نے محسوس کیا کہ کرن اس کی باتوں میں دلچسپی نہیں لے رہی تھی لہٰذا وہ بھی خالہ وغیرہ کی خیریت معلوم کر کے اپنے روم میں آرام کرنے چلی گئی۔

☆☆☆

''ہائے آذر!'' کرن نے آذر کے کمرے میں داخل ہو کر والہانہ انداز میں کہا، آذر جو ابھی ابھی یہ سوچ کر لیٹا تھا کہ تھوڑی دیر آرام کر کے آفس کے کام کرے گا اسے دیکھ کر بدمزہ ہو گیا، جو اتنی بے تکلفی سے نہ صرف اس کے کمرے میں گھس آئی تھی بلکہ اب کرسی پر بیٹھے اردگرد کا بڑی طائرانہ نظروں سے جائزہ لے رہی تھی۔

''ہوں تمہارا ذوق تو بہت ہی اعلیٰ ہے۔'' اس نے سامنے سی ڈی پلیئر میں ایک سی ڈی لگاتے ہوئے ساتھ ساتھ آذر کو اپنی رائے بھی دینی چاہی، آذر کا پہلے حیرت اور پھر غصے سے برا حال تھا۔

''مس کرن! کسی کے کمرے میں آنے کے کچھ آداب ہوتے ہیں بغیر دستک دیئے آپ کمرے میں گھس آئی اور اب بغیر میری اجازت میری چیزوں پر تبصرہ کر رہی ہیں کس نے دیا یہ حق آپ کو؟'' آذر نے سی ڈی پلیئر آف کرتے ہوئے غصے سے اس کی طرف دیکھا۔

''ارے آپ تو ایسے ہی ناراض ہو رہے ہیں، میں آپ کی مہمان ہوں بور ہو رہی تھیں تو سوچا آپ سے گپ شپ کی جائے، بچ جاب کی ٹف روٹین کے بعد بہت تھکاوٹ ہو جاتی ہے۔''

کرن پر اس کے غصے کا خاطر خواہ اثر نہیں ہوا تھا، آذر کو اس ڈھیٹ لڑکی پر جی بھر کر غصہ آیا دل چاہا ابھی ہاتھ پکڑ کر کمرے سے نکال دے مگر آداب میزبانی آڑے آ گئی۔

''میرے خیال میں ہمارے درمیان اتنی بے تکلفی نہیں ہے، رہی گپ شپ کی بات تو آپ رمی سے لگائیں وہ آپ کو کمپنی دیتی تو ہے۔'' آذر نے ایک ایک لفظ چباتے ہوئے کہا۔

''اوہ رمی اس میں تو بچکانہ پن ہے گریجویشن کر رہی ہے لیکن اس کی باتوں میں ابھی تک وہی بچپنا ہے اس کی کمپنی میں تو بندہ بور ہی ہو جاتا ہے پتہ نہیں آپ کیسے اس کی بے سروپا باتیں برداشت کرتے ہیں۔'' کرن نے نخوت سے ناک چڑھاتے ہوئے اپنی فضول رائے دی، جو آذر کی برداشت سے باہر تھا۔

''مس کرن! وہ آپ کی کزن ہے آپ کو اسے کے بارے میں ایسا نہیں کہنا چاہیے وہ آپ کو دیکھ کر کتنا خوش ہو رہی ہے؟ کالج سے آ کر سارا وقت آپ کے ساتھ گزارتی ہے اور آپ اس کے بارے میں اتنی فضول سوچ رکھتی ہے مجھے آپ کی ذہنیت پر افسوس ہو رہا ہے۔'' آذر کو واقعی کرن کا انداز تکلم بہت برا لگا تھا۔

''Ok leave this آپ یہ بتائیں مجھے آج رات ڈنر پر لے کر جا رہے ہیں ناں؟ میں نے خالہ جانی سے اجازت لے لی ہے انہیں کوئی اعتراض نہیں۔'' کرن نے جلدی جلدی اپنا اصل مدعا بیان کیا، آذر کرن کی بات سن کر چونکا، ایک طرف ماما کو رامین کی اس کے ساتھ دوستی پر اعتراض تھا جبکہ وہ فرسٹ کزن، سگی ماموں زاد ہے اور دوسری طرف کرن جوان کے بہن کی بیٹی ہے اسے کیسے آذر کے ساتھ ان بے تکلفی سے بات کرنے اور پھر ڈنر پر جانے کی اجازت دے

رہی تھیں، آذر الجھ کر رہ گیا مگر جلد ہی اس نے لاپرواہی سے اپنا سر جھٹکا۔

''سوری! میں آپ کے ساتھ نہیں جا سکتا، میں اس طرح کی بے تکلفی پسند نہیں کرتا۔''

''اوہ اور رمی آپ کے کمرے میں بلا اجازت جب چاہے گھس جائے، آپ کے کمرے کی سیٹنگ تبدیل کرتی پھرے آپ کے ساتھ گھومے پھرے اور آپ اسے کالج ڈراپ کرنے جائیں تو تب آپ کو برا نہیں لگتا۔'' کرن نے استہزائیہ انداز میں کہا، آذر کا دل چاہا اپنا سر پیٹ لے، اس الٹرا ماڈرن فیشن کی دلدادہ لڑکی کا رمی کی معصومیت سے کیا مقابلہ۔

''مس کرن! آپ حد سے بڑھ رہی ہیں میں آپ کے مہمان ہونے کا لحاظ کر رہا ہوں اس کا مطلب یہ نہیں کہ آپ بلا سوچے سمجھے جو چاہے بکواس کرتی جائیں، رہی رمی کی بات تو اس کا آپ سے کوئی مقابلہ نہیں وہ میری ماموں زاد اور میری دوست ہے ہمارا بچپن ایک ساتھ گزرا ہے جبکہ آپ میری کزن کی کزن اور بس...... آپ کا مجھ سے بے تکلفی کا کوئی تعلق نہیں، آئندہ کبھی بھی رمی کو اپنے آپ سے کمپیئر مت کیجئے گا اور ہاں اب آپ جا سکتی ہیں مجھے اپنے آفس کا بہت کم کرنا ہے۔'' یہ کہہ کر آذر لیپ ٹاپ کی طرف متوجہ ہو گیا، سونے کا ارادہ تو اس لڑکی کی بے سروپا باتوں کی وجہ سے ملیا میٹ ہو گیا تھا، کرن اپنی اتنی بے عزتی پر کھول کر رہ گئی۔

''ارے کیا ہوا؟ سوئیٹ ہارٹ اتنے غصے میں کیوں ہو؟ تم تو آذر کے ساتھ ڈنر پر جانے والی تھی ناں۔'' مسز جہانگیر نے کرن کو لاؤنج میں اِدھر اُدھر پاؤں پٹختے دیکھا تو وہیں چلی آئیں۔

''بس خالہ جانی رہنے دیں، نہ جانے یہ آذر اپنے آپ کو سمجھتا کیا ہے؟ پورے خاندان

کے لڑکے میری ایک نگاہ التفات کو ترستے ہیں اور آفس میں بھی سب میرا دم بھرتے ہیں، میں جس سے بات کرلوں وہ اپنی خوش نصیبی سمجھتا ہے اور یہ آذر...... ہے کیا؟ آپ کے سہارے پر پلنے والا، اللہ نے ذرا سی اچھی شکل اور ذہانت کیا دے دی؟ محترم کے پاؤں ہی زمین پر نہیں ٹکتے، پچھلی بار بھی چھٹیوں میں اس نے میری انسلٹ کی تھی اور آج بھی آپ کے کہنے پر اس کے پاس تمام رنجشیں بھلا کر گئی، مگر نواب صاحب کے مزاج ہی نہیں مل رہے۔'' کرن کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ اپنی بے عزتی پر آذر کو خوب کھری کھری سنائے صرف خالہ کی وجہ سے وہ لحاظ کر گئی تھی۔

''ارے مائی چائلڈ! تمہیں تو آذر کے مزاج کا شروع سے ہی پتہ ہے تمہارے انکل اور رمی کے ساتھ ساتھ خاندان والوں نے بھی اس کی تعریفیں کر کے سر پر چڑھایا ہوا ہے تمہیں اس کے اس غرور کو توڑنا ہے، تم نہیں جانتی کرن، میں جب بھی اس کو دیکھتی ہوں تو اس کی ماں کا چہرہ نظروں کے سامنے آ جاتا ہے تمہارے مرحوم ماموں یعنی میرے بھائی کے ساتھ اس نے شادی سے انکار کر کے بے عزتی کی تھی مانا کہ وہ تھوڑا بگڑا ہوا تھا مگر جوانی میں سارے لڑکے ایسے ہی ہوتے ہیں، میری تو شدید خواہش ہے کہ امجد بھائی کے بیٹے راحیل سے رمی کی شادی ہو اور ہاں، آذر کو تم معمولی انسان مت سمجھو، اپنا بزنس ہے، اس کا باپ بہت کچھ چھوڑ کر مرا ہے بس ایک بار اپنے حسن اور اداؤں کے جال میں اس کو پھنسا لو پھر آذر کے ساتھ ساتھ اس کی دولت بھی تمہاری ہوگی اور پھر رمی کا رشتہ راحیل کے ساتھ طے کر دوں گی، بس مجھے تمہارے تعاون اور صبر کی ضرورت ہے۔'' مسز جہانگیر نے اپنی ساڑھی کا پلو درست کرتے کرن کو اپنے منصوبے سے آگاہ کیا تو کرن ان کی دور اندیشی کی قائل ہوگئی۔

''واقعی آذر جیسا ہینڈسم، پڑھا لکھا اور ذہین نوجوان تو پورے خاندان میں نہیں تھا اور پھر صاحب حیثیت اس کی اضافی خوبی تھی۔'' کرن کی آنکھیں ایک نئے عزم اور حوصلے سے چمکنے لگیں۔

''لیکن خالہ جانی مجھے کیا کرنا ہوگا؟ وہ آذر تو رمی کے علاوہ کسی کو گھاس ہی نہیں ڈالتا۔'' کرن نے بے چارگی سے کہا۔

''بس میں جیسا کہوں، ویسا کرتے جاؤ، انشاء اللہ اس بار جیت ہماری ہوگی۔'' مسز جہانگیر نے اس کا شانہ تھپتھپایا۔

☆☆☆

اگلے دن اتوار تھا حسب توقع مسز جہانگیر بھی گھر پر تھیں اور رامین اور کرن کے ساتھ ناشتہ کر رہی تھیں، رمی آج بہت خوش تھی کافی دنوں بعد وہ اس طرح ماما کے ساتھ ناشتہ انجوائے کر رہی تھی، اتنے میں آذر بھی عجلت بھرے انداز میں زینے اترتا نظر آیا، اس کے لباس سے اٹھتی کلون کی مہک نے کرن کو اپنے حصار میں لے لیا وہ اس کی طرف بے باک نظروں سے دیکھنے لگی۔

''السلام علیکم مامی!'' آذر نے کرن کو نظر انداز کر کے انہیں سلام کیا، ہمیشہ کی طرح مسز جہانگیر نے سر ہلانے پر ہی اکتفا کیا۔

''ارے رمی! کہاں کی تیاری ہے؟ تم کہیں جا رہی ہو؟'' اس نے اب رمی کو بھرپور نظروں سے دیکھا جو پنک اور سلور ایمبرائڈری کے کاٹن سوٹ میں نکھری نکھری سیدھا اس کے دل میں اتر رہی تھی۔

''ہاں وہ آج ماما اور کرن نے شاپنگ کا پروگرام بنایا ہے۔'' رمی نے فریش جوس کا گلاس اس کی طرف بڑھاتے ہوئے جواب دیا۔

''ہوں، مگر آج تو میرا بیڈ منٹن کا میچ تھا سوچا تمہیں بھی ساتھ لیتا چلوں، تمہیں تو پتہ ہے ناں میری جیت کے لئے تمہاری حوصلہ افزائی کتنی ضروری ہے؟'' آذر نے جوس پینے کے ساتھ ساتھ اخبار پر بھی سرسری نظر ڈالی اس کی بات پر مسز جہانگیر کے ساتھ ساتھ کرن بھی پیچ و تاب کھا کر رہ گئی، کرن کو اپنے دل میں حسد کی چنگاری محسوس ہوئی جس میں اس کے ارمان بھسم ہو گئے تھے۔

''پھر ایسا کرتے ہیں ہم میچ دیکھنے چلتے ہیں شاپنگ کا پروگرام پھر کسی روز رکھ لیتے ہیں کیوں خالہ جانی آپ کو اعتراض تو نہیں؟'' کرن نے اپنی حاسدانہ سوچ پر قابو پاتے لہجے کو خوشگوار بناتے مسز جہانگیر سے بھی تائید لینی چاہی۔

''لیکن وہاں صرف ایک ہی سیٹ رمی کے لئے ریزرو کروائی ہے ایسا کریں میری وجہ سے آپ لوگ اپنا پروگرام کینسل نہ کریں۔'' آذر نے کرن کے منصوبے پر پانی پھیرتے ہوئے جواب دیا۔

''ارے نہیں آذر مجھے تو شاپنگ کا کوئی ایسا کریز نہیں، آپ کا میچ میں کیسے مس کر سکتی ہوں؟ اتنے دنوں بعد تو آپ کھیل رہے ہیں ایسا کرتے ہیں ماما اور کرن شاپنگ پر چلے جاتے ہیں اور میں آپ کے ساتھ آپ کا میچ دیکھنے، آخر میری دعاؤں کے بغیر آپ کیسے جیت سکتے ہیں۔'' رمی نے معصومیت سے فرضی کالر کھڑے کرتے ہوئے کہا۔

''او کے چلو پھر میں باہر تمہارا ویٹ کر رہا ہوں، تم ناشتہ ختم کر کے جلدی آؤ۔'' اس سے پہلے کرن مزید کچھ کہتی مسز جہانگیر نے اسے آنکھ کے اشارے سے منع کیا اور رمی نے ان کے پیشانی پر بوسہ دیتے باہر کی طرف قدم بڑھائے جہاں آذر مسلسل ہارن دے رہا تھا۔

''خالہ جانی یہ آپ نے کیا کیا؟ اچھا خاصا موقع مل رہا تھا مجھے آذر کے ساتھ وقت گزارنے کا مگر آپ نے اس طرح مجھے روک کر اور رمی کو جانے کی اجازت دے کر بہت بڑی غلطی کی ہے اس طرح تو میں کبھی بھی آذر کے دل میں اپنی جگہ نہیں بنا سکوں گی۔'' کرن نے غصے سے بل کھاتے ہوئے کہا۔

''ارے میں نے کہا ناں، موقع محل دیکھ کر تھوڑا صبر و تحمل کی ضرورت ہے تمہیں پہلے رمی کو آذر کی طرف سے بدگمان کرنا ہوگا جب وہ اس سے دور ہو گئی تو تمہارا راستہ خود بخود بنتا چلا جائے گا۔'' کرن نے ناسمجھی سے ان کی طرف دیکھا مگر کچھ بھی کہے بغیر اپنے کمرے کی طرف چلے گئی اب اس کا شاپنگ پر جانے کا بالکل موڈ نہیں تھا، اسے رمی اپنے خوشیوں کے راستے کی سب سے بڑی رکاوٹ لگ رہی تھی مگر خالہ کے سامنے اس کے خلاف کچھ کہہ کر وہ انہیں خود سے متنفر نہیں کرنا چاہتی تھی بہر حال ان کے ساتھ دیئے بغیر وہ آذر کو کبھی بھی نہیں پا سکتی تھی۔

حسب توقع میچ آذر ہی جیتا تھا اسی خوشی میں اس نے واپسی پر رمی کو گول گپے اور اس کی فیورٹ ونیلا آئسکریم کھلائی!

''آذر کل مائرہ کی کال آئی تھی، ایف ایم پر نئے آر جے ایس کے لئے آڈیشن ہے پلیز آج پاپا اور ماما سے ضرور بات کرلیں تاکہ میں کل مائرہ کے ساتھ آڈیشن دے سکوں۔'' گھر واپسی پر اس نے آذر کو اپنا وعدہ یاد دلایا، گھر آ کر آذر فریش ہونے چلا گیا جبکہ رمی جہانگیر صاحب کو کال کرنے لگی۔

''ہیلو! السلام علیکم پاپا، کیسے ہیں آپ؟''

''ارے میرا بیٹا، آپ کیسی ہو؟ ماما ٹھیک

ہے ناں اور اسٹڈی کیسی چل رہی ہے؟'' جہانگیر صاحب نے رمی کی چہکتی آواز سن کر خوشی سے پوچھا۔

''پاپا یہاں سب خیریت سے ہیں اور پڑھائی بھی اے ون جا رہی ہے مجھے اس مضمون میں بہت مزا آ رہا ہے لیکن I miss you papa آپ واپس کب آئیں گے؟'' رمی نے آخر میں اداس ہوتے ہوئے پوچھا۔

''انشاء اللہ اس سال عید میں تم لوگوں کے ساتھ کروں گا۔''

''اوہ Really papa میں ابھی ماما کو جا کر یہ خوشخبری سناتی ہوں جب تک آپ آذر سے بات کریں۔'' اس نے اپنی طرف آتے آذر کی طرف فون تھمایا اور عجلت میں مسز جہانگیر کے کمرے کا رخ کیا، آذر اس کی جلد بازی پر مسکرا کر رہ گیا، پھر جہانگیر صاحب سے خیریت دریافت کرنے کے بعد اس نے رمی کے ایف ایم ریڈیو جوائن کرنے پر انہیں قائل کر ہی لیا۔

''ٹھیک ہے بیٹا، جیسے تمہاری اور رمی کی خوشی، بس مجھے تم پر اعتبار ہے تم کبھی میری بیٹی کے لئے غلط فیصلہ نہیں کرو گے مگر وہ ابھی بہت معصوم ہے، تم خود اسے آڈیشن کے لئے لے کر جانا اور اگر اس کا انتخاب ہو جاتا ہے تو اسے لانے اور لے جانے کی ذمہ داری بھی تمہاری ہو گی باقی تمہاری مامی سے میں خود بات کرلوں گا مجھے امید ہے انہیں کوئی اعتراض نہیں ہو گا Best of luck میرے بچے۔'' یہ کہہ کر جہانگیر صاحب نے سلسلہ منقطع کر دیا۔

رمی تو پاپا کے مان جانے پر خوشی سے پھولے نہیں سما رہی تھی اور جب ماما نے بھی اسے اجازت دی تو اسے یقین ہی نہیں آیا۔

''رمی ڈیئر! تمہاری ماما تمہاری دشمن نہیں ہیں مجھے تمہاری خواہش سب سے زیادہ عزیز ہے اور ایف ایم ریڈیو جوائن کرنے میں کوئی عار نہیں بلکہ اس طرح لڑکیوں میں خود اعتمادی اور گفتگو کا سلیقہ آتا ہے اچھا ہے تم اس طرح آذر کے علاوہ خود سے بھی کوئی فیصلہ کرنے کے قابل ہو سکو گی Wish you best of luck میری جان!'' مسز جہانگیر نے اسے گلے لگاتے ہوئے کہا، ہمیشہ کی طرح آذر کے خلاف ماما کا رویہ اسے اچھا تو نہیں لگا لیکن وہ ماما کا موڈ خراب نہیں کرنا چاہتی تھی لہٰذا خاموشی سے ان کو سنتی رہی۔

''Ok love you mama دعا کیجئے گا مائرہ اور میرا آڈیشن کامیاب ہو جائے۔''

☆☆☆

اگلے دن اس کا آڈیشن تھا آذر اسے خود لے کر ریڈیو اسٹیشن گیا تھا، وہ بہت گھبرا رہی تھی وہاں کافی لڑکے اور لڑکیاں آڈیشن کے لئے آئے ہوئے تھے جو اپنے حلیے اور باتوں سے کافی بولڈ اور پر اعتماد لگ رہے تھے، لیکن آذر کی حوصلہ افزائی اور تسلی سے اس نے آڈیشن دیا جو کافی اچھا ہو گیا تھا، مائرہ اور اسے امید تھی کہ ان کی سلیکشن ہو جائے گی اور پھر ایک ہفتے بعد ہی ان دونوں کو کال آ گئی تھی شام تین بجے سے پانچ تک ہفتے اور پیر کو Smile & dial نامی شو ان دونوں نے مل کر کرنا تھا اس سے پہلے وہاں ان دونوں کو ٹریننگ دی گئی ایف ایم کے ایڈمن سر عادل اور باقی عملہ کافی معاون اور خوش اخلاق تھا، ان دونوں کو یقین ہی نہیں آ رہا تھا کہ جن آر جے ایس کی وہ دیوانی تھیں ان کی آواز اور لہجے کو رشک سے سنا کرتی تھیں اب ان کے ساتھ جونیئرز آر جے ایس کے طور پر شوز کریں گی، آذر قدم قدم پر ان کا رہنما تھا، وہاں ایف ایم پر اس کا ایک دوست بھی پروڈکشن منیجر تھا جس کی وجہ سے ان

دونوں کو کافی سپورٹ ملی اور یوں پہلا شو ہوا کے دوش پر آن ائیر ہوا جس نے سامعین کی سماعتوں میں رس گھول دیا جلد ہی ان کے شو کو نوجوانوں میں کافی مقبولیت حاصل ہوئی، اب رمی کافی مصروف ہوگئی تھی صبح کالج، شام میں ایف ایم اس طرح آج کل اسے گھر میں ہونے والی سازشوں کا پتہ نہیں چل رہا تھا، کرن نے کئی بار آذر کو اپنی طرف مائل کرنے کی کوشش کی مگر کبھی وہ اسے ڈانٹ دیتا اور کبھی مامی کی بھانجی سمجھ کر اس کی بے باکی کو نظر انداز کر دیتا، آج بھی صرف وہ مامی کے پرزور اصرار پر ان کے لحاظ اور مروت میں کرن کو سی ویو لے کر آیا تھا مگر اس کے ڈیپ گلے اور سلیولیس آستین سے اسے الجھن ہو رہی تھی، کئی لوگوں کو وہ اپنے حسن اور اداؤں کی نمائش کے لئے کھلی دعوت دے رہی تھی کئی من چلے جملے اچھالتے اس کے پاس سے گزر رہے تھے، مگر اس لڑکی کو قطعی پرواہ نہیں تھی اسے تو بس اس بات کی خوشی تھی کہ بالآخر آج آذر کی سنگت میں سفر کرنے کی آرزو پوری ہوگئی۔

"مس کرن! آئندہ اگر میرے ساتھ اس طرح باہر آنے کا ارادہ ہو تو پلیز شریف لڑکیوں والا لباس زیب تن کیجئے گا مجھے شرم و حیاء سے عاری لڑکیاں قطعی ناپسند ہیں رمی کو ہی دیکھ لیں آپ سے کتنی چھوٹی ہے اور بقول آپ کے ناسمجھ، مگر اس کا لباس ہمیشہ نفیس اور پروقار ہوتا ہے، کم از کم اس سے ہی کچھ سیکھ لیں۔" آذر نے کرن کو اچھا خاصا سنا کر رکھ دیا جس پر کرن بلبلا کر رہ گئی اس کا سارا موڈ رمی کے ذکر پر غارت ہوگیا تھا۔

"اوہ کم آن آذر ہر وقت اس اسٹوپڈ لڑکی سے مجھے کمپیئر نہ کیا کرو، وہ تو کہیں سے بھی خالہ جانی کی بیٹی نہیں لگتی، خالہ جانی کتنی ماڈرن، بولڈ اینڈ سوشل ہے اور ایک وہ رمی جسے فیشن کا کوئی سینس ہی نہیں ہونہہ۔" آذر نے اس سے بحث کرنا مناسب نہیں سمجھا ویسے بھی کچھ لوگوں کی عقل پر پردے پڑے ہوتے ہیں جنہیں وقت کی کوئی کاری چال ہی ہٹا سکتی ہے، پھر کرن کے نہ نہ کرنے کے باوجود جلد ہی واپسی کی راہ لی، جس کی وجہ سے کرن کا موڈ بدستور خراب تھا جبکہ مسز جہانگیر کسی پارٹی میں گئی ہوئی تھیں، آذر نے کمرے میں آکر اپنے دکھتے سر کو دبایا، اس بے تکی لڑکی کی باتوں سے سر درد سے پھٹ رہا تھا پھر اسے رمی کا خیال آیا تو اس کے سلگتے بلکتے دل میں اس کا معصوم پری پیکر ٹھنڈی میٹھی پھوار بن کر اترا، اس نے کچھ سوچ کر ایف ایم آن کیا جہاں اس کی نرم میٹھی آواز جادو جگا رہی تھی وہ مسکرا کر اس کی دلفریب آواز کے سحر میں کھو گیا، اس کے شو میں کافی کالرز، کالز اور ایس ایم ایس کے ذریعے شاعری سنا رہے تھے نہ جانے آذر کے دل میں کیا سمائی اس نے بھی ایک خوبصورت شعر اپنے نام کے ساتھ سینڈ کر دیا جسے، اب رمی اپنی خوبصورت گمبھیر دل کو چھو لینے والی آواز میں پڑھ رہی تھی، آذر کے دل کی دھڑکن ایک نئی لے پر شور مچانے لگیں۔

باتیں تیری الہام جادو تیری آواز
رگ رگ میں اترتی ہوئی خوشبو تیری آواز

شعر کے آخر میں آذر کا نام پڑھ کر اس کی آنکھیں حیرت و خوشی سے پھٹ گئیں، آذر بند آنکھوں سے اس کی حیران ساحر آنکھوں کی کیفیت کا اندازہ لگا کر مسکرا دیا۔

☆☆☆

دن اسی طرح پر لگا کر اڑتے چلے گئے اب آذر کا بزنس کافی سیٹ ہو چکا تھا اس نے رمی کے نام پر ایک اپارٹمنٹ بھی خرید لیا تھا وہ کئی بار تصور کی آنکھ سے اس گھر میں رمی کو کبھی کچن میں اس

کے لئے کافی بناتے کبھی لاؤنج میں گپ شپ لگاتے دیکھ چکا تھا، اس نے پکا ارادہ کرلیا تھا کہ اس بار ماموں وطن واپس لوٹے تو وہ ہمیشہ کے لئے رمی کا ساتھ ماموں سے مانگ لے گا اسے یقین تھا ماموں کو کوئی اعتراض نہیں ہوگا اور ماموں کے آگے مامی کی کبھی نہیں چل سکے گی وہ اپنے فیصلے پر بہت مطمئن تھا اس نے سوچا جب وہ رمی سے اپنی محبت کا اظہار کرے گا تو اس کا ردعمل کیسا ہوگا، یہ سب سوچتے وہ نیند کی وادی میں چلا گیا جہاں رمی بھی اس کی ہمسفر تھی، مگر اسے نہیں معلوم تھا کہ ابھی تقدیر نے اس کی محبت اور خوشی کا امتحان لینا ہے۔

☆☆☆

آذر ایک ہفتے کے لئے اسلام آباد بزنس ٹور پر گیا ہوا تھا رمی کے فائنل امتحانات ختم ہو چکے تھے، جس کی وجہ سے وہ آج کل گھر میں فراغت کے مزے لوٹ رہی تھی آج بھی وہ صبح ناشتے کے بعد لان میں پائپ لگا کر پودوں کو پانی دے رہی تھی کہ اسی وقت کرن ریڈ ٹی شرٹ اور جینز میں اس کے پاس آئی، عام سے گھریلو حلیے میں اپنے کرلی بالوں کو اونچی سی پونی ٹیل بنائے دوپٹہ کمر کے گرد لپیٹے پودوں کو پانی دیتی رمی کو کرن غور سے دیکھے گئی۔

''آخر اس لڑکی میں ایسی کیا خاص بات ہے؟ جس نے آذر جیسے ذہانت و جاہت سے بھرپور شخص کو اپنا گرویدہ بنائے رکھا ہے۔'' کرن نے نخوت سے ناک چڑھاتے سوچا۔

''صبح بخیر کرن! کیسی ہیں آپ؟ بور تو نہیں ہو رہیں؟'' رمی نے آداب میزبانی نبھائی اسے اپنی یہ نک چڑی سی کزن کچھ خاص پسند نہیں تھی ابتداء میں اس نے اپنی دوستانہ فطرت سے مجبور ہو کر کرن کی سے دوستی کرنی چاہی مگر اس کی لاتعلقی اور بے نیازی کی وجہ سے پیچھے ہٹ گئی ویسے بھی آذر اور مائرہ کے علاوہ اسے کسی خاص دوست کی ضرورت نہیں تھی۔

''ہوں، جب آذر یہاں تھا تو بالکل بور نہیں ہو رہی تھی مگر اب...... خیر تمہیں پتہ ہے رمی؟ آذر مجھے سی ویو لے کر گیا تھا وہاں ہم نے ایک ساتھ خوب انجوائے کیا واپسی میں میرے منع کرنے کے باوجود آذر نے ڈنر کروایا، شاپنگ کروائی سچ He is a nice man۔'' کرن نے مبالغہ آرائی کی حد کردی تھی رمی کو اس کی بات پر اچنبھا ہوا کیونکہ وہ کئی بار کرن کے ساتھ آذر کی بے نیازی اور لیا دیا انداز دیکھ چکی تھی تاہم اپنی ازلی سادگی کے تحت اس نے کوئی خاص ردعمل کا اظہار نہیں کیا کرن جو بغور اس کے چہرے کا جائزہ لے رہی تھی، اسے خاصی مایوسی ہوئی۔

''گڈ اچھی بات ہے میں تو پچھلے دنوں بہت مصروف تھی آپ بھی اپنی آفس ورک کی وجہ سے کافی تھک جاتی ہوں گی چلیں اچھا ہوا آذر نے میری جگہ آپ کو کمپنی دے دی وہ ہے ہی اتنے اچھے سب کا خیال رکھنے والے اور آپ تو میری کزن ہیں میری وجہ سے انہوں نے آپ کا خیال رکھا مجھے خوشی ہوئی۔'' رمی نے سادگی سے جواب دیا جس پر کرن اندر ہی اندر پیچ و تاب کھا کر رہ گئی وہ تو سمجھ رہی تھی کہ اسے یہ سن کر جیلسی ہوگی وہ آذر سے بدگمان ہو کر اس سے ناراض ہو جائے گی مگر یہاں تو پانسہ ہی پلٹ گیا تھا وہ بدمزہ سی ہو کر اندر بڑھ گئی، رمی نے کندھے اچکا کر دوبارہ پودوں کی طرف توجہ کرلی۔

☆☆☆

''آج میری سالگرہ ہے مائرہ نے مجھے وش کیا، پاپا نے بھی گفٹ بھیجے یہاں تک کہ ماما اور کرن نے بھی اپنی مصروفیت سے وقت نکال کر

مجھے وش کیا، ماما نے میری پسند کا کیک بیک کیا مگر آذر میرا اتنا اہم دن بھول گئے، ایسا کیسے ہو سکتا ہے؟ میری معمولی معمولی باتوں کو یاد رکھنے والے آج میری برتھ ڈے بھول گئے، کیا آذر واقعی بدل رہے ہیں؟ کیا واقعی وہ کرن کی طرف متوجہ ہو رہے ہیں؟'' یہ سب سوچ کر رمی کے دل کو کچھ ہوا، وہ خود اپنی بدلتی کیفیت نہیں سمجھ پا رہی تھی کل سے کرن کی باتیں دل و دماغ میں ہلچل مچا رہی تھیں اور آج آذر کا اس طرح اس کی برتھ ڈے بھول جانا، اس کی آنکھوں میں نمکین پانی اتر آیا، وہ بار بار بے چینی سے سیل فون چیک کر رہی تھی کہ شاید اس کی کوئی وش آئی ہو، اس کے Listeners نے بھی اسے شو میں وش کیا تھا، ایف ایم کی پوری ٹیم نے اس کے لئے سرپرائز پارٹی رکھی تھی وہ بے دلی سے سب کی مبارکباد وصول کر رہی تھی اور شو میں آنے والے ایس ایم ایس پڑھ رہی تھی جو زیادہ تر آج اس کے سالگرہ کے حوالے سے تھی، مائرہ اس کی کیفیت کو نوٹ کر رہی تھی مگر خاموشی سے سب ملاحظہ کر رہی تھی، اسی طرح ایس ایم ایس پڑھتے پڑھتے اچانک اس کی نظریں سامنے اسکرین پر جگمگانے والے ایس ایم ایس پر جم کر رہ گئی، جسے مائرہ نے بڑے چہکتے ہوئے انداز میں پڑھا۔

چاند تاروں کا نور تجھ پر برسے
ہر کوئی تیری چاہت کو ترسے
تیری زندگی میں آئے اتنی خوشیاں
کہ توں ہر غم پانے کو ترسے
آمین

''From your azer۔''

''دیکھا آذر بھائی نے تمہیں سرپرائز وش کیا، کتنا خوبصورت دعائیہ شعر تھا؟ تم صبح سے بلاوجہ ان کی طرف سے متنفر ہو رہی تھی۔'' مائرہ نے پروگرام کے اختتام پر اسے ڈپٹا وہ بھی ہنس دی اس کی آذر کے ساتھ خود ساختہ ناراضگی ختم ہو گئی تھی پھر اس کی کال بھی آ گئی۔

''رمی بھلا ایسے کیسے ہو سکتا ہے کہ میں تمہاری سالگرہ بھول جاؤں بس جناب ہم نے سوچا اس بار میں بھی ذرا نئے انداز سے تمہیں وش کروں۔''

''اوہ Thank you، I am so happy مجھے آپ کا یوں منفرد انداز میں وش کرنا بہت اچھا لگا۔'' رمی نے چہکتے ہوئے کہا، دل و دماغ پر چھائے یاسیت کے بادل چھٹ چکے تھے۔

''پاگل لڑکی! مجھ سے کبھی بدگمان مت ہونا اور سنو! آج تیار رہنا میں رات آٹھ بجے تک گھر پہنچ جاؤں گا پھر تمہیں ڈنر پر لے کر چلوں گا تمہارے لئے ایک سرپرائز بھی ہے، مامی کو میں نے پہلے ہی اطلاع کر دی ہے۔'' وہ بہت خوش تھی سرپرائز کا سوچ کر اسے تجسس ہو رہا تھا اس کا دل کہہ رہا تھا آج اس کی زندگی میں کچھ انہونی ہونے والی ہے، اس نے آذر کے پسندیدہ رائل بلو کلر کا سوٹ زیب تن کیا جو پاپا نے اس کی سالگرہ پر گفٹ کیا تھا، کانوں میں سلور آویزے اور میک اپ کے نام پر صرف آئی لائنر اور پنک لپ گلوس لگایا پاؤں میں رائل بلو اور سلور اسٹریپ والی سینڈل پہنی جو اس کے سفید کبوتر جیسے پیروں میں سج گئی اتنی سی تیاری پر ہی اس کی چھب نرالی تھی مسز جہانگیر نے اس کی نظر اتاری اسے تھوڑی حیرت ہوئی کہ آج آذر کے ساتھ ڈنر پر جانے پر ماما کا موڈ حسب خلاف خوشگوار تھا مگر اس خوشی کے موقع پر اس نے زیادہ گہرائی میں جانا ضروری نہیں سمجھا، کرن کی آج کوئی بزنس میٹنگ تھی وہ اسے وش کر کے جا چکی تھی، وہ آج کا دن بہت ہی

خوشگوار انداز میں منانا چاہتی تھی، اسی وقت آذر کی کال آنے لگی کہ وہ باہر اس کا انتظار کر رہا ہے، وہ ماما کو عجلت میں بتا کر باہر آ گئی، آج پورے ایک ہفتے بعد وہ آذر کو روبرو دیکھ کر کھل کر مسکرا دی، پھر آذر اسے پی سی لے آیا، جہاں پہلے ہی سیٹ Reserve تھی ہوٹل کے پر سکون ماحول میں ہلکی موسیقی کے ساتھ سب کچھ بہت خواب ناک لگ رہا تھا پہلے آذر کا آرڈر کیا گیا چاکلیٹ کیک سرخ ربن میں لپٹے کاٹا جس میں جلتی شمعیں اس کے دل اور آنکھ کو بھی روشن کر رہی تھیں اس کے بعد آذر نے رمی کی پسند کا ڈنر آرڈر کیا، اب آذر بڑی فرصت سے کرسی سے ٹیک لگائے اسے دیکھ رہا تھا، آج رمی کو اس کی نظروں میں کچھ انہونے جذبے رقص کرتے محسوس ہو رہے تھے اس نے اپنی دل کی دھڑکن پر قابو پاتے بمشکل اس کی طرف نظر اٹھا کر دیکھا۔

''کیا ہوا؟ ایسے کیوں دیکھ رہے ہیں؟ کیا نظر لگائیں گے؟'' آذر اس کی بات پر مسکرا دیا اور تھوڑا سا کہنی کے بل اس کی طرف جھکا۔

''دیکھ رہا ہوں آج میری رمی کتنی بڑی ہو گئی؟ وہ رمی جو میری انگلی پکڑ کر چلتی تھی ماشاء اللہ آج گریجویٹ ہو گئی ایف ایم کی معروف آر جے جس کے اتنے سارے فین ہیں اور وہ مجھ غریب کو ڈنر کے لئے اعزاز بخش رہی ہے۔'' آذر نے اپنے مخصوص دھیمے انداز میں بات شروع کی تا کہ رمی کا اعتماد بحال ہو سکے۔

''جی نہیں ایسی کوئی بات نہیں آج میں جو کچھ بھی ہوں صرف اور صرف پاپا کی سپورٹ اور آپ کی رہنمائی کی وجہ سے ہوں میں چاہے کتنی بھی مشہور ہو جاؤں مگر آپ کے لئے وہی نادان سی رمی رہوں گی جو ہر بات اور ہر مشورہ آپ سے کرنے کی عادی ہے جو آپ کے بغیر زندگی میں ایک قدم بھی آگے نہیں بڑھ سکتی۔'' رمی نے ایک جذب کے عالم میں جواب دیا آذر اسے دیکھے گیا، خوشگوار ماحول میں دونوں نے ڈنر کیا۔

''رمی!'' آج آذر کی پکار میں کچھ انوکھا پن تھا۔

''جی!'' رمی بس اتنا ہی کہہ سکی۔

''رمی! میں نے اپنے بچپن میں ماں باپ کا پیار نہیں دیکھا، تمہیں معلوم ہے؟ میرے والدین کا روڈ ایکسیڈنٹ میں انتقال ہو گیا تھا اس وقت میں صرف چھ برس کا کم سن بچہ تھا سب لوگ رو رہے تھے میری طرف ترس بھری نگاہ سے دیکھ رہے تھے، بابا اور ماما آنکھیں بند کیے لیٹے تھے نہ ماما مجھے کہانی سنا رہی تھی انہوں نے مجھے تو ڈلز بھی بنا کر نہیں دیئے اور بابا، انہوں نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ اپنے دوست کے گھر واپسی پر ماما کے ساتھ میرے لئے سائیکل لے کر آئیں گے میں بہت خوش تھا مجھے بے صبری سے اپنی نئی بائی سائیکل کا انتظار تھا جس میں Riding کر کے میں اپنے دوستوں میں شو مار سکوں مگر میرا خواب چکنا چور ہو گیا بابا اور ماما زخموں سے چور پٹیوں میں جکڑے گھر آئے پھر آہستہ آہستہ لوگ جمع ہونا شروع ہو گئے پھر انہیں میرے سامنے سفید کپڑوں میں لے گئے میں روتا رہا، آوازیں دیتا رہا مگر انہوں نے آنکھیں نہیں کھولی میں کبھی اکیلے نہیں سویا تھا، مجھے اندھیرے سے ڈر لگتا تھا لیکن وہ تاریک رات میری زندگی کی بدترین رات تھی جو میرے ماما، بابا کے ساتھ ساتھ میری خوشیوں کو نگل گئی میں اس دن ڈرا سہما روتا رہا مگر ماما مجھے سلانے کے لئے نہیں آئیں نہ ہی بابا نے مجھے ماتھے پر پیار کر کے شب بخیر کہا، پھر دوسرے دن تمہارے پاپا یعنی میرے ماموں آ گئے انہوں نے میرے ڈرے سہمے وجود کو اپنے گلے سے لگایا

میرے چہرے پر بوسہ دیا ویسا ہی بوسہ جیسے بابا دیا کرتے تھے ان کی آنکھوں سے اشک رواں تھے۔''

''آذر بیٹے آپ تو بہت بہادر ہو، آپ کے ماما اور بابا تو جنتی تھے اللہ ان سے بہت خوش تھا اس لئے انہوں نے اپنے پاس بلا لیا اب وہ جنت میں پری اور شہزادہ بن کر رہ رہے ہیں فرشتے انہیں جھولا دیتے ہیں، وہ آپ سے خواب میں ملنے آئیں گے مگر آپ روؤ گے تو وہ آپ سے ناراض ہو جائیں گے پھر کبھی آپ سے ملنے نہیں آئیں گے۔'' میں نے ماموں کی بات پر ان کی طرف دیکھا۔

''میں رونا بھول گیا تھا کیونکہ مجھے اپنے ماما اور بابا سے ملنا تھا، پھر ماموں مجھے اپنے گھر لے کر آ گئے ماموں نے مجھے ہمیشہ بابا جیسا پیار دیا میں نے مامی کے بہت قریب ہونے کی کوشش کی مگر وہ مجھ سے خود ساختہ نفرت کرتی رہیں جب انہوں نے میری ماما کے بارے میں فضول باتیں کی تو وہ مجھے بالکل اچھی نہیں لگی، میرا دل چاہتا کہ میں اپنے ماما اور بابا کے گھر واپس چلا جاؤں ان کی تصویر سے لپٹ کر روؤں، اتنا روؤں کہ وہ واپس آ جائیں لیکن ماموں نے مجھے رونے سے منع کیا تھا کہ اس طرح ماما، بابا ناراض ہو جائیں گے پھر ایک دن ماموں نے بتایا کہ اللہ نے ان کے گھر میرے لئے ایک پیاری سی ننھی پری بھیجی ہے جس کے ساتھ تم کھیلنا، باتیں کرنا، اس طرح میں تم پر اپنا حق سمجھنے لگا اب مامی کی باتیں بری ہیں لگتی تھیں میں اسکول سے آنے کے بعد سارا وقت تمہارے ساتھ گزارتا، میرا دل چاہتا تم میری باتوں کا جواب دو، جب تم قلقاریاں مار کر ہنستی مجھے تم پر بہت پیار آتا میں اپنی چاکلیٹ، کھلونے سب تمہارے لئے لے کر آتا، جب تم نے پہلی بار اپنی توتلی زبان سے مجھے ''آذر'' کہا وہ دن میرے لئے بہت ہی خوبصورت تھا پھر تم نے میرے ساتھ پہلا قدم اٹھایا، مامی اکثر ناراض ہوتیں انہیں ڈر لگتا میں تمہیں گرا دوں گا مگر تم تو اللہ کی طرف سے میرے لئے پیارا سا تحفہ تھی میں تمہیں کیسے گرنے دیتا؟ اور پھر میں تمہارا ہمدم، تمہارا دوست اور ہم راز بن گیا اور وقت کے ساتھ ساتھ یہ دوستی، محبت جیسے آفاقی جذبے سے آشنا ہو گئی، مگر مجھے ڈر لگتا تھا، لہٰذا میں نے تم پر کبھی اپنی محبت ظاہر نہیں کی میں بہت محتاط رہنے لگا، مگر جتنا اس جذبے کو دبانے کی کوشش کرتا اتنا ہی محبت اپنی تمکنت کے ساتھ میرے دل کے ایوان پر براجمان ہو جاتی بالآخر میرا دل تمہاری محبت کے آگے ہار گیا۔'' رمی جو اس کی باتیں سحر زدہ سی کیفیت میں سن رہی تھی اس کے دکھ پر آنکھوں سے اشک رواں تھے بظاہر اتنا کامیاب اور مطمئن نظر آنے والا شخص اندر سے کتنا دکھی اور ادھورا تھا یہ انکشاف ہی اس کے لئے کم نہ تھا کہ آخری بات پر اس نے حیرت سے چونک کر آذر کی طرف دیکھا جو گہری ساحر آنکھوں میں محبت کا ایک جہان آباد کیے اس کی طرف ہی دیکھ رہا تھا۔

''رمی! اپنا ہاتھ آگے کرو۔'' پھر خود ہی اس کے بائیں ہاتھ کی تیسری انگلی میں ڈائمنڈ رنگ پہنا دی، رمی تو حیرت سے گنگ رہ گئی۔

''یہ تمہاری سالگرہ کا گفٹ اور میری محبت کی پہلی نشانی ہے۔'' آذر نے گمبھیر لہجے میں بتایا، رمی سے تو مارے حیرت کے کچھ بولا ہی نہیں گیا وہ کبھی آذر کو، کبھی اس رنگ کو حیرت سے دیکھ رہی تھی اس کا دل ایک نئے انداز سے دھڑک رہا تھا وہ جو سوچا کرتی تھی کہ آذر کی اگر شادی ہو گئی تو وہ اس کے بغیر کیسے رہے گی اور آج آذر اسے اپنی

چاہت کا مان بخش رہا تھا وہ اس کی محبت کے ست رنگی چنری اوڑھے خود کو دنیا کی خوش قسمت ترین لڑکی سمجھ رہی تھی۔

''بتاؤ رمی! میری دوست بننے کے ساتھ ساتھ عمر بھر کی ہم سفر بننا پسند کرو گی؟''

''وہ آذر مجھے کچھ سمجھ نہیں آ رہا آپ مجھ سے...... میرا مطلب ہے۔'' شرم سے اس کی آواز نکل ہی نہیں رہی تھی لیکن اس کے چہرے پر چھائے قوس و قزح کے رنگ اور ہاتھوں کی کپکپاہٹ اس بات کی گواہ تھی کہ وہ بھی محبت کے سفر میں اس کی ہم سفر ہے۔

''بس مجھے تمہارا اقرار اور ساتھ چاہیے باقی ماموں کو بھی یقیناً اس فیصلے سے خوشی ہو گی رہی مامی کی بات تو انہیں ماموں منا لیں گے، تم بتاؤ تمہیں تو کوئی اعتراض نہیں؟''

''نہیں۔'' یہ کہہ کر رمی نے اپنا سرخ چہرہ شرم سے دونوں ہاتھوں میں چھپا لیا وہ شوخ و چنچل سی لڑکی جو اپنی ہر بات بلا جھجک اس سے کہہ دیتی تھی آج یوں شرمائی، شرمائی نئے اور انوکھے روپ میں دل کے قریب لگی، آذر کو لگا آج اس کی زندگی مکمل ہو گئی ہے واپسی میں اس نے اسے گجرے دلائیں اور یوں اس کی سالگرہ کا دن تجدید محبت کا یادگار دن بن گیا، اس نے مائرہ سے بھی اپنی خوشی شیئر کی۔

''اوہ! میں تو پہلے ہی کہتی تھی کہ دال میں کچھ کالا ہے ایسے ہی وہ تمہارے باڈی گارڈ نہیں بنے رہتے تھے اور اب دل کے بھی مالک بن گئے اینی ویز میری دعا ہے کہ تم ان کی سنگت میں ہمیشہ خوش رہو۔'' مگر اس کی خوشیوں کی مدت بہت مختصر تھی ابھی تو دل کی زمین پر آذر کی محبت کی کونپل پھوٹی تھی ابھی تو اس نے دوستی کے ساتھ محبت کا مان سونپا تھا ابھی تو اس کا دل آذر کے نام پر دھڑکنا شروع ہوا تھا ابھی تو اس کی آنکھوں کے دیپ نے خوش نما روشن خواب دیکھنے شروع کیے تھے یہ احساس کتنا خوش کن تھا کہ آذر تازیست اس کے ہمدم اور اس کا ہم سفر رہے گا، مگر پھول کھلنے سے پہلے ہی محبت کی زمین کو اس کی ماما کی آذر کے ساتھ خود ساختہ نفرت اور کرن کی ضد نے بنجر کر دیا۔

☆☆☆

آذر نے جب سے اپنا دل اس کے سامنے کھول کر رکھا تھا اور اس میں پنپتی محبت کا مان رمی کو سونپا تھا وہ ہواؤں میں اڑنے لگی تھی محبت کی خوش رنگ تتلی ہر وقت اس کے شہد آگیں چہرے پر اپنا رنگ جمائے رکھتی تھی لیکن اسے نہیں معلوم تھا کہ ان تتلیوں کے رنگ اتنے کچے ہیں جو اس کا مان، اس کا اعتبار اور اس کی محبت سب کچھ اڑا لے جائیں گی۔

بہار کے اوائل رتوں کے دن تھے دھوپ سے تپتی زمین پر بادل رحمت بن کر برسا تھا، سورج کی تپش سے جھلستے پھولوں نے اداسی کا لبادہ اتار کر بہار کا نیا پیراہن اوڑھ لیا تھا، ہر طرف سبزہ ہی سبزہ اور ہریالی تھی جیسے آج کل رمی کا دل آذر کے خوش کن خیال سے محبت کے ہنڈولے پر جھول رہا تھا، اب وہ آذر کے سامنا کرنے سے ہچکچاتی تھی، آذر بھی اس کی جھجک کو محسوس کر رہا تھا، چونکہ کالج ختم ہو چکا تھا لہٰذا اب رمی گھر پر ہی رہ کر فارغ اوقات میں کوکنگ شوز سے نئی نئی ریسپیز نوٹ کر کے اسے بنانے میں ہلکان نظر آتی، جس کی وجہ سے خانساماں کی شامت آئی ہوئی تھی، یا پھر آذر کے کمرے کی ڈسٹنگ اور سیٹنگ کرتی نظر آتی، کرن یہ سب دیکھ کر نخوت سے ناک چڑھا کر رہ جاتی، آج بھی کچن میں گھسی کچھ بنا رہی تھی، جب اپنے پیچھے کسی

کی آہٹ سنائی دی۔

''ارے خانساماں چچا! آپ اتنی جلدی آ گئے؟ لائیں کہاں ہیں ونیلا اینسز اور کریم، مجھے آج آذر کے لئے پڈنگ تیار کرنی ہے، وہ آفس سے آتے ہی ہوں گے۔'' رمی نے عجلت میں Egg beater سے انڈا پھینٹتے ہوئے کہا۔

''اوہ زہ نصیب، رمی پرنسز مابدولت کے لئے کچن میں گھسی جان ماری کررہی ہیں واؤ، آج تو ہمارے ہاگ جاگ گئے۔'' آذر نے پیچھے سے اس کی پونی ٹیل کھینچتے ہوئے ہنستے ہوئے کہا، رمی تو آذر کی آواز سن کر ہی چونک گئی اس کے برق رفتاری سے چلتے ہاتھ اور زبان دونوں کو بریک لگ گئے تھے، آذر نے Beater اس کے ہاتھ سے لے کر رکھا اور اسے گھبرائی گھبرائی کیفیت میں فرصت سے دیکھنے لگا، موسم کی مناسبت سے سبز اور زرد کنٹراس کے پھولدار کاٹن کے سوٹ میں خود بھی بہار کا حصہ لگ رہی تھی ناک میں پڑی نوز پن، مسام سے پھوٹنے والے پسینے کی وجہ سے مزید لشکارے مار رہی تھی، اس کے سنہری کرلی بال پونی سے نکل کر ادھر ادھر معصوم دہانے کے گرد بکھرے اس کے چہرے کو مزید کومل بنا رہے تھے عادت کے مطابق وہ نظریں جھکائے اپنے ناخن سے کھیلنے لگی، آذر اس کی ایک ایک حرکت سے محظوظ ہو رہا تھا۔

''کیا ہوا بھئی؟ تم مجھ سے کترانے کیوں لگی ہو؟ نہ ہی اتنے دن سے میرے پاس آئی نہ آئسکریم کی فرمائش، نہ ہی اپنے شوز کے بارے میں کھٹی میٹھی باتیں اور تو اور اتنے دنوں سے اپنے فیورٹ شاعر کا کوئی نیا کلام بھی نہیں سنایا۔'' آذر نے اس کے معصوم نازک سے دہانے کو اپنے ہتھیلی کے احاطے میں لیتے ہوئے دوستانہ انداز میں پوچھا۔

''نہیں ایسی تو کوئی بات نہیں، آج کل آپ بہت مصروف تھے ناں، تو بس، اور آپ کو یہ بتانا تھا کہ نیوز کاسٹرز کے لئے آڈیشن ہو رہے ہیں میں اور مائرہ اپلائی کرنا چاہ رہے ہیں۔'' رمی نے تھوڑا جھجکتے ہوئے جواب دیا۔

''گڈ بالکل کرو، کب ہے آڈیشن؟''

''آڈیشن تو تین دن سے چل رہے ہیں مگر میری وجہ سے مائرہ بھی ابھی تک نہیں گئی۔''

''ارے کیوں بھئی، مجھے بتانا تھا ناں، میں خود لے کر جاتا۔'' آذر نے تھوڑا حیران ہوتے پوچھا۔

''وہ بس آپ سے مشورہ نہیں کیا تھا ناں۔'' رمی نے دھیمے سے جواب دیا۔

''وہی تو پوچھ رہا ہوں، تم نے مشورہ کیوں نہیں کیا؟ اتنی اہم بات اور تم اتنے سرسری انداز میں بتا رہی ہو، اگر آج بھی میں خود نہ آتا تو تم نے تو ہاتھ نہیں آنا تھا، نہ ہی مجھے بتانا تھا پھر یہ گولڈن چانس نکل جاتا۔'' اس نے رمی کی طرف تھوڑے ناراضگی سے دیکھا۔

''وہ بس ایسے ہی آپ کو بھی تو ٹائم نہیں مل رہا تھا۔'' رمی نے کمزور سا عذر پیش کیا، آذر اسے ہاتھ تھام کر ڈائننگ چیئر پر لے آیا۔

''ہاں اب بتاؤ کوئی پرابلم ہے! یار میں وہی تمہارا دوست آذر ہوں جس سے تم اپنی ہر پریشانی، ہر مسئلہ اور بلا جھجک کیا کرتی تھی جس کے بغیر تمہیں کوئی کام کرنے کی عادت نہیں، تو اب یہ جھجک، یہ گریز کیا معنی رکھتی ہے؟'' آذر نے اپنے اسے مخصوص دوستانہ انداز میں بات کی جس سے رمی کو تھوڑا حوصلہ ہوا اور اس کا پرانا انداز واپس لوٹ آیا۔

''او کے وعدہ کرو، تم وہی میری پرانی والی رمی بن کر مجھ سے ملو گی، وہی شوخ، چنچل،

کھلکھلاتی رمی مجھے واپس چاہیے، ورنہ میں اپنے آپ کو مجرم سمجھونگا کہ میں نے اپنے دلی جذبات تم پر عیاں کرکے اپنی چھوٹی سی نٹ کھٹ دوست کو کھو دیا ہے۔''

''نہیں آذر اللہ نہ کرے، میں تو مرتے دم تک آپ کے ساتھ رہنا چاہتی ہوں ہمیشہ، وہ تو مائرہ نے کہا تھا کہ جب تک پاپا سے بات کرکے ہماری انگیج منٹ نہیں ہو جاتی تو مجھے آپ سے تھوڑا گریز کرنا چاہیے آپ کے سامنے بلا دھڑک آنے میں اب تھوڑا احتیاط ہونا چاہیے اور......'' اس نے کہتے کہتے انگلی دانتوں میں دبالی آذر بغور اس کی باتیں سن رہا تھا۔

''اور...... اور کیا کہا تھا مائرہ نے؟'' آذر نے اسے مزید بولنے کے لئے اکسایا پھر خود ہی اس کی بات آگے بڑھائی۔

''اور اس نے یہ کہا ہوگا کہ تمہیں اچھے، اچھے کھانا بنانا سیکھنا چاہیے کیونکہ ہم مردوں کے دل کا راستہ معدہ سے ہو کر گزرتا ہے وغیرہ وغیرہ۔'' آذر نے مسکراتے ہوئے ہلکے پھلکے انداز میں کہا۔

''جی جی بالکل اس نے یہی کہا تھا مگر آپ کو کیسے پتہ چلا؟'' آذر اس کی معصومیت پر کھل کر ہنسا۔

''مائرہ بی بی سے تو میں نمٹ لوں گا جس نے ہماری ننھی پری کو کچن میں اپنے خوبصورت چہرے کو کملانے بھیج دیا، سنو تمہیں فکر کرنے کی ضرورت نہیں، تم ویسے ہی میرے دل کی ملکہ ہو، سمجھ آئی؟ میری ناسمجھ دوست، مائرہ نے تم سے شرارت کی ہوگی اور تم بھی ناں، بے وقوف۔''

''آذر!'' رمی نے اس کے بیوقوف کہنے پر احتجاج کیا۔

''ہاں تو اور کیا، اتنے معروف ایف ایم ریڈیو کی آر جے ہو، پورا نہیں تو آدھی پاکستانی یوتھ آپ کے شوز کی دیوانی ہے جس میں، میں خاکسار بھی شامل ہوں اور تمہیں اتنی سی بات سمجھ نہیں آئی بھلا وہ مائرہ کیا اپنے فیاسی کے لئے کھانے بناتی ہے؟ جو اس نے تمہیں یہ نادر مشورہ دیا۔''

''ارے ہاں، یہ تو میں نے سوچا ہی نہیں۔'' رمی نے اپنے سر پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا۔

''لیکن پھر بھی آپ کے لئے مجھے کوکنگ کرنا اچھا لگتا ہے، میرا دل چاہتا ہے میں آپ کے سارے کام خود اپنے ہاتھوں سے کروں۔'' رمی نے جذب سے آنکھیں بند کرتے ہوئے کہا، آذر اس کی محبت پر خوش ہوگیا۔

''او کے مادام! پھر تو ہم خوش نصیب شوہر ہوں گے جس کی وائف اپنے خوبصورت ہاتھوں سے مزیدار کھانے بنا کر خود کھلائے گی جیسے ابھی یہ پڈنگ مجھے آپ بنا کر کھلانے والی ہیں۔'' آذر نے تھوڑا شرارت سے جھکتے ہوئے کہا۔

''آذر!'' رمی کی تو اس کی غیر متوقع بے باکانہ بات پر مارے حیرت کے آنکھیں ہی نکل گئیں۔

''او کے او کے میری سوئیٹ سی دوست میں مذاق کر رہا تھا زیادہ گھبرانے کی ضرورت نہیں، تم اپنا کام جاری رکھو، جب تک میں شاور لے کر پیکنگ کرلوں مجھے آج رات گیارہ بجے کی فلائیٹ سے ارجنٹ لاہور پہنچنا ہے، وہاں جاپان سے آئی Deligation سے میری میٹنگ ہے۔'' آذر نے گھڑی دیکھتے ہوئے اصل بات بتائی۔

''کیا آپ پھر جا رہے ہیں؟ میں بور ہو جاؤں گی۔'' رمی نے منہ بسورتے ہوئے کہا۔

''ارے بور کیوں؟ مامی ہے ناں اور وہ تمہاری نک چڑی کزن کرن صاحبہ، انہیں بھی

کمپنی دینا، بیچاری بور ہو جاتی ہے۔''
''کون بور ہو جاتا ہے۔'' اسی وقت کرن نے وہاں اپنی انٹری دی آذر اسے دیکھ کر جی بھر کر بدمزہ ہوا۔
''میں نے تو ازراہ مذاق یہ بات کہی تھی مگر محترمہ ٹپک پڑیں اور اب نہ جانے اس بات کو کیا رنگ دیں گی۔'' آذر نے دل میں سوچا، رمی نے آذر کی بات دہرائی۔
''اوہ سو، سوئیٹ، آذر تو ہے ہی کیئرنگ اینڈ لونگ اسے میرا کتنا خیال ہے Thank you azer dear!'' کرن نے ادائے دلربائی سے اپنے شولڈر کٹ بالوں کو جھٹکتے ہوئے کہا، آذر جی بھر کر بدمزہ ہوا۔
''شیور ویلکم۔'' رمی کے لحاظ میں اسے کہنا پڑا، پھر اس نے وہاں سے نکل جانے میں ہی عافیت جانی، اس طرح اپنی خوش نما یادوں اور باتوں کے جگنو تھما کر وہ ایک ہفتے کے لئے لاہور روانہ ہو گیا۔

☆☆☆

آج ایف ایم پر کوئی شو نہیں تھا، مائرہ بھی ایک ہفتے کے لئے اپنی نانو کے گھر گئی ہوئی تھی، دونوں کا آڈیشن شاندار ہوا تھا اور ان کی سلیکشن بھی ہو گئی تھی انہیں اگلے مہینے سے نیوز چینل جوائن کرنا تھا جب تک کچھ فراغت تھی، کچھ دیر تو وہ ٹی وی چینل سرچ کرتی رہی، پھر اس سے جلد ہی بور ہو کر اس نے آذر کے کمرے کی تفصیلی صفائی کرنے کا سوچا، یہ سوچ کر وہ آذر کے کمرے میں آ گئی جہاں کرن ریوالونگ چیئر میں جھولتی کسی انگلش میگزین کی ورق گردانی کر رہی تھی ساتھ ہی انگلش سونگ پر اس کے پاؤں تھرک رہے تھے، رمی تو اسے وہاں دیکھ کر حیران رہ گئی اس کی وہاں موجودگی غیر متوقع تھی، رمی کے علاوہ کسی کو آذر کے کمرے میں جانے کی اجازت نہیں تھی، وہ ابھی اس کی عدم موجودگی میں اتنی بے تکلفی کے ساتھ، رمی کو اچنبھا ہوا اس نے بے یقینی سے کرن کی طرف دیکھا اسی وقت کرن کی نظر بھی اس پر پڑی۔
''ارے آؤ آؤ رمی!'' خلاف توقع اس نے خوشگوار موڈ سے رمی کو اندر آنے کی دعوت دی، رمی ابھی تک بے یقینی کی کیفیت میں تھی اس کے بلانے پر آگے بڑھی۔
''کرن! آپ اور یہاں آذر کے کمرے میں؟'' اس کو سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ کس طرح اس کی موجودگی کے بابت دریافت کرے۔
''ہاں میں تو اکثر آفس ٹائم کے بعد یہاں ریلیکس کرنے آتی ہوں، آذر نے مجھے اجازت دی ہے کہ میں جب چاہوں اس کی بک اور سی ڈی پلیئر وغیرہ استعمال کر سکتی ہوں You know آذر کی کلیکشن بہت عمدہ ہے آؤ تم بھی انجوائے کرو۔'' رمی تو اس کی بات سن کر ہی حیران رہ گئی، اتنی بے تکلفی اور بچپن کا ساتھ ہونے کے باوجود رمی نے بھی اس طرح کبھی آذر کی پرسنل چیزوں کو استعمال نہیں کیا تھا۔
''آذر نے خود آپ کو اجازت دی ہے؟'' رمی نے حیرانگی پر قابو پاتے ہوئے پوچھا۔
''ہاں ڈیئر! اس میں حیرانی کی کیا بات ہے؟ دیکھا نہیں تم نے کل جانے سے پہلے بھی تمہیں میرا خیال رکھنے اور کمپنی دینے کا کہہ رہا تھا، اسے میرا بہت خیال ہے، پچھلے دنوں جب تم اپنے پیپرز میں مصروف تھی آذر نے مجھے بھرپور کمپنی دی ڈنر اور لونگ ڈرائیو پر لے کر گیا، یہ دیکھو مجھے گولڈ کا بریسلیٹ بھی گفٹ کیا۔'' کرن نے اپنی دودھیا نازک کلائی اس کی طرف کی، جس میں واقعی نازک گولڈ کا بریسلیٹ جگمگا رہا تھا

جو آذر نے نہیں بلکہ کرن کے باس نے اسے گفٹ کیا تھا، آج کل باس اس پر بہت مہربان تھے جس کا کرن خوب فائدہ اٹھا رہی تھی اور بالکل ابھی ابھی اس کے شیطان دماغ میں یہ خیال آیا تھا، کرن کا لہجہ سرسری تھا مگر اس کی ایک ایک جنبش رامین کے چہرے کے تاثرات پر تھی، رمی تمام باتیں سن کر بے یقینی کی کیفیت میں تھی اس کے چہرے پر حزن و ملال کے ملے جلے رنگ تھے، کرن کو ایک انجانی خوشی ہوئی۔

''اوکے آپ انجوائے کریں مجھے کچھ کام ہے۔'' وہ صرف اتنا ہی کہہ سکی، آج کرن کا دل بہت خوش تھا آخر کار اس نے رمی کے دل میں آذر کے خلاف بدگمانی کا پہلا بیج بو دیا تھا اسے یقین تھا آنے والا وقت صرف اس کا اور آذر کا وہ گاری نام کا یہ کانٹا جلد ہی نکل جائے گا، یہی سب سوچتے وہ خود بھی گنگنانے لگی، رمی اپنے کمرے میں واپس آکر بے دم بستر پر گر گئی ابھی تک وہ گم صم تھی اسے یقین نہیں آرہا تھا کہ کرن نے جو کچھ کہا وہ سچ ہے۔

''کیا آذر کرن کو پسند کرتے ہیں تو پھر میرے ساتھ اظہار محبت مجھے رنگ پہنانا، یہ سب کیا ہے؟ کیا وہ مجھے بے وقوف بنا رہے ہیں، میری سادگی اور اعتبار کا مذاق اڑا رہے ہیں۔'' رمی نے غائب دماغی سے سوچا اس کی نظر اپنے بائیں ہاتھ کی تیسری انگلی میں جگمگاتے ڈائمنڈ رنگ پر ٹھہر گئی، جس پر آذر کی محبت اور چاہت کا لمس ابھی بھی موجود تھا۔

''نہیں...... آذر صرف میرے ہیں وہ مجھے کبھی دھوکہ نہیں دے سکتے اگر انہیں کرن اتنی ہی پسند ہوتی تو وہ مجھ سے کیوں اپنی چاہت کا اظہار کرتے، وہ بڑی آسانی سے کرن کو اپنا سکتے تھے، ماما تو خود اپنی بھانجی کو اتنا چاہتی ہیں انہیں کرن کی پسند پر کوئی اعتراض بھی نہیں ہوتا یقیناً یہ کرن کی کوئی سازش ہے، وہ مجھے زچ کرنے کے لئے ان کی طرف سے بدگمان کرکے اپنا رستہ صاف کرنے کے لئے یہ سب گھٹیا حرکتیں کررہی ہے لیکن میں آذر سے ان باتوں کا ذکر نہیں کروں گی وہ پریشان ہوجائیں گے اور کرن کا کیا ہے؟ میں ان کی باتوں کو اگنور کروں گی تو خود بخود آئندہ ان کی ہمت نہیں ہوگی، اس طرح فضول بکواس کرنے کی ویسے بھی عید میں چھ مہینے رہ گئے ہیں جب تک پاپا بھی آجائیں گے تو سب ٹھیک ہو جائے گا۔'' یہ سب سوچتے اس کے دل مضطر کو کافی اطمینان ہوا کچھ دیر پہلے اس کے دل پر اداسی کی فضا چھائی تھی تو صاف ہوگئی، پھر اس نے پاپا کو کال ملانے اور ان سے گپ شپ لگانے کا سوچا۔

☆☆☆

آج جہانگیر صاحب نے مسز جہانگیر سے فون پر بات کی تھی جس کے بعد سے وہ کسی گہری سوچ میں ڈوبی ہوئی تھی ان کے پیشانی پر سوچ کی گہری لکیریں تھیں وہ کافی دیر سے کسی غیر مرئی نقطے پر نظریں جمائے کسی الجھن میں تھیں ان کی خاموشی کو کرن کی چہکتی آواز نے توڑا۔

''اوہ خالہ جان آپ یہاں بیٹھی ہیں اور میں آپ کو پورے گھر میں تلاش کررہی ہوں آج میں اتنی خوش ہوں کہ آپ کو بتا نہیں سکتی بالآخر آج رمی کے معصوم ذہن میں آذر کے خلاف نفرت کا ذہر بھر دیا ہے بس اب کامیابی ہمارے بہت قریب ہے۔'' کرن نے ان کے گلے میں بانہیں ڈالتے چہچہاتے ہوئے کہا، اس کی بات سن کر مسز جہانگیر چونکی اور ناسمجھی سے اس کی طرف دیکھنے لگیں کرن نے آج رمی کے ساتھ ہونے والی ساری گفتگو انہیں بتائی۔

''ہوں وری گڈ اب دیکھتی ہوں کس طرح میری معصوم بیٹی اس کے جال میں پھنستی ہے پہلے اس کے باپ نے جہانگیر کی بہن آذر کی ماں کو میرے بھائی کے خلاف شادی کرنے سے انکار پر اکسایا اور اب وہ مجھے رمی کے ذریعے شکست دینا چاہتا ہے، اگر اس کا باپ درمیان میں نہ ہوتا تو میرا بھائی ثروت جہاں کی جائیداد کا وارث ہوتا بہر حال اب دوبارہ یہ چال کامیاب نہیں ہونے دوں گی اب وقت کی لگامیں میرے ہاتھ میں ہیں، اس بار شکست میرے حصے میں نہیں آئے گی، بلکہ ثروت جہاں کے بیٹے کے حصے میں صرف رسوائی اور بدنامی آئے گی، وہ میری بیٹی کو ورغلا کر میرے خلاف نہیں کر سکتا، اس بار میں جہانگیر کی ایک نہیں چلنے دوں گی انہیں میری بات ماننی ہوگی آخر میں رمی کی ماں ہوں اس پر میرا پورا حق ہے، میں اس کا جتنا بھلا سوچ سکتی ہوں اتنا کوئی اور نہیں سوچے گا۔'' رمی جو پاپا سے بات کر کے اپنی ماما کے پاس آ رہی تھی دروازے کے ہینڈل پر ہی اس کا ہاتھ ساکت رہ گیا جیسے جیسے وہ اپنی ماما کی زہر میں ڈوبی باتیں سنتی جا رہی تھی اس کے چہرے کا رنگ لٹھے کی طرح سفید پڑتا جا رہا تھا، اسے اندازہ نہیں تھا کہ اس کی ماں کے دل میں آذر اور پھپھو کے خلاف اتنا زہر بھرا ہے کہ وہ اپنی برسوں کی جلتی انتقام کی آگ میں اپنی بیٹی کی خوشیوں کو بھی بھسم کر دینا چاہتی ہیں کیا انہیں رمی کی آنکھوں میں آذر کی محبت کا عکس نظر نہیں آتا؟ رمی میں مزید سننے کا حوصلہ نہیں تھا، وہ گرتی پڑتی اپنے کمرے میں آ کر بند ہو گئی اور آذر اور پاپا کو یاد کر کے رونے لگی۔

☆☆☆

''سنو کرن! ابھی تمہارے انکل کا فون آیا تھا وہ رمی کی شادی آذر سے کرنا چاہتے ہیں ان کے خیال میں آذر سے زیادہ رامین کے لئے کوئی بہتر نہیں ہوگا، وہ رمی کے مزاج کو سمجھتا ہے اور ان کا خیال ہے اس طرح رمی ہماری بیٹی ہمیشہ ہماری آنکھوں کے سامنے رہے گی۔'' مسز جہانگیر نے جہانگیر صاحب کے ارادے اور فیصلے سے کرن کو آگاہ کیا۔

''کیا......؟ یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں؟ اتنے دنوں تک آپ مجھے آذر کے نام پر بے وقوف بناتی رہیں اسی وجہ سے میں نے اپنے باس کے پروپوزل سے بھی انکار کر دیا۔'' کرن نے غصے سے اونچی آواز میں کہا۔

''آہستہ! کول ڈاؤن ڈیئر، یہ ان کا فیصلہ ہے مگر میں نے کہا ناں، اس بار جیت میرا مقدر بنے گی، آذر صرف اور صرف تمہارا ہے اور رمی میری اکلوتی بیٹی صرف اور صرف میرے بھتیجے کی زندگی میں شامل ہو گی میرے ہوتے ہماری دولت پر میرے دشمن کا بیٹا راج کرے، ایسا میں ہرگز نہیں ہونے دوں گی۔'' مسز جہانگیر نے مٹھیاں بھینچتے ہوئے کہا۔

''خیر اب تم میرا آگے کا پلان سنو، اب سوئیٹی یہ تمہاری ذہانت اور صلاحیت پر منحصر ہے تم جتنا زیادہ بہتر انداز میں اس پر عمل کرو گی کامیابی اتنی جلدی ہماری توقع کے عین مطابق ہو گی۔'' پھر مسز جہانگیر کرن کے ساتھ مل کر آئندہ کے لائحہ عمل کے لئے تانے بانے بننے لگیں ان کے در خیز ذہن کے اتنے زبردست خیال کو سن کر کرن کی آنکھیں خوشی سے دمکنے لگیں، اس کے لبوں پر شاطرانہ مسکراہٹ تھی۔

''زبردست خالہ جانی! You are genious اس طرح نہ صرف میں آذر سے اپنی بے عزتی کا بدلہ لے سکوں گی بلکہ رمی بھی اس سے بدگمان ہو کر اس سے نفرت کرنے لگی گی اور

اس کی زندگی سے خود بخود الگ ہو جائے گی۔''
''یس مائی ڈیئر اب آگے کی ذمہ داری تمہاری ہے۔'' مسز جہانگیر نے اس کے شانوں کو تھپتھپاتے ہوئے کہا، جبکہ کرن کا ذہن اس منصوبے پر عمل کرنے کی ترکیبیں سوچ رہا تھا۔

☆☆☆

آج رامین کی طبیعت صبح سے بوجھل تھی اسے اپنا دل خالی خالی محسوس ہو رہا تھا، کافی دنوں سے آذر سے بات بھی نہیں ہو سکی تھی، کسی کام میں اس کا دل نہیں لگ رہا تھا وہ آج ناشتے پر بھی نہیں آئی تھی، صبح سے مسز جہانگیر اپنی این جی او کی میٹنگ میں گئی ہوئی تھیں، اسے اس بات کی خبر نہیں تھی کہ کرن نے آج آفس سے چھٹی کی ہے اس کا دل کسی انہونی کا پتہ دے رہا تھا، کچھ دیر اس نے مائرہ سے ادھر ادھر کی باتیں کی مگر جلد ہی اکتا کر فون بند کر دیا، پھر وہ اپنے بچپن کی البم اور گفٹس جو آذر اور پاپا نے اسے مختلف مواقع پر دیئے تھے، انہیں کھول کر دیکھنے لگی ان تمام چیزوں سے اس کی خوشگوار یادیں لپٹی تھیں۔

صبح سے وہ رمی کا نمبر ٹرائی کر رہا تھا، مگر وہ بند جا رہا تھا مجبوراً اسے مامی کو اپنی آمد کی اطلاع دینی پڑی، شام آٹھ بجے آذر گھر میں داخل ہوا تو گھر میں مکمل خاموشی کا راج تھا، ورنہ اس وقت رمی یا تو کچن میں کسی نت نئی ڈش پر طبع آزمائی کرتی ہوئی نظر آتی یا پھر لاؤنج میں ٹی وی دیکھتی پائی جاتی، اسے حیرت ہوئی کہ وہ اس کے استقبال کے لئے بھی موجود نہیں تھی ورنہ اسے یقین تھا کہ مامی سے اپنی واپسی کا پتہ ہونے پر وہ بے صبری سے اس کا انتظار کر رہی ہو گی، خلاف توقع کرن بھی کہیں نظر نہیں آ رہی تھی، آذر کو کچھ اچنبھا ہوا وہ رمی کے کمرے کی طرف بڑھنے لگا مگر پھر سوچ کر ارادہ ترک کر دیا کہ فریش ہو کر اس کے لائے ہوئے گفٹ کے ساتھ ملے گا تو وہ یقیناً خوش ہو گی اسے اندازہ تھا کہ وہ اس سے ناراض ہے کیونکہ وہ ایک ہفتے کی بجائے پورے پندرہ دن بعد واپس لوٹا تھا اور مصروفیت کی وجہ سے چاہ کر بھی اس سے بات نہیں ہو سکی تھی شاید اسی ناراضگی کی وجہ سے وہ کمرے میں بند تھی اس کے خفا، خفا ناراضگی سے پھولے چہرے کا تصور کرتے ہوئے وہ مسکرا کر اپنے دھیان میں کمرے کی طرف بڑھا جیسے ہی اس نے دروازہ کھولا اس کے قدم وہی دہلیز پر جم گئے اور آنکھیں بے یقینی سے اندر کا منظر دیکھنے لگیں، کرن اتنی بے تکلفی سے اس کے بیڈ پر براجمان تھی اس نے کبھی اس کا تصور بھی نہیں کیا تھا اس کے ماتھے کی شکن میں اضافہ ہوا، اپنے غصے پر بمشکل قابو پاتے ہوئے سرخ چہرے کے ساتھ وہ آگے بڑھا کرن بے خبر سو رہی تھی تھوڑا سا جھجکتے ہوئے وہ اس کے چہرے پر جھکا۔

''کرن...... کرن اٹھو۔'' کرن نے کسمسا کر آنکھیں کھولیں، آذر نے اس کی نیند سے بوجھل سرخ آنکھوں اور بے باک حلیے سے نظریں چرائیں۔

''اوہ آذر تم آ گئے؟ میں تمہارا کب سے انتظار کر رہی تھی۔'' کرن نے جمائی روکتے ہوئے بمشکل کہا۔

''یہ...... یہ کیا بکواس ہے؟ اور تم اس طرح میرے بیڈ روم میں کیا کر رہی ہو؟ ڈھیٹ اور بے باک تو تم تھی ہی مگر اتنی غیر اخلاقی حرکت کا مظاہرہ کرو گی میں نے کبھی یہ سوچا بھی نہیں تھا، ایک غیر لڑکے کے کمرے میں اس طرح اس کی عدم موجودگی میں بغیر اجازت منہ اٹھائے چلے آنا، اس کے بیڈ پر اتنی بے تکلفی سے آرام فرمانا، تمہیں اندازہ ہے اس کے کیا نتائج نکل سکتے

ہیں۔'' آذر کا بس نہیں چل رہا تھا اس لاپرواہ لڑکی کا گلہ دبا دے۔

''اوہ کم آن آذر تم نے خود ہی فون کر کے مجھے کہا تھا کہ میرے کمرے میں انتظار کرنا، میں سب سے پہلے آ کر تمہارا چہرہ دیکھنا چاہتا ہوں۔''

''کیا...... کیا میں، میں نے کب کہا لگتا ہے تم اپنے حواسوں میں نہیں ہو، نکل جاؤ بے ہودہ لڑکی، ابھی اور اسی وقت میرے کمرے سے، اس سے پہلے میرا حوصلہ جواب دے جائے اور میں ایسا کوئی انتہائی قدم اٹھا لوں جو تمہیں ساری زندگی پچھتانے پر مجبور کر دے۔'' آذر نے اس کا ہاتھ اپنے آہنی بازوؤں میں جکڑ کر باہر نکالنا چاہا، آذر کے برہم تیور دیکھ کر ایک پل کے لئے کرن بھی خائف ہو گئی، مگر پھر کمال ہوشیاری سے خود کو بیڈ پر گرا کر آذر کو اپنے اوپر ایک جھٹکے سے جھکنے پر مجبور کر دیا، آذر اس صورتحال کے لئے بالکل تیار نہیں تھا، اسی وقت مسز جہانگیر کمرے میں داخل ہوئیں ان کے پیچھے ہی رمی بھی آذر کے کمرے سے آتے شور کی آواز سن کر آ گئی تھی اور اب اندر کا منظر دیکھ کر اس کی آنکھیں حیرت اور بے یقینی سے ساکت تھیں، کرن نے جلدی سے اسی وقت خود کو آذر سے چھڑایا۔

''چھوڑو اسے، میں کہتی ہوں ذلیل انسان تمہاری جرأت کیسے ہوئی؟ میرے گھر میں میرے ہی ٹکڑوں پر پلنے والا آج میری بھانجی، میرے گھر کی عزت پر ہاتھ ڈال رہا تھا، ارے جہانگیر دیکھو آ کر، تمہارا یہ بھانجا جس پر تم نے زندگی بھر اعتبار کیا، یہ سپولیا جسے تم نے دودھ پلا کر پالا، آج تمہارے گھر کی عزت کی دھجیاں بکھیر رہا ہے ارے میں کیا جواب دوں گی اپنی بہن اور بہنوئی کو کہ اس کی عزت کی حفاظت نہیں کر سکی۔'' مسز جہانگیر مسلسل سینہ کوبی کر رہی تھیں، کرن سہمی، سہمی ان کے بازوؤں سے جا لگی۔

''آنٹی آذر کا فون آیا تھا اس نے کہا تھا مجھے تم سے ضروری بات کرنی ہے، میرے آنے سے پہلے تم میرے کمرے میں انتظار کرنا اس کا انتظار کرتے کرتے نہ جانے کب میری آنکھ لگ گئی اور مجھے اس کی آمد کی خبر نہیں ہو سکی جب میری آنکھ کھلی تو یہ مجھ پر......'' یہ کہہ کر کرن رونے لگی۔

''شٹ اپ، جسٹ شٹ اپ، مکار، بد کردار لڑکی تمہاری جھوٹی اداؤں کا مجھ پر جادو نہیں چل سکا تو تم نے آج یہ گھناؤنا گیم کھیلا، تمہیں شرم آنی چاہیے، اس طرح اپنی نسوانیت کے پندار سے گرتے ہوئے، مامی میرا یقین کریں یہ جھوٹ بول رہی ہے میں ایسا کبھی سوچ بھی نہیں سکتا، میرے لئے اس کی عزت بالکل رمی کی ہی طرح ہے۔'' آذر نے صفائی دینی چاہی۔

''شٹ اپ ذلیل لڑکے، خبردار جو اپنی گندی زبان سے میری معصوم بیٹی کا نام بھی لیا، ارے مجھے تم پر کتنا اعتبار تھا تمہاری ماں سے لاکھ عداوت صحیح، مگر ہمیشہ رمی کے معاملے میں تم پر بھروسہ کیا، کبھی تمہارے ساتھ اس کے آنے جانے پر پابندی نہیں لگائی، مگر تم اتنے گرے ہوئے کردار کے مالک ہو گے اس کا میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی ارے بد بخت تمہیں میری ہی بھانجی ملی تھی اپنے شیطانی نفس کی تسکین کے لئے۔'' مسز جہانگیر نے پھنکارتے ہوئے کہا۔

''بس مامی! اب میں اپنے کردار کے بارے میں مزید ایک لفظ نہیں سنوں گا، یہ...... یہ لڑکی پکی سازش اور جھوٹی ہے۔'' رمی جواب تک بے یقینی کی کیفیت میں منہ پر ہاتھ رکھے سب کچھ دیکھ رہی تھی اس سے مزید وہاں کھڑے ہونا محال ہو گیا اس نے واپسی کے لئے قدم بڑھائے۔

''رکو رمی! کیا تم بھی...... مجھے غلط سمجھ رہی ہو؟ تم تو اپنے دوست، اپنے آذر کو اچھی طرح جانتی ہو، تمہیں پتہ ہے میں ایسی گھٹیا گری ہوئی حرکت کبھی نہیں کر سکتا۔'' آذر کی آواز میں ایک مان تھا، رمی کے باہر کی طرف بڑھتے قدم رک گئے۔

''ارے رمی نے خود اپنی آنکھوں سے سب کچھ دیکھا ہے خبردار جو میری بیٹی کی معصومیت سے مزید فائدہ اٹھانے کی کوشش کی، رمی بیٹا میں اسی لئے آذر کے ساتھ تمہاری دوستی کے خلاف تھی دیکھ لی ناں تم نے آج اس کی اصلیت اس کے شفاف چہرے کے پیچھے کتنا گھناؤنا اور شیطانی روپ پوشیدہ ہے کس طرح اس نے تمہاری کزن کی عزت پر...... وہ تو اگر میں بروقت نہ آجاتی تو پتہ نہیں کیا قیامت ٹوٹ پڑتی، کرن تو کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہتی، اللہ کا شکر ہے اس نے اس خبیث انسان کے ناپاک ارادوں سے میری بچی کو محفوظ رکھا۔'' مسز جہانگیر نے سہمی ہوئی کرن کو اپنے ساتھ لپٹاتے ہوئے رمی کی طرف پیار بھرے انداز میں دیکھا، آذر بھی امید بھری نگاہوں سے اس کی طرف ہی دیکھ رہا تھا، رمی جس کا وجود برف کی طرح منجمند ہو چکا تھا بغور اپنی ماں کی باتیں سن رہی تھی پھر اس کی نظر آذر پر پڑی اور پھر مزید ایک لفظ بھی کہے بغیر وہ دوڑتی ہوئی اپنے کمرے میں آکر بند ہو گئی۔

آذر نے رمی کی آنکھوں میں جو اجنبیت دیکھی تھی وہ اس کا سارا مان، غرور اپنے ساتھ بہا لے گیا تھا آذر نے بے یقینی سے دروازے کی طرف دیکھا جہاں سے ابھی ابھی رمی اس کی دوست، اس کی ہم راز اس کی اولین محبت اور آخری چاہت اس کا یقین و اعتبار اپنے پاؤں تلے روندتے ہوئے گزری تھی۔

☆☆☆

''سنو لڑکے! اب تمہارا سارا ڈرامہ ختم ہو گیا، تم نے خود پر جو اچھائی کا خول چڑھا رکھا تھا آج وہ چیخ گیا ہے اب رمی تم پر کبھی اعتبار نہیں کرے گی اور جہانگیر کو تمہارے کارنامے کا پتہ چلا تو سوچو تمہاری عزت کیا رہ جائے گی، ان کی نظروں میں دو کوڑی کے ہو کر رہ جاؤ گے، لہٰذا ہم سب کی بھلائی اسی میں ہے کہ تم کرن سے شادی کرنے کے لئے راضی ہو جاؤ باقی سارے معاملات میں خود ہینڈل کر لوں گی، میں وعدہ کرتی ہوں تمہارے ماموں کو ان تمام باتوں کا بالکل پتہ نہیں لگنے دوں گی رمی کو بھی میں سمجھا لوں گی اور اس طرح میری بھانجی کی عزت بھی بحال ہو جائے گی، میں اپنے بہن اور بہنوئی کے سامنے سرخرو ہو جاؤں گی اور اگر تم نے ایسا نہیں کیا تو سوچو، آج اس کمرے تک بات محدود ہے کل سارے خاندان میں تمہاری جگ ہنسائی ہو گی۔''

آذر جس کا دھیان رمی کے رویئے میں الجھا ہوا تھا ان کی بات پر چونک کر انہیں دیکھنے لگا جہاں ایک فاتحانہ چمک تھی۔

''اوہ اب میں سمجھا، تو یہ ساری پلاننگ آپ دونوں کی ملی بھگت تھی تاکہ میں آپ کی اس بد کردار بھانجی سے شادی کر لوں۔'' آذر نے طنزیہ ہنستے ہوئے بظاہر ڈری سہمی کرن کی طرف اشارہ کیا۔

''اس لڑکی سے شادی کرنے سے بہتر ہے کہ میں اپنے آپ کو ختم کر لوں، ایسی لڑکی جو صرف اور صرف اپنی مادی اور نفسانی خواہشات کی تکمیل کے لئے اپنی نسوانیت اور اپنے کردار کو اتنی پستی میں گرا سکتی ہے اس کی شکل پر میں تھوکنا بھی پسند نہیں کرتا۔'' آذر نے غصیلے انداز میں جواب دیا۔

کرن کے ساتھ ساتھ مسز جہانگیر نے بھی چونک کر اس کی طرف دیکھا جس کے چہرے پر چٹان کی طرح سختی تھی اور جو اپنے ارادوں میں اٹل نظر آرہا تھا۔

"معاف کیجئے گا مسز جہانگیر! مجھے اندازہ نہیں تھا کہ آپ اپنی عدوات میں اس حد تک جا سکتی ہیں کہ اپنی ہی بھانجی کو چارے کے طور پر استعمال کیا، اگر آپ نے رمی کی طرح کرن کو بھی اپنی بیٹی سمجھا ہوتا تو آج اپنی انا کی تسکین اور بدلے کی آگ بجھانے کے لئے اس کی عزت کو داؤ پر لگا کر اتنا گھٹیا ڈرامہ نہیں کرتیں، مجھے شرمندگی ہو رہی ہے آپ کی سطحی اور سازشی سوچ پر۔" یہ کہہ کر آذر وہاں رکا نہیں بلکہ لمبے لمبے ڈگ بھرتے نہ صرف اس گھر سے بلکہ رمی کی زندگی سے بھی ہمیشہ کے لئے نکلتا چلا گیا۔

☆☆☆

ساری رات وہ سڑکوں میں بے مقصد گھومتا رہا، بار بار اس کی نگاہوں میں رمی کا چہرہ گھوم رہا تھا جس کی آنکھوں میں کتنی بے یقینی و بے اعتباری تھی۔

اک ذرا سی رنجش سے شاخ کی ذرد ٹہنی پر
پھول بد گمانی کے اس طرح سے کھلتے ہیں
زندگی سے پیارے بھی اجنبی سے لگتے ہیں
بے رخی کے گارے سے بے دلی کی مٹی سے
فاصلے کی اینٹوں سے اینٹ جڑنے لگتی ہیں
اک ذرا سی رنجش سے ساتھ چھوٹ جاتے ہیں
خواب ٹوٹ جاتے ہیں
معذرت کے لفظوں کو روشنی نہیں ملتی
دوست دار لہجوں میں سلوٹیں سی پڑتی ہیں
اک ذرا سی رنجش سے ہاتھ چھوٹ جاتے ہیں
ہاتھ چھوٹ جاتے ہیں...... ......

ایک طرف اپنے کردار پر لگا جھوٹا داغ اسے چین نہیں لینے دے رہا تھا دوسری طرف رمی کی نفرت سہنے کا اس میں حوصلہ نہیں تھا بے بسی سے وہ اپنی مٹھیاں بھینچنے لگا وہ لمبا اونچا مرد جو شاید اپنے ماں باپ کی موت پر بھی اتنا نہیں رویا تھا آج اپنی محبت کی موت پر آنسو بہا رہا تھا لیکن اس کے آنسو پونچھنے والا کوئی نہیں تھا۔

ایک اندھیری خوفناک تنہا رات وہ تھی جب اس کے ماں باپ اسے اکیلا چھوڑ کر چلے گئے تھے اور آج یہ تنہا سرد رات تھی جو ایک بار پھر اس کی خوشیاں نگل گئی تھی بالآخر وہ اپنے شل ہوتے جسم کو گھسیٹتا اپنے اپارٹمنٹ میں پہنچا جو اس نے بڑی چاہت سے رمی کے لئے سجایا تھا، آج اس کے کمرے کی ایک ایک چیز اس کی محبت، اس کے خواب اور اس کے ارمان کا مذاق اڑا رہی تھی، اس نے بے بسی سے خود کو بیڈ پر گرا دیا اور دل کو بمشکل سنبھالا اور دنیا و مافیہا سے بے گانہ ہو گیا، نیند میں ڈوبنے سے پہلے جو آخری سوچ اس کے ذہن کے پردے پر آئی تھی وہ یہ کہ اب وہ رمی کو کبھی نہیں دیکھ پائے گا۔

☆☆☆

اگلی صبح بڑی سوگوار تھی، رمی اب تک اپنے کمرے میں مقفل تھی، مسز جہانگیر کو رمی کی ہر گز پرواہ نہیں تھی، ان کا خیال تھا کہ اس طرح ایک بار کھل کر رو لینا ہی اس کے لئے بہتر ہے ایک بار وہ آذر کی بے وفائی کا سوگ منا لے گی تو زندگی اس کے لئے سہل ہو جائے گی، مگر یہ ان کی خام خیالی تھی۔

خوش مزاجی مشہور تھی ہماری سادگی بھی کمال تھی
ہم شرارتی بھی انتہا کے تھے اب سنجیدہ بھی بے مثال ہیں

شوخ چنچل سی رمی جواب سنجیدہ و متین رامین کے سانچے میں ڈھل گئی تھی اس نے خاموشی کا لبادہ اوڑھ لیا تھا مسز جہانگیر سے بھی

اس کا کم سے کم سامنا ہوتا ان کی اپنی سوشل مصروفیات تھی کرن بھی آفس سے آنے کے بعد خلاف معمول زیادہ تر اپنے کمرے میں وقت گزاری یا پھر بھی کبھار سامنے پارک میں چلے جاتی، رمی کا سامنا ہونے پر وہ نظریں چرا لیتی۔

☆☆☆

رامین ماضی کے بھول بھلیوں میں کھوئی تھی جب آسمان کے سرمئی آنچل میں بکھرے ستاروں نے تھک کر آنکھیں موندلیں اور سفیدی کے آثار نمودار ہوئے تو اسے وقت گزرنے کا احساس ہوا، اس کی آنکھیں اور چہرہ دونوں آنسوؤں سے تر تھے وہ پوری رات بے آواز روتی رہی تھی، اس کے آنسو جو اتنے دنوں سے اس کے دل پر گر رہے تھے آج انہیں جھیل جیسی آنکھوں سے رواں ہونے کا موقع مل گیا، اس نے اپنی انگلی کی پوروں سے آنسو صاف کیے، چاند کو شاہ خاور نے بادلوں میں چھپا کر خود اپنے روشن ہونے کا پتہ دیا تھا رمی نے وضو کر کے نماز ادا کی اور پھر دعا کے لئے ہاتھ اٹھا کر اس مالک حقیقی سے حال دل بیان کرنے لگی جو شہ رگ سے بھی قریب ہے جو ماؤں سے ستر گناہ زیادہ محبت کرتا ہے جو اپنے بندوں کو کبھی تکلیف میں نہیں دیکھ سکتا، جو لب ہلائے بغیر ہی اپنے بندوں کے دل کی بات سن لیتا ہے۔

''اے اللہ مجھے حوصلہ اور صبر دے، تو جانتا ہے میرے رب، میں مجبور و بے بس تھی ایک طرف وہ شخص تھا جس نے قدم قدم پر میری رہنمائی کی میرا ہمدرد اور راہ خضر بنا رہا اور دوسری طرف وہ ہستی جس کے قدموں میں تو نے جنت رکھ دی ہے میری ماں اور ان کا مان تھا، لہٰذا میں نے محبت اور ممتا میں سے ممتا کا مان رکھا کیونکہ یہ تیرا حکم ہے کہ ماں باپ کی عزت و تکریم تمام رشتوں سے اول اور مقدس ہے، اے اللہ تو جانتا ہے میں نے اس شخص کو دل جان بوجھ کر نہیں توڑا، مجھے معلوم ہے وہ سچا اور باکردار ہے، میں کبھی اس سے بدگمان نہیں ہو سکتی، یا رب میرے دل کو سکون دے اور مجھے معاف کر دے۔'' اللہ سے ہم کلام ہو کر دعا کے بعد دل کو تھوڑا قرار آیا تھا، اس نے رات بھر ایک ہی کروٹ بیٹھے اپنے شل ہوتے جسم کو بمشکل سہارا دیا اور تھک کر آنکھیں موندلیں۔

☆☆☆

اس کی آنکھ کسی کے تیز تیز بولنے اور پردہ سرکانے پر روشنی کی کرن کے کمرے میں آنے سے کھلی تھی، رمی نے کسلمندی سے آنکھیں کھول کر دیکھا تو مائرہ کو دیکھ کر حیران رہ گئی۔

''تم؟ اس وقت، اتنی صبح؟ خیریت تو ہے؟'' رامین نے اپنے کرلی بالوں کو سمیٹ کر کیچر میں قید کرتے پوچھا، مائرہ نے بغور اس کی طرف دیکھا، سرخ سوجی ہوئی آنکھیں بے آرامی اور رتجگے کی چغلی کھا رہی تھیں چہرہ بھی اداس اور سوگوار لگ رہا تھا اس نے تاسف سے رمی کی طرف دیکھا، اپنی اس پیاری دوست پر اسے بہت ترس آیا، زندہ دل، شوخ اور زندگی سے بھرپور لڑکی صرف چھ مہینے میں ہی شمع کی مانند پگھل کر اداسی کے سانچے میں ڈھل گئی تھی۔

''ہاں میں اور آپ کی اطلاع کے لئے عرض ہے کہ صبح کے نو بج رہے ہیں، مگر آپ تو رات بھر اس غم کا سوگ مناتی رہی جو آپ کے خود کا کیا دھرا ہے۔'' مائرہ نے اس کو ڈپٹتے ہوئے غصے سے کہا۔

''مائرہ! کم از کم تم تو ایسی بات مت کرو، تم تو میری ہم دم اور ہم راز ہو، تم جانتی ہو میں دوراہے پر کھڑی تھی ایک طرف ممی کی ممتا بھرا مان تھا تو دوسری طرف آذر کی محبت مجھے کسی ایک کو

منتخب کرنا تھا اور میں نے وہی فیصلہ کیا جو میرے اللہ کا بھی حکم ہے یعنی ماں جیسی جنت پر محبت قربان کر دی، بتاؤ میں نے برا کیا؟ میں محبت کا ہاتھ تھام کر اپنے ماں کے مان کو ملیا میٹ کر دیتی، ان کی ممتا کو پاؤں تلے روند کر محبت کو گلے لگا لیتی تو کیا خوش رہ پاتی، نہیں مائرہ مجھے اپنے فیصلے پر کوئی پچھتاوا نہیں۔'' رمی نے خود اعتمادی اور ازلی سکون سے جواب دیا۔

''وہ سب تو ٹھیک ہے مگر بعد میں تم آذر بھائی سے مل کر ان کی بدگمانی تو دور کر سکتی تھی، تمہیں اندازہ ہے تمہاری اس بے اعتمادی نے ان کی ذات کو کس طرح ریزہ ریزہ کر دیا ہے، پرسوں ملے تھے مجھے وہ شخص جس کی وجاہت اور ذہانت کی دنیا گن گاتی ہے جو اپنے ارادوں میں اٹل اور کردار کا پکا ہے جس نے آج تک کوئی میچ نہیں ہارا اسے محبت کے کھیل میں تمہاری بدگمانی نے شکست دے دی اور جانتی ہو تم اب بھی وہ صرف تمہارا پوچھ رہے تھے انہیں اب بھی صرف تمہاری فکر، تمہارا خیال ہے، جاؤ رمی منا لو انہیں، اس سے پہلے وقت تمہارے ہاتھ سے ریت کی طرح نکل جائے۔'' یہ کہہ کر مائرہ اسے سوچ کی ایک نئی ڈور تھما کر چلی گئی، اسے یقین تھا اس کی دوست کی خوشیاں اور محبت ضرور واپس ملے گی، بس اسے مناسب وقت کا انتظار تھا، اس نے آذر کو تمام حقیقت، رمی کے دل کی کیفیت اس کی مجبوری سب کچھ بتا دی تھی جس کو سن کر آذر مزید ڈسٹرب ہو گیا تھا۔

☆☆☆

کرن کی خاموشی کسی بڑے طوفان کا پیش خیمہ لگ رہی تھی بالآخر اس نے اپنی خاموشی توڑ ہی دی، جس نے مسز جہانگیر کے غرور و تکبر، ضد اور ہٹ دھرمی کو توڑ کر رکھ دیا۔

آج مسز جہانگیر خلاف معمول جلدی اٹھ گئیں تھیں وہ کرن سے آج فائنل بات کرنے والی تھی اسی وقت انہیں کرن اوپری زینے سے اترتے ہوئے نظر آئی اس کے ہاتھ میں کیری بیگ بھی تھا مسز جہانگیر نے اسے حیرانگی سے دیکھا۔

''ارے سویٹی! یہ اتنی صبح صبح کہاں جانے کا ارادہ ہے؟''

''خالہ جانی میں واپس جا رہی ہوں میں نے اپنا ٹرانسفر واپس اسلام آباد میں کروا لیا ہے، ماما کا فون آیا تھا وہ میرے بغیر اداس ہو رہی ہیں اور ویسے بھی مجھے یہاں رک کر اب کیا کرنا ہے، جس کی وجہ سے میں نے آپ کے کہنے میں آ کر اپنے آپ کو اتنا نیچے گرایا اپنی عزت کو داؤ پر لگایا جب وہ شخص ہی نہیں رہا تو اب مزید یہاں میرے قیام کا کوئی مقصد نہیں رہ جاتا، آذر نے میری آنکھیں کھول دی ہیں واقعی ایک لڑکی ہوتے ہوئے صرف آپ کی باتوں میں آ کر آپ کے دکھائے رنگین خواب کے جھانسے میں آ کر میں نے اپنی نسوانیت کو بھی گروی رکھ دی، شرم آتی ہے مجھے اپنے آپ سے، اینی وے، مجھے آپ سے صرف اتنا کہنا ہے کہ ہم قسمت کے آگے زبردستی نہیں کر سکتے ہوتا وہی ہے جو ہمارے مقدر میں ازل سے لکھ دیا جاتا ہے، اللہ نے آذر کو رمی کے لئے ہی بنایا ہے وہ اگر میرا ہو بھی جاتا تو کیا فائدہ جب اس کے دل میں میری کوئی عزت اور محبت نہیں ہوتی، آپ سے بھی گزارش ہے کہ اپنی نام نہاد انا اور ضد کو چھوڑ کر صرف اور صرف اپنی بیٹی کی خوشیوں کے بارے میں سوچیں، کہیں ایسا نہ ہو بہت دیر ہو جائے اور پچھتاوا آپ کا مقدر بن جائے۔'' کرن نے یاسیت سے ٹھہرے ٹھہرے لہجے میں کہا، مسز

جہانگیر تو اس کی باتیں سن کر ہی پریشان ہو گئی تھیں۔

''تم...... تم پاگل ہو گئی ہو جو اس طرح مجھے چھوڑ کر جا رہی ہو میں اتنی جلدی ہار ماننے والی نہیں، میں نے کہا ناں میرا وعدہ ہے اس بار کامیابی ہماری ہو گی۔''

''بس خالہ جانی بس اب میں مزید آپ کی باتوں میں آ کر خود کو نہیں گرا سکتی اور نہ ہی اپنا وقار مجروح کر سکتی ہوں، وہ تو آذر اتنے مضبوط کردار کا شخص تھا اگر اس کی جگہ کوئی اور ہوتا تو اس دن......'' یہ سوچ کر ہی کرن کو جھرجھری آ گئی۔

''اینی وے میں جا رہی ہوں میری باتوں پر غور ضرور کیجئے گا اور ہاں میں نے اپنے باس سر خاور کا پرپوزل قبول کر لیا ہے ان حالات میں یہ پرپوزل بھی شاید میرے والدین کی نیکی کا اجر ہے جس نے مجھے گرنے سے بچا لیا، امید کرتی ہوں آپ ساری کدورت بھلا کر میری شادی میں شرکت کرنے ضرور آئیں گی۔'' یہ کہہ کر کرن وہاں سے روانہ ہو گئی اور رمی ان تمام باتوں کو سن کر اپنے دل پر مزید بوجھ لئے کمرے کی طرف بڑھ گئی، مسز جہانگیر رمی کی آمد سے بے خبر تھیں۔

''ہونہہ پاگل ہو گئی ہے یہ لڑکی! جو اس طرح منزل کے قریب پہنچ کر لوٹ رہی ہے ارے جہانگیر کو میں ساری باتیں بتا کر انہیں مجبور کر دیتی کہ وہ آذر کو واپس لے آئے اور کرن سے شادی کرنے مجبور کرے مجھے یقین تھا کہ وہ ان کی بات ہرگز نہیں ٹالتا، ارے مجھے کیا؟ خود ہی اپنے پیروں میں کلہاڑی ماری ہے اور اپنے سے دوگنی عمر کے باس کا رشتہ بھی قبول کر لیا، خیر ابھی بھی آخری شطرنج کی بازی میرے ہاتھ میں ہے۔'' کچھ سوچتے ہوئے انہوں نے امریکہ میں راحیل کا نمبر ملایا۔

''ہیلو راحیل کیسے ہو بیٹا؟''

''میں ٹھیک ہوں پھپھو، آپ سنائیں آج کیسے یاد کر لیا؟'' راحیل نے ان سے فون کی بابت پوچھا۔

''ارے میں تو تمہیں ہر وقت یاد کرتی ہوں مگر تم تو امریکہ جا کر مجھے بھول ہی گئے۔'' مسز جہانگیر نے لہجے میں اداسی سموتے ہوئے کہا۔

''ارے نہیں پھپھو، آپ کو پتہ تو ہے یہاں کی لائف کتنی ٹف ہے صبح سے رات تک کام کرو جب کہیں جا کر گزارہ ہوتا ہے۔'' راحیل نے صفائی دی۔

''خیر یہ بتاؤ تم اگلے ماہ تک واپس آ سکتے ہو۔'' مسز جہانگیر نے اصل مدعا بیان کیا۔

''کیوں پھپھو؟ خیریت اتنی جلدی تو مشکل ہے آپ بتائیں سب ٹھیک تو ہے ناں؟''

''ہاں سب خیریت ہے بس مجھے تمہارا اور رمی کا نکاح کرنا ہے اس کے بعد تم اسے اپنے ساتھ امریکہ لے جانا تا کہ آذر جیسے آسیب سے چھٹکارا ملے۔'' انہوں نے اکتائے ہوئے لہجے میں جواب دیا۔

''میں اور رمی سے شادی؟ کیا ہو گیا ہے پھپھو آپ کو، وہ میری چھوٹی بہن ہے، پھپھو وہ صرف اور صرف آذر کے ساتھ خوش رہ سکتی ہے پلیز ان دونوں کے درمیان دائمی جدائی نہ ڈالیں۔'' راحیل نے رسانیت سے سمجھایا۔

''میں نے تم سے مشورہ نہیں مانگا بس تم آنے کی تیاری کرو اس کی ماں کی وجہ سے میرا بھائی ملک عدم سدھار گیا، تم دربدر ہو گئے اور میں اس کے بیٹے کو اپنا داماد بنا لوں کبھی نہیں۔''

''پھپھو آپ ابھی تک ماضی کی باتوں کو سینے سے لگائیں بیٹھی ہیں اب تو بابا اور ماما بھی اس دنیا میں نہیں رہے اور آپ اچھی طرح جانتی

ہیں بابا صرف اور صرف اپنی وجہ سے مریں، انہوں نے ساری زندگی میری ماں کو سکون کا سانس لینے نہیں دیا، ساری زندگی بغیر کوئی ذمہ داری اٹھائے گزار دی، شراب نوشی کی وجہ سے ان کے پھیپھڑے جواب دے گئے اور ٹی بی کی وجہ سے ان کا انتقال ہوا، پلیز اب آذر کی والدہ کو بخش دیں، وہ خوش قسمت تھیں کہ انہیں بابا جیسا شریک حیات نہیں ملا ورنہ ان کی زندگی بس میری ماں کی طرح سسکتے گزرتی۔'' راحیل نے انہیں احساس دلانا چاہا۔

''بس رہنے دو، نہ جانے اس لڑکے نے ایسا کیا جادو کر دیا ہے ہر کوئی اس کی ماں کے گناہ پر پردہ ڈال رہا ہے اور اس کی خصلتوں کے گن گا رہا ہے، تم بس جلد از جلد واپسی کی تیاری کرو۔'' مسز جہانگیر نے اس از لی ہٹ دھرمی سے کہا۔

''پھپھو میں فی الحال نہیں آ سکتا اور رمی سے شادی کے لئے تو ہرگز نہیں، ہاں اگر رمی کی شادی آذر سے ہوئی تو میں خوشی خوشی شرکت کروں گا ویسے بھی میں نے یہاں شادی کر لی ہے اور میری ایک بیٹی بھی ہے میں اپنی لائف میں خوش ہوں، مانتا ہوں آپ کا مجھ پر بہت احسان ہے آپ کی وجہ سے ہی آج میں اس قابل ہوا ہوں مگر پلیز میرا ایسا کوئی امتحان مت لیں جس پر میں پورا نہ اتر سکوں۔'' یہ کہہ کر راحیل نے سلسلہ منقطع کر دیا، مسز جہانگیر ابھی تک بے یقینی کی کیفیت میں ریسیور تھامے بیٹھی تھیں۔

''کیا راحیل نے شادی کر لی؟ یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ کرن مجھے چھوڑ کر چلی گئی اور اب راحیل بھی...... ان اپنوں کی خاطر میں نے ساری زندگی اپنے سسرال والوں سے عداوت رکھی جہانگیر کو بھی ہمیشہ ان کی بہن کا طعنہ دیتی رہیں، آذر کو اپنے انتقام کی وجہ سے تختہ مشق بنائے رکھا اور اور رمی میری بیٹی، آذر کے ساتھ کتنی خوش رہتی تھی ہر جگہ تتلی کی طرح اڑتی پھرتی اس کی رہنمائی میں کامیابیاں حاصل کرتی گئی اور میں نے اپنے بہن بھائیوں کے خاطر اپنی بیٹی کی آنکھوں میں چھپے آذر کے عکس سے بھی نظریں چرالیں، میری خاطر اس نے اپنی محبت کی قربانی دی، چھ مہینے میں ہی وہ مرجھا کر رہ گئی ہے اور آج میرے اپنے مجھے میری غلطیوں کا احساس دلا رہے ہیں، مجھے بالکل تنہا چھوڑ دیا۔'' مسز جہانگیر وہی اپنا دل پکڑ کر بیٹھتی چلی گئیں، اسی لمحے جہانگیر صاحب نے اندر قدم رکھا۔

''عالیہ...... عالیہ بیگم، کیا ہوا؟'' جہانگیر صاحب آگے انہیں سہارا دینے کے لئے بڑھے اسی وقت رمی بھی پاپا کی آواز سن کر اپنے کمرے سے آنے لگیں مگر اندر لاؤنج کا دل دہلانے والا منظر دیکھ کر وہ اپنے حواس کھونے لگی، جہانگیر صاحب جو پہلے ہی بیوی کی وجہ سے گھبرا گئے تھے اب بیٹی کی حالت دیکھ کر بالکل ہی ڈھے گئے، انہوں نے جلدی جلدی آذر کو کال ملائی، آذر تو یہ دردناک خبر سن کر ہی حواس باختہ ہو گیا، عجلت میں اس نے گاڑی کی چابی موبائل اور والٹ اٹھایا اور ریش ڈرائیونگ کرتے جہانگیر ولا پہنچا، جہانگیر صاحب ڈرائیور کی مدد سے بے ہوش و خرد سے بیگانہ ان دونوں کا وجود گاڑی میں ڈال رہے تھے آذر فوراً ان کی مدد کو آگے بڑھا، ڈاکٹروں کی دو گھنٹے کی مشقت اور ان کی دعاؤں سے رمی کو ہوش آ گیا تھا اس کا نروس بریک ڈاؤن ہوا تھا۔

اگر بروقت ٹریٹمنٹ نہ دی جاتی تو اس کے دماغ کی رگ پھٹنے کا خدشہ تھا، ہوش میں آتے ہی اس نے جو چہرہ اپنے سامنے دیکھا وہ بابا اور آذر کا تھا، اتنے سالوں بعد باپ کو سامنے دیکھ کر رمی بے قابو ہو گئی، ان سے لپٹ کر اس نے اپنے اندر

جمع سارے دکھ، سارا کرب ان کے شفیق کندھوں پر اشک کی صورت بہا دیا، آذر بھی اسے پورے چھ مہینے دو دن بعد اس لڑکی کو اذیت سے دیکھ رہا تھا وہ کامنی سی لڑکی صرف اپنی ماں کی جھوٹی انا، ضد اور انتقامی جذبے کے بھینٹ چڑھ گئی تھی جہانگیر صاحب بھی اس کی خستہ حالی دیکھ کر رو پڑے تھے۔

''بابا! اب ماما کیسی ہیں؟ میں ان کے بغیر نہیں رہ سکتی بابا، انہوں نے جو چاہا میں نے وہی کیا، پھر کیوں وہ مجھ سے روٹھ گئیں؟ بابا پلیز ان کو کہیں اپنی رمی کی خاطر زندگی کی طرف لوٹ آئیں۔'' رمی نے روتے ہوئے ٹوٹے پھوٹے خستہ لہجے میں کہا، اس کی آواز مسلسل رونے سے بھرا گئی تھی آذر سے یہ منظر نہیں دیکھا گیا، وہ کمرے سے باہر کوریڈور میں چلا گیا مگر اس کی ساری توجہ اندر موجود وجود پر تھی جو اس کی متاع جاں، اس کی زندگی کا واحد سہارا تھی، ماں باپ کے بعد اب اس کو کھونے کا اس میں حوصلہ نہیں تھا۔

''اب وہ بہتر ہیں بیٹے انہیں ہارٹ اٹیک ہوا تھا، مگر اللہ کا شکر ہے، بروقت آذر کے پہنچنے پر اب ان کی جان خطرے سے باہر ہے، میرا تو حوصلہ ہی جواب دے گیا تھا میں جو اتنے عرصے بعد گھر لوٹا تھا، اچانک ملنے والی اس اندوہناک صورتحال نے میرے حواس مفلوج کر دیئے تھے، اگر آذر نہ ہوتا تو میں اکیلے کچھ نہیں کر سکتا تھا۔'' ماما کی خیریت سن کر رمی کے دل کو کچھ قرار ہوا، اب اس کا دھیان آذر کی طرف تھا جو ابھی ابھی مائرہ اور ڈاکٹر کے ساتھ کمرے میں داخل ہوا تھا، مائرہ نے ساتھ لایا بکے رمی کے سرہانے رکھا اور اسے جھک کر پیار کیا، جس پر رمی کی آنکھیں نم ہو گئیں پھر اس کی نظر ساتھ کھڑے آذر پر گئی جو ڈاکٹر سے اس کا احوال پوچھ رہا تھا، چھ مہینے میں وہ کتنا بدل گیا تھا، اس کی خوش لباسی، خود اعتمادی اور اسٹائل کی خاندان کے تمام لڑکے تقلید کرنے کی کوشش کرتے، چہرے پر رہنے والی مخصوص نرم مسکراہٹ، شگفتگی و بشاشت سب وقت کے بے رحم ہاتھوں تباہ ہو گئے تھے، رمی نے کرب سے آنکھیں موند لیں، اب وہ مسکن دواؤں کے زیر اثر سو رہی تھی مائرہ کو رخصت کر کے آذر، جہانگیر صاحب کے ساتھ، مسز جہانگیر کے کمرے میں آیا، ان کے بازو میں لگی ڈرپ آہستہ آہستہ ان کی رگوں میں داخل ہو کر انہیں زندگی کی طرف واپس لا رہی تھی، جہانگیر صاحب اور آذر نے کرب سے انہیں دیکھا، ان کی ضد، ہٹ دھرمی اور غرور نے انہیں کہیں کا نہیں چھوڑا تھا، انتقام کی آگ میں جلتے جلتے آج وہ خود شکستہ حال ہو گئی تھیں، چوبیس گھنٹے کے بعد انہیں مکمل ہوش آیا، مگر وہ بالکل خاموش تھیں، ایک ایسی جامد خاموشی جو کسی بڑے طوفان کے گزرنے کے بعد ماحول پر چھا جاتی ہے لیکن وہ طوفان اپنے ساتھ سب کچھ بہا کر لے جاتا ہے، جیسے اب ان کا دل بالکل خالی اور ہر طرح کے جذبے سے عاری تھا، ان کا سارا طمطراق اور غرور جھاگ کی طرح بیٹھ گیا تھا، جہانگیر صاحب نے تاسف اور دکھ سے اپنی نصف بہتر کو دیکھا، ان دو دنوں میں آذر نے جس طرح ان کا خیال رکھا تھا، اگر ان کا سگا بیٹا بھی ہوتا تو شاید اس طرح حق پدریت ادا نہ کر سکتا، جہانگیر صاحب کو اپنے بھانجے پر پہلے سے زیادہ فخر محسوس ہوا وہ اس بڑھاپے میں ان کا بازو تھا۔

گھر شفٹ ہونے کے بعد بھی وہ مسز جہانگیر کا خیال رکھ رہا تھا ہر ہفتے ان کو باقاعدگی سے چیک اپ کے لئے لے جاتا، ان کی میڈیسن اور ڈائٹ کا خیال رکھنا سب اس کے ذمہ

داری تھی، رمی بھی آہستہ آہستہ صحت یاب ہو رہی تھی، ان دنوں آذر اپنا بزنس اور دیگر مصروفیات ترک کیے صرف جہانگیر ولا کو وقت دے رہا تھا۔

☆☆☆

آج رمی کچھ بہتر محسوس کر رہی تھی، کمرے میں لیٹے لیٹے وہ اکتانے لگی تھی لہٰذا ملازمہ کے سہارے وہ ماما کے کمرے میں آگئی۔

''ماما کیسی ہیں آپ؟ اگر آپ کو کچھ ہو جاتا تو میں بھی زندہ نہیں رہتی ماما، مجھے آپ کی زندگی سے بڑھ کر کچھ عزیز نہیں۔'' اس نے روتے ہوئے مسز جہانگیر کے ہاتھوں کو چوما، مسز جہانگیر کی آنکھیں اس کی محبت پر بھیگ گئیں، انہوں نے رمی کو خود سے لپٹا لیا، انہیں پتہ چلا تھا کہ ان کی بیٹی ان کی وجہ سے موت کے دہانے سے واپس لوٹی ہے۔

''رمی میری جان، میری زندگی مجھے معاف کر دو بیٹے، میں نے نہ صرف خود پر بلکہ تم پر اور آذر پر بھی بہت ظلم کیا میں نے ہمیشہ تم لوگوں کی خوشی اور محبت پر اپنی انا اور اپنے گھر والوں کی محبت کو ترجیح دی ثمر کرن اور راحیل نے مجھے سچ کا آئینہ دکھا کر میری آنکھیں کھول دی ہیں۔'' اسی وقت آذر دواؤں اور جوس کا شاپر لئے کمرے میں داخل ہوا، مسز جہانگیر نے ندامت سے اس کی طرف دیکھا، شکن زدہ لباس میں وہ برسوں کا بیمار اور تھکن زدہ لگ رہا تھا، ان دو ہفتوں میں اپنا آرام سکون بھلائے شب و روز جس طرح اس نے ان کی خدمت کی تھی وہ انہیں شرمندگی و عرق ندامت کے سمندر میں ڈبوئے جا رہی تھی، وہ لڑکا جو ہمیشہ ان کے عتاب کا نشانہ بنا رہا، ہر وقت اس کے اس کی شریف اور بے قصور ماں کی تضحیک و توہین کرنا اور زہریلی طنزیہ باتیں کرنا یہ سوچے بغیر کہ اس معصوم کم سن بچے کے دل پر کیا گزرتی ہو گی، صرف اپنی انا کے زعم میں اس کی محبت و خلوص کو دھتکارتی رہی اپنی تمکنت و غرور کا علم اونچا رکھا، صرف اسی پر بس نہیں، بلکہ اپنی سگی بھانجی کو مہرہ بنا کر اس کے مضبوط کردار پر کیچڑ اچھالی اس پر اتنا گھٹیا اور رکیک الزام لگایا، آج وہ اس کے سامنے خود کو معافی کے قابل بھی نہیں سمجھ رہی تھیں، آذر ان کے قریب آیا۔

''اب کیسی طبیعت ہے مامی آپ کی؟''

آذر نے دواؤں کا بیگ سائیڈ ٹیبل پر رکھتے ہوئے بوجھل تھکے انداز میں پوچھا، بس اس کے اتنا پوچھنے کی دیر تھی کہ مسز جہانگیر نے اس کے آگے اپنے دونوں ہاتھ جوڑ دیئے، ان کی آنکھوں سے اشک ندامت رواں تھے۔

''آذر میرے بیٹے مجھے معاف کر دو، اگرچہ میں نے بچپن سے تمہارے ساتھ جو نازیبا سلوک و رویہ رکھا تمہاری پاکباز ماں کے کردار کو اپنی کم ظرف اور گھٹیا باتوں سے طنز و تحقیر کا نشانہ بنائے رکھا، تمہاری ذات اور کردار پر جس طرح الزام تراشی کی ان سب ناروا سلوک پر میں معافی کے قابل تو نہیں مگر پھر بھی بیٹے، تمہیں تمہاری مرحوم ماں کی محبت کا واسطہ ان کے صدقے مجھے گنہگار کو معاف کر دو۔'' مسز جہانگیر نے ندامت سے آنکھیں چراتے ہوئے بھرائی ہوئی آواز میں معافی طلب کی، آذر کے ساتھ رمی کا دل بھی ان کی حالت زار پر پگھل کر رہ گیا۔

''پلیز مامی! مجھے مزید گنہگار نہ کریں آپ نے جو کچھ بھی میرے ساتھ رویہ رکھا اسے میں بھول چکا ہوں، ماموں نے جس طرح مجھے سہارا دیا، مجھ پر بھروسہ کیا میں ان کا احسان کبھی نہیں اتار سکتا اور آپ سے بھی نادانی میں جو بھی غلطی ہوئی میں وہ سب رنجشیں اور تکلیف دہ باتیں فراموش کر چکا ہوں آپ میری ماما کی طرح ہیں

اور مائیں بیٹوں سے معافی مانگتے اچھی نہیں لگتیں۔'' یہ کہہ کر آذر نے ان کے بندھے ہاتھوں کو کھول کر خود سے لگا لیا، مسز جہانگیر اس کی اعلیٰ ظرفی کی دل سے قائل ہو گئیں، بدگمانی کے بادل چھٹ چکے تھے دکھوں کی دھوپ کی جگہ سکھوں کی چھاؤں نے لے لی تھی اب جہانگیر ولا میں پھر سے خوشیوں کا بسیرا تھا، مسز جہانگیر رمی اور آذر کا بالکل بچوں کی طرح خیال رکھ رہی تھیں وہ اس طرح اتنے برسوں کی کوتاہی کی تلافی کرنا چاہتی تھیں، سب کچھ معمول پر آ چکا تھا بس رمی ہی تھی جو ابھی تک ویسے ہی خاموش اور سنجیدہ مزاج تھی اس کے اندر آذر کا سامنا کرنے کی ہمت نہیں تھی۔

☆☆☆

آج بھی مائرہ اس کے پاس اسے سمجھانے آئی تھی۔

''یار! ایسا کب تک چلے گا، اب تو سب کچھ ٹھیک ہو چکا ہے، آنٹی بھی اپنے رویے پر آذر بھائی سے معافی مانگ چکی ہیں مگر تم ابھی تک ان سے کھنچی کھنچی ہو جب کہ قصور بھی تمہارا تھا، تمہیں اندازہ ہے وہ صرف تمہاری ایک آواز، ایک پکار کے منتظر ہیں، پلیز رمی توڑ دو یہ بے نیازی کا خود ساختہ خول اور آذر بھائی کو ان کی محبت و خلوص کی اتنی بڑی سزا مت دو، ایسا نہ ہو وہ تمہاری پکار کا انتظار کرتے کرتے تھک کر اپنی راہ بدل لیں۔'' مائرہ کی آخری بات پر اس نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

''ہاں رمی! میں صحیح کہہ رہی ہوں، کیا تم ان کے بغیر جینے کا تصور کر سکتی ہو، تمہاری حزن و ملال میں ڈوبی آنکھیں آج بھی ان کے عکس سے آباد ہیں، تمہیں یاد ہے جب میں اس دن صبح تم سے ملنے آئی تھی تو تم نیند میں آذر بھائی کا نام لے رہی تھی۔'' رمی نے اس کی بات پر آنکھیں چرا لیں، اس کے پاس مائرہ کے سوالوں کا کوئی جواب نہیں تھا آج کل اس کے اندر دل و دماغ میں ایک سرد جنگ چل رہی تھی، دل بڑھ کر آگے بڑھ کر محبت کا ہاتھ تھام لے دماغ اسے دھتکار دیتا کہ نہیں اس نے بے گناہ انسان کا دل دکھایا ہے اپنی بدگمانی و بے اعتباری سے اس کی محبت کی توہین کی ہے وہ اس کے قابل نہیں، لیکن آج مائرہ کی باتوں سے اندازہ ہوا وہ تو آج بھی اس کے دل کے مسند پر براجمان ہے اس کے بغیر جینے کا تصور تو دور کی بات ایسا سوچ کر بھی اس کی سانسیں تھمنے لگتیں ہیں، بالآخر اس نے ایک فیصلہ کیا اور اس پر عمل کرنے کے ارادے سے اپنی ہمت کو مجتمع کرتے آذر کے کمرے کا رخ کیا مائرہ نے اس موقع پر اس کی ہمت بندھائی۔

☆☆☆

مجھے آواز دے دینا
اگر زندگانی کے دکھ
تمہیں آزار پہنچائیں
کوئی جلتی ہوئی ساعت، کوئی بجھتا ہوا لمحہ
تمہارے دل پر دستک دے
تو ہم کو یاد کر لینا
مجھے آواز دے دینا

آذر اپنے لیپ ٹاپ پر کوئی کام کر رہا تھا رمی کو دیکھ کر اسے تھوڑی حیرانی ہوئی مگر اپنی حیرانگی کو ظاہر کیے بغیر وہ بظاہر اپنے کام میں مصروف رہا مگر اس کی ساری توجہ اور حس ساعت اس کی طرف تھی، جو عادت کے مطابق سر جھکائے اندرونی گھبراہٹ کے زیر اثر اپنے ناخنوں سے کھیل رہی تھی، آذر کے لبوں پر بے ساختہ مسکراہٹ رینگ گئی جسے اس نے کمال ہوشیاری سے چھپا لیا۔

''آذر!'' بالآخر اس نے اسے پکارا، آذر جو کب سے اس پکار کا منتظر تھا بے ساختہ اس کی طرف گھوما۔

''ہاں کہو، کیا بات ہے اور آج تم نے میرے کمرے میں آنے کی کیسے زحمت کر لی تمہاری نظر میں تو میں ایک بے اعتبار سا بندہ ہوں۔'' آذر نے اس کے گزشتہ رویئے پر چوٹ کی رمی کی آنکھیں اس کے اجنبی روکھے لہجے پر نمکین پانی سے بھرنے لگیں، اس نے دھندلی آنکھوں سے آذر کی طرف دیکھا اب آذر کا حوصلہ بھی جواب دے گیا تھا مزید تنگ کرنے کے ارادہ ترک کر کے وہ رمی کو دونوں بازوؤں سے نرمی سے تھامے اپنے مدمقابل بیڈ پر لے آیا۔

''ہاں اب کہو، کیا کہنا ہے؟ میں ہمہ تن گوش ہوں۔'' رمی اس کے شوخ لہجے پر غور کیے بغیر شروع ہو گئی۔

''آذر! پلیز مجھے معاف کر دیں، میں نے آپ پر آپ کی محبت پر اعتبار نہیں کیا آپ کی دوستی آپ کے مان اور خلوص کو ایک لمحے میں اپنی بدگمانی سے ملیا میٹ کر دیا، آپ کی ذات کی دھجیاں اڑا دیں، مگر آذر آپ میرا یقین کریں میں اس لمحے بیچ منجدھار تھیں ایک طرف آپ اور آپ کی محبت تھی اور دوسری طرف میری ماں اور ان کا مان بالآخر مجھے اپنی محبت کا گلہ گھونٹ کر اپنی ماں کے مان کو زندہ رکھنا پڑا، میں آپ سے بالکل بدگمان نہیں ہو سکتی مجھے آپ پر خود سے بھی زیادہ بھروسہ ہے۔'' یہ کہہ کر رمی اس کے شانے سے لگ کر ہچکیوں سے رو پڑی، آذر نے اسے سارا غبار آنسوؤں کے ذریعے نکالنے دیا، اسے بھی کسی ایسے ہی مہربان کندھے کی تلاش تھی، وہ بے اختیاری میں آنسو بہا کر اس کے گریبان کو تر کرتی گئی اور بے خیالی میں ہی آذر کے جلتے تپتے دل کو ٹھنڈک و قرار آتا گیا، جب دل ہلکا ہوا تو اس سے ایکدم الگ ہو کر اپنی بے اختیاری پر آنکھیں چرانے لگیں۔

''او کے رمی! مجھے تم سے کوئی گلہ نہیں شاید یہ سب کچھ ہماری قسمت میں اسی طرح لکھا تھا، مائرہ نے مجھے تمہاری مجبوری، تمہاری بے بسی سب کچھ بتا دیا تھا مجھے تم پر فخر ہے رمی، تم نے میری تربیت و محبت کا مان رکھا اور محبت کی جگہ ماں کی ممتا کو ترجیح دی تم نہیں جانتی رمی، کہ ان باتوں سے باخبر ہونے کے بعد میری تم سے ناراضگی دور ہو گئی تھی اور مجھے تم مزید اپنے دل کے قریب لگی تھی۔'' آذر نے اس کے آنسو اپنی انگلی کی پوروں سے پونچھتے ہوئے محبت سے کہا، رمی رونا بھول کر اس کی طرف دیکھنے لگی جہاں اس کی آنکھوں میں محبت کا ایک جہان آباد تھا، اتنے دنوں بعد اسے اپنا دل پرسکون ہوتا محسوس ہوا۔

''تو آپ نے مجھے معاف کر دیا ناں۔'' اس نے معصومیت سے اپنی سرخ ہوتی ناک کو سکیڑتے ہوئے پوچھا۔

''ہوں مگر ایک شرط ہے؟''

''وہ کیا؟'' رمی نے بے ساختہ پوچھا۔

''وہ یہ کہ مجھے اپنی وہی شوخ چنچل مسکراتی کھلکھلاتی زندگی سے بھرپور رمی چاہیے جو ہر وقت میرا دماغ کھاتی رہتی تھی۔'' رمی نے آخری بات پر اسے گھور کر دیکھا۔

''ارے واہ، یہ ہوئی نا بات، اب لگا ناں میں اپنی رمی سے بات کر رہا ہوں قسم سے یار تمہاری روتی بسورتی شکل دیکھ کر میرا ارادہ بدلنے لگا تھا۔''

''کیسا ارادہ؟''

''یہی کہ مجھے تمہاری محبت سے دستبردار ہو جانا چاہیے ویسے بھی لڑکیوں کی کمی تھوڑی ہے۔'' آذر نے کن انکھیوں سے اس کے چہرے کے تاثرات کا جائزہ لیتے اسے بھڑکانا چاہا۔

''کیا...... کیا پھر سے کہیے؟ جان لے لونگی اپنی اور آپ کی بھی اگر آئندہ جدائی کی بات کی۔'' رمی نے اس کے اوپر کشن کی بارش کردی۔

''اچھا...... اچھا بابا تم تو ابھی سے ظالم بیوی بن گئی ہو، ہاں یاد آیا تمہاری کوکنگ کہاں تک پہنچی تمہیں اپنا وعدہ یاد ہے ناں؟'' آذر نے اس کے ہاتھ سے کشن لئے مصالحتی انداز میں کہا۔

''کون سا وعدہ؟'' رمی نے حیرت سے پوچھا۔

''ارے وہی نئی نئی ڈشز بنا کر تم اپنے پیارے پیارے نازک ہاتھوں سے مجھے کھلاؤ گی۔''

''آذر!'' رمی کی اس کی اتنی بے باکی پر چہرہ سرخ ہوگیا اس سے کچھ بولا ہی نہیں گیا، اسی وقت مائرہ نے انٹری دی۔

''میرا خیال ہے اندر کا موسم کافی خوشگوار ہو چکا ہے، شکر اللہ کر کے کفر ٹوٹا، آذر بھائی یقین کریں یہ تو آپ کے ہجر میں غم کی تفسیر بنی پھرتی تھی ہر وقت ایف ایم پر دکھی شاعری سناتی۔''

''مائرہ کی بچی تمہیں تو میں بتاتی ہوں اور ایف ایم سے یاد آیا ہے۔'' اس نے آذر کی طرف مڑتے ہوئے کہا جو ان دونوں کی نوک جھوک سے محظوظ ہو رہا تھا۔

''پچھلے دنوں جو میں نے محبت کے حوالے سے ٹاپک رکھا تھا اس میں وہ گمنام میسج آپ نے کیا تھا ناں؟'' رمی نے تفتیشی انداز میں پوچھا۔

''ہاں۔'' آذر کا برجستہ جواب آیا تھا۔

''میں تمہارا ہر شو سنتا ہوں تم کو دیکھ نہیں سکتا تھا مگر تمہاری آواز تو سن سکتا تھا اور اس دن تم نے ٹاپک پر اپنے خوبصورت خیالات کا اظہار کیا تو میں خود پر اعتبار کھو بیٹھا اور تمہیں ایس ایم ایس کر دیا ویسے بھی تم پر چھائے جمود کو توڑنے کے لئے ایسا کرنا ضروری تھا مجھے مائرہ کے ذریعے تمہارے بارے میں ایک ایک رپورٹ ملتی تھی کہ محترمہ میرے فراق میں آج کل اداس شاعری اور پینٹنگ کرنے لگی ہیں۔'' آذر گمبھیر لہجے میں کہتے ہوئے آخر میں ایکدم شوخ ہوا، رمی کو مائرہ کی دوستی پر فخر محسوس ہوا واقعی آذر کی جدائی میں مائرہ نے جس طرح ہر پل اس کا ساتھ دیا، اس کا دکھ بانٹا وہ قابل تحسین ہے، اس نے تشکر کے جذبات سے مغلوب ہو کر مائرہ کی طرف دیکھا تو اس نے اسے مسکرا کر گلے لگا لیا۔

☆☆☆

''جی جناب اب تو آپ دونوں کی طرف سے صلح کی خوشی میں اچھی سی ٹریٹ ہونی چاہیے اور ہاں آپ دونوں کے لئے گڈ نیوز ہے ابھی ابھی مابدولت کو آپ ڈیٹ ملی ہے کہ انکل اور آنٹی عید کے فوراً بعد یعنی صرف دو مہینے بعد سال نو میں آپ دونوں کو ہمیشہ کے لئے محبت کی زنجیر یعنی شادی کے بندھن میں باندھنے والے ہیں تاکہ آپ کو پھر کوئی جدا نہ کر سکے، تو آذر بھائی اس سال نو کے آغاز پر آپ قربانی کا بکرا، میرا مطلب ہے رمی کو اپنے پلے ہمیشہ کے لئے باندھنے کے لئے تیار ہو جائیں۔'' آذر نے اس کی بات پر مسکرانے پر اکتفا کیا جبکہ رمی اسے گھور کر رہ گئی تھی مگر آج تو شاید مائرہ کو رمی کے غصے کی مطلق پرواہ نہیں تھی۔

''اور ہاں سال نو کے آغاز کے اسپیشل شو میں آپ دونوں میرے شو میں پرفیکٹ کپل کے طور پر شرکت کر رہے ہیں۔'' مائرہ تو سب کچھ

پہلے سے ہی سوچ کر بیٹھی تھی اس کی بات پر رمی کسمسا کر رہ گئی جبکہ آذر اس کے آئیڈیا کو سراہے بغیر نہ رہ سکا۔

''واؤ زبردست آخر رمی کے پرستار کو بھی معلوم ہونا چاہیے اس کے چاہنے والے بھی اس سے کس طرح کم نہیں۔'' ان دونوں کی بات پر رمی وہاں سے غصے میں واک آؤٹ کر گئی، پیچھے اسے مائرہ اور آذر کی خوشی سے بھرپور قہقہہ سنائی دیا تو رمی کے لبوں پر بھی خوبصورت مسکراہٹ ٹھہر گئی، جبکہ لاؤنج میں موجود مسز جہانگیر نے مسکرا کر اپنے شریک حیات کی طرف دیکھا اب ان کا رواں رواں اللہ کے حضور شکر گزار تھا، انہوں نے اپنے بچوں کی دائمی خوشیوں کے لئے دل سے دعا کی، جھوٹی انا، ضد، غرور اور نفرت کو محبت کی طاقت نے زیر کر لیا تھا اب ہر طرف صرف محبت و چاہت کے رنگ تھے۔

☆☆☆

شادی کی تیاری میں وقت گزرنے کا پتہ ہی نہیں چلا اور بالآخر دسمبر کے آخری ہفتے کی ایک سرد سرمئی شام میں رمی کو حسب روایت پیلے اور ہرے جوڑے میں آذر کے نام کی حنا لگا کر مایوں بٹھا دیا گیا، جس میں مائرہ نے خوب بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور رمی کی دوست کے ساتھ ساتھ آذر کی بہن ہونے کا بھرپور حق ادا کیا۔

مسز جہانگیر نے اپنے تمام ارمان دل کھول کر پورے کیے انہوں نے رمی کی ماں ہونے کے ساتھ ساتھ آذر کی ماں کا کردار بھی بخوبی ادا کیا، جس کی وجہ سے آذر کے دل میں بچپن سے ماں کی محرومی کی وجہ سے پنپنے والی حسرت ان کی ممتا بھری چھاؤں سے دور ہو گئی تھی، کرن اور راحیل نے بھی شادی میں خوشی خوشی شرکت کی، کرن نے اپنے گزشتہ رویے پر آذر اور رمی سے معافی مانگی، دونوں نے اعلیٰ ظرفی کا مظاہرہ کرتے اسے معاف کر دیا تھا ویسے بھی قسمت نے اس سال کی یخ بستہ کہر میں لپٹی آخری شب میں ان کی محبت واپس لوٹا دی تھی، لہٰذا انہیں کرن سے کوئی شکوہ نہیں تھا، مائرہ نے اپنے پلان کے مطابق سال نو کا اسپیشل شو ان دونوں کے اعزاز میں رکھا تھا، کالرز اور ایس ایم ایس کی بھرمار تھی ہر کوئی سال نو کے امنگوں اور امید بھرے دن کے آغاز پر خوش تھا تمام پرستار رمی کو سال نو کے ساتھ ساتھ شادی کی مبارکباد بھی دے رہے تھے اور ان کی آئندہ خوشگوار ازدواجی زندگی کے لئے دعا گو تھے، رمی اور آذر مسکرا کر شکریے کے ساتھ ان کی پرخلوص محبتوں کو وصول کر رہے تھے۔

''جی تو سامعین، آپ کی محبتوں کا بہت بہت شکریہ آخر میں آج میں شو کے اسپیشل گیسٹ آذر بھائی سے یہ سوال کرنا چاہوں گی کہ ان کی نظر میں محبت کیا ہے؟'' مائرہ کے سوال پر آذر نے مسکرا کر رمی کی طرف دیکھا اور پھر اس کی گمبھیر محبت میں ڈوبی آواز مائیک سے نکل کر ہوا کے دوش پر تمام حساس دلوں کی دھڑکن بن گئی۔

''میری نظر میں محبت ایک ایسا پودا ہے جس کی آبیاری اعتبار کے پانی سے ہوتی ہے کیونکہ یہ محبت کرنے والوں کے دلوں پر اگتا ہے اور اس پر وفا کے کھلنے والے پھول ان کی زندگی کو مہکائے رکھتے ہیں۔''

''ویلڈن!'' مائرہ نے اسے سراہا۔

''محبت خوبصورت انداز میں آپ نے محبت کی تعریف کی، ہاں تو سوئیٹ سی رامین، شو کے اختتام پر آپ اپنے سامعین سے کچھ کہنا چاہیں گی؟'' اب اس کا رخ رمی کی طرف تھا۔

''سب سے پہلے میں آپ کا اور ایف ایم کی پوری ٹیم کا شکریہ ادا کروں گی جنہوں نے

ہمارے لئے آج کا دن اسپیشل بنایا اور اپنے تمام سننے والوں کا شکریہ جنہوں نے پہلے دن جب میری آواز اس اسٹوڈیو کے مائیک سے نکل کر ہوا کے دوش پر ان کی سماعتوں کی نظر ہوئی تب سے اب تک میری ہمت افزائی کی مجھے سراہا، مجھے پسند کیا اور میرے ساتھ ہمقدم رہے اور اپنی پیاری سی دوست مائرہ اور میرے کزن جو اب میرے ہسبینڈ بھی ہیں ان کی دوستی اور محبتوں کی وجہ سے میں نے رمی سے آر جے رامین تک کا سفر خود اعتمادی سے طے کیا، میں ان کی محبتوں کی قرض دار ہوں جو تا زندگی ادا نہیں کر سکتی۔'' ان خوبصورت الفاظ کے ساتھ شو کا اختتام ہوا سر عادل اور تمام ایف ایم کی ٹیم نے ان کے اعزاز میں ڈنر کا اہتمام کیا تھا جس سے فارغ ہو کر آذر سب سے ملنے کے بعد باہر پارکنگ سے گاڑی نکالنے چلا گیا جبکہ رمی اب مائرہ کا شکریہ ادا کر رہی تھی۔

''مائرہ میں تمہیں ان دو ہفتوں میں بہت مس کروں گی جس طرح تم نے قدم قدم پر میرا ساتھ دیا میرے دکھ سکھ میں میرا سایہ بنی رہی میں دل سے تمہاری مشکور ہوں۔'' رمی کی آنکھیں بھیگ گئی تھیں، مائرہ نے بھی نم آنکھوں سے اسے گلے لگایا، اسے خوشی تھی کہ اس کی دوست کی روٹھی ہوئی محبت اور آنکھوں کی شوخی واپس لوٹ آئی تھی، جب وہ باہر آئی تو آذر سر پر گوگلز لگائے اوپر آسمانوں کی وسعت میں کچھ ڈھونڈنے میں کھویا ہوا تھا اس کے لبوں پر وہی مخصوص نرم اور مطمئن سی مسکان تھی جو مد مقابل کو تسخیر کر لیتی تھی، رمی محویت سے اسے دیکھے گئی۔

''کیا ہوا مسز؟ کیا بہت ہینڈسم لگ رہا ہوں، نظر لگانے کا ارادہ ہے؟'' آذر نے جیبوں میں ہاتھ ڈالتے ہوئے شوخی سے اسے چھیڑا، رمی اس کی بات سن کر جھینپ گئی وہ اس کے وجود سے اتنا بھی بے خبر نہیں تھا جتنا وہ سمجھ رہی تھی، مگر پھر اپنے اسی مخصوص بے نیازی والے انداز میں جواب دیا۔

''اوہ خوش فہمی بہت ہے جناب کو۔'' ہاہاہاہا آذر کا قہقہہ بے ساختہ تھا۔

''ارے ڈیئر جس کی تم جیسی من موہنی صورت والی پیاری سی دوست اور مسز ہو تو خوش فہمی تو بنتی ہے ناں؟ ویسے بائی داوے ہم ہنی مون پر لندن جا رہے ہیں ناں؟'' آذر نے اسے ایک بار پھر بولنے پر اکسایا کیونکہ لندن اسے نا پسند تھا۔

''جی نہیں پیرس۔'' رمی نے پھولے پھولے منہ کے ساتھ بے ساختہ کہا جس پر آذر کے لبوں میں دبا قہقہہ بے ساختہ تھا اب رمی کی ہنسی کی جھنکار بھی اس میں شامل ہو گئی تھی آسمان کی وسعت پر چمکتا سال نو کا باریک روشن چاند اور اس کے جھرمٹ میں سرگوشی کرتے ستارے بھی ان محبت کرنے والے دلوں کی دائمی خوشیوں کے لئے محو دعا تھے، یہ نیا سال رمی اور آذر کے لئے ملن اور خوشیوں کا پیغام لے کر آیا تھا۔

گھڑی کی کہانی وقت کی زبانی

طیبہ مرتضیٰ

شینا نے بری طرح روتے ہوئے ہچکیوں کے درمیان اپنا ناک صاف کیا جس سے کافی مضحکہ آمیز آواز نکلی سامنے والے صوفے پر بیٹھی ہوئی شینا کی بھابھی رانیہ نے ناگواری سے پہلو بدلا وہ اس وقت صرف پہلو ہی بدل سکتی تھی کیونکہ اس وقت وہاں بیٹھنا اس کی مجبوری تھی ورنہ وہ اپنے سسرال والوں کو ذرہ بھر بھی خاطر میں نہ لاتی تھی، رانیہ کے ساتھ والے صوفہ پر مسز وقار بیٹھی ہوئیں تھیں، سب اس وقت اس ہال نما سیٹنگ روم میں بیٹھے تھے اور اس انتظار میں تھے کہ کب وکیل صاحب آکر وقار صاحب کی وصیت پڑھ کر سنائیں، تھوڑی تھوڑی دیر بعد شینا ہائے پاپا کا نعرہ بلند کرتے زور وشور سے رونے میں مشغول ہو جاتی تھی، اس کا نیا نویلا دولہا عمر اسے چپ کرانے میں مصروف تھا، شینا کا رونا وصیت کے انتظار میں بیٹھی رانیہ کو تو ناگوار گزر رہی رہا تھا، مسز وقار کے اعصاب بھی بری طرح جھنجھنا رہے تھے وہ بار بار اسے پیار سے پچکارتے ہوئے خاموش کروا رہی تھی مگر شینا بار بار اپنے باپ کی کوئی بات یاد کرتے ہوئے بری طرح سے مچل کر رونا شروع کر دیتی سامنے لگے ہوئے وال کلاک نے بارہ بجے کا اعلان کیا شینا نے گھڑی پر نظر ڈالی اور بولی۔

''ہائے اللہ پاپا کتنے شوق سے یہ گھڑی لندن سے لائے تھے، ماما میں یہ گھڑی لے جاؤں شاید مجھے تسلی ہو جائے کہ پاپا میرے آس پاس ہیں۔'' مسز وقار، رانیہ اور عمر اکٹھے بولے۔

''اگر اس کو لے کر تمہیں سکون ملتا ہے اور تم رونا بند کر دو گی تو لے لو، مگر پلیز خدا کے لئے چپ ہو جاؤ۔'' اور مسز وقار نے تو ملازم اکبر کو آواز دے کر کہا۔

''فوراً سے اس گھڑی کو میڈم کی گاڑی میں رکھ آؤ۔''

ہر باپ کی طرح وقار صاحب کو بھی اپنی بیٹی سے محبت تھی، شینا بھی اپنے باپ سے بہت محبت کرتی، وقار صاحب نے شینا کی کبھی کوئی بات رد نہ کی تھی حتیٰ کہ وہ عمر سے شادی کرنا چاہتی تھی جو ان کے سب سے پرانے اور طاقتور حریف کا بیٹا تھا، بیٹی کی خوشی کے لئے وقار صاحب نے پرانی دشمنی ختم کی اور چیمبر آف کامرس کی سب سے اہم سیٹ شینا کے سسر فاروقی صاحب کے لئے خالی کر دی تھی، شینا اپنے ہنی مون پر پیرس گئی ہوئی تھی جہاں اسے باپ کے انتقال کی خبر ملی وہ اسی وقت روتی دھوتی واپس آ گئی، شینا کو اس گھڑی سے اس لئے بھی انسیت تھی کہ جب وقار صاحب نے اس گھڑی کو خریدا تھا تو وہ بھی ان کے ساتھ لندن میں موجود تھی، شاپنگ مال میں جب وہ وقار صاحب کے ساتھ شاپنگ کر رہی تھی تو ان کی نظر اس گھڑی پر پڑی، ریسٹ کلر کی گھڑی جس پر گولڈن پھول بنے ہوئے تھے گولڈ پلیٹڈ سوئیاں اور ہندسے تھے اور قیمت دو لاکھ تھی مگر جو اس کی سب سے خاص بات تھی کہ وہ طلوع آفتاب اور غروب آفتاب کے اوقات میں خوبصورت میوزک تھی، طلوع آفتاب کے وقت اس کی آواز ایسی ہوتی تھی کہ جیسے کسی باغ میں صبح کے وقت بہت سارے پرندے اپنی آواز میں چہچہا رہے ہوتے اور غروب آفتاب کی ایسی کہ جیسے پرندے اپنے گھروں کو لوٹتے وقت اللہ کی حمد وثنا میں مصروف ہوں، وقار صاحب نے اسے فوراً خرید لیا اور لونگ روم میں ایسی جگہ لگوایا کہ جہاں کہ گھر کے ہر کونے سے اس پر نظر پڑ سکے، شروع میں جب یہ گھڑی طلوع سحر میں میوزک بکھیرتی تھی تو وقار صاحب کی نیند ڈسٹرب ہوتی پھر ایسا ہونے لگا کہ اس کی آواز سن کر وقار صاحب اٹھ کر بستر پر

کروٹ بدلنے لگ جاتے تھے، آہستہ آہستہ انہوں نے فجر کی نماز پڑھنی شروع کر دی اور جب گھر میں ہوتے تو اپنے کمرے کی بجائے سیٹنگ روم بیٹھنا پسند کرتے تھے، ایک دو دفعہ اسی تبدیلی کی وجہ مسز وقار نے پوچھی تو وہ بولے کہ۔
''پتہ نہیں ان کو اس گھڑی سے خاص کشش محسوس ہوتی ہے ان کو لگتا ہے کہ جیسے انہوں نے زندگی فضول مقصد کے پیچھے بھاگتے ہوئے گزار دی اور اللہ کی عبادت اور انسانیت کے مقاصد کو کبھی اہمیت نہ دی۔''

☆☆☆

گھڑی وقار ہاؤس سے فاروقی پیلس میں منتقل ہو گئی تھی شینا نے اسے ٹھیک سیٹنگ روم میں اسی جگہ لگوایا تھا جہاں اس کے پاپا نے لگوایا تھا شینا کے سسر نے اعتراض کرنا چاہا تو ساس نے یہ کہہ کر چپ کروا دیا کہ دو تین ہفتوں کی بات ہے باپ کا غم بھول جائے گی تو اتروا دیں گے مگر جو گھڑی دو تین ہفتوں کے لئے لگائی گئی تھی اسے لگے ہوئے چھ ماہ ہو گئے فاروقی صاحب کی جب بھی نظر اس گھڑی پر پڑتی تھی تو ان کو وقار صاحب کا بزنس میں ان سے ایک قدم آگے رہنا یاد آ جاتا تھا وہ...... وہ رقابت جو بظاہر تو بچوں کی شادی کی وجہ سے کم ہو گئی تھی پھر دوبارہ سے آتش پکڑ لیتی تھی مرے ہوئے بندے پر تو زندوں کا زور نہیں چلتا اس لئے سارا نزلہ اسی اس گھڑی پر گرا ایک صبح آفس نکلتے ہوئے انہوں نے اپنے ملازم کو اس گھڑی کو اتارنے کا حکم دیا اور آفس جاتے ہوئے اس کو نہر میں اچھال دیا گھڑی نہر میں تو نہ گری نہر کے ساتھ اُگی جھاڑیوں میں گر گئی، زمین پر گرنے کی وجہ سے اس کا ایک کنارا ٹوٹ گیا تھا، لیکن ضرب لگنے کے باوجود ٹھیک چل رہی تھی۔

سعید احمد نہر کے کنارے اپنی سائیکل پر جا رہے تھا کہ اسے دور سے کوئی چیز چمکتی ہوئی نظر آئی وہ فوراً سائیکل سے اتر کر وہاں گیا تو اس کو ایک گھڑی نظر آئی گھڑی بالکل ٹھیک وقت بتا رہی تھی اور دیکھنے سے بھی بہت قیمتی معلوم ہوتی، صرف اس کا ایک کنارا ذرا ٹوٹ گیا تھا مگر اس کے باوجود بھی گھڑی کی دلکشی میں کوئی فرق نہیں آیا تھا، سعید احمد نے گھڑی اٹھا لی اور اپنی کریانے کی دوکان میں لے جا کر لگا لی تھی، سعید احمد کی وحدت کالونی کے ایک محلے میں دوکان تھی جو سعید احمد کے پانچ بچوں بیوی اور بوڑھے ماں باپ کی کفالت کا واحد سہارا تھا، سعید احمد کی دوکان کچھ خاص نہ چلتی تھی وہاں اور بھی بہت سی دوکانیں تھیں اور سعید احمد کی دوکان کے سامنے رفیق کا جنرل اسٹور تھا جس کی خوب سیل ہوتی تھی، رفیق اپنی دوکان میں بڑے فخر سے بیٹھتا تھا اس نے کافی دفعہ سعید احمد کو اپنی دوکان اسے بیچنے کا کہا تھا اور مذاق اڑایا تھا کہ۔
''تم جو ہر مہینے لوگوں سے ادھار لے کر دوکان میں مال ڈلواتے ہو اس سے تو تم پر قرض ہی چڑھا لیا، میری مانو تو دوکان مجھے فروخت کر دو اور خود اپنی سائیکل پر بیٹھ کر ردی اکٹھی کیا کرو اس دوکان سے زیادہ کمائی کرو گے۔''
سعید احمد اس کی باتیں سن کر شرمندہ ہو جاتا تھا، آج بھی سعید مال خرید کے لا رہا تھا کہ گھڑی نظر آئی اس نے گھڑی کو اٹھا لیا اور سوچا کہ اس کو میں اپنی دوکان پر لگاؤں گا، سعید کی خوش قسمتی کہ رفیق کو چار پانچ دن کے لئے اپنی سالی کی شادی کے سلسلے میں جہلم جانا پڑا، اس کی دوکان شاید پہلی دفعہ اتنے لمبے عرصے کے لئے بند ہوئی تھی، سعید نے لے جا کر گھڑی کو دوکان کی دیوار پر لگا دیا اور خریدے ہوئے مال کو سیٹ کرنے لگا، اس

دن بازار میں ایک نیا چپس کا پیکٹ آیا تھا جس میں سے پانچ روپے کا سکہ یا دس کا نوٹ نکلتا تھا جس نے بچوں کی توجہ فوراً ہی سعید کی دوکان کی طرف کروا دی قدرت شاید آج سعید پر کھل کر مہربان تھی، چائے کی پتی کے ایک برانڈ نے نئی اسکیم شروع کی مارکیٹوں میں لگائے گئے ان کے سٹالوں سے پتی کے ڈبے خریدنے پر پچیس فیصد کی بچت کے علاوہ ہر ڈبے کے ساتھ ایک کوپن دیا جائے گا جس کو سکریچ کرنے پر انعام نکلتا تھا جیسے چائے کا مگ، نمک کا پیکٹ، ٹیبل میٹس، شیشہ کا گلاس اور اسی طرح کے اور چھوٹے انعامات تھے اس بازار میں سعید کی دوکان کے چھوٹے ہونے کی وجہ سے آگے کا فٹ پاتھ کافی چوڑا تھا اس لئے چائے والوں نے اپنا سٹال ایک ہفتہ کے لئے سعید کی دوکان کے فٹ پاتھ پر لگا دیا، اب تو سعید کی دوکان پر لوگوں کا خصوصاً بچوں اور عورتوں کا تانتا بندھ گیا جس نے بھی بازار سے کچھ خریدنا ہوتا تھا وہ سعید کی دوکان کا ہی زیادہ تر رخ کرتا انعامی اسکیم کی وجہ سے لوگوں نے دو دو مہینوں کے لئے پتی کے ڈبے خرید لئے چپس کے پیکٹ میں سے نکلنے والے سکے نے تو اسکول کے بچوں کا رش لگا دیا تھا، حتیٰ کہ محلے کے گھروں میں آنے والے مہمان اور رشتہ دار بھی اس پتی کو خریدنے آتے اور دو چار چیزیں سعید کی دوکان سے خرید لیتے تھے، اب تو محلے میں بھائی سعید یا چاچا سعید کی دوکان کے قصے تھے کہ جب سے وہ گھڑی دوکان پر لگی ہے چاچا سعید کے تو وارے ہی نیارے ہو گئے ہیں کچھ لوگوں کا خیال تھا کہ اس گھڑی کے ساتھ کسی نیک بندے کی دعا ہے کہ جہاں لگے وہ مالا مال ہو جائے کوئی کہتا کہ کوئی نیک روح اس گھڑی میں رہتی ہے جس کی بدولت یہ ساری کرامات ہیں، کوئی کہتا کہ گھڑی بنی ہی کسی نیک آدمی کے ہاتھ سے جس سے یہ ساری برکت ہے یہ سمجھ لیں کہ جتنے منہ تھے اتنی ہی باتیں تھیں سعید خود بھی یہ ہی سمجھتا تھا کہ یہ سب اس گھڑی کی بدولت ہے پانچ دن بعد جب رفیق نے آ کر دوکان کھولی تو وہ سعید کی دوکان پر لگے رش کو دیکھ کر حیران رہ گیا کہ کہاں وہ اس دوکان کو خریدنے کا سوچ رہا تھا اور کیسے آج کل اس دوکان پر سیل ہو رہی ہے، رفیق بھی فوراً جا کر دوکان کے لئے مال خرید لایا جس میں سکے والے چپسوں کا ڈھیر تھا رفیق کی دوکان پہلے کی طرح ہی چل رہی تھی مگر حسد میں اس سے سعید کی دوکان کا رش برداشت نہیں ہو رہا تھا اس نے سوچا کہ ایسا کیا اس کے پیچھے سے ہو گیا ہے کہ سعید کا ستارہ چمک اٹھا ہے جلد ہی اس کو سعید کی دوکان میں لگنے والی گھڑی کے متعلق لوگوں سے علم ہو گیا، رفیق نے سوچا یہ سب اس گھڑی کی کرامات ہیں، اس نے محلہ کے دو آوارہ لڑکوں سے کہا کہ وہ ان کو پانچ پانچ سو روپیہ دے گا اگر وہ سعید کی دوکان کی گھڑی کو چوری کر کے کہیں دور پھینک آئیں، ان دونوں لڑکوں نے موقع پا کر تین چار دن کے اندر اندر اس گھڑی کو ایسی صفائی سے سعید کی دوکان سے چوری کیا کہ سعید کو پتہ ہی نہ چل سکا کہ گھڑی آئی کہاں ہے اور گئی کہاں۔

☆☆☆

جمال صاحب ایک ادھیڑ عمر کے بہت سوبر اور نفیس انسان تھے، جمال صاحب ایک بینک میں اچھی پوسٹ پر تھے، جمال صاحب کے بینک نے ایک ایسی جگہ پر برانچ قاسم کی جہاں آبادی خاصی کم تھی بلکہ یہ کہنا چاہیے کہ ابھی آباد ہوئے اسے ایک سال ہوا تھا، اس جگہ پر برانچ کھولنے میں بہت رسک تھا یہ برانچ کامیاب بھی ہو سکتی تھی، یا نہیں ہوتی اور اگر کامیاب ہو جائے تو

بینک والوں کے وارے نیارے ہو جائیں، جمال صاحب کے بینک والوں نے اس برانچ کے ہیڈ کے طور پر ان کو چنا تھا کیونکہ بینکنگ میں ان کا کافی وسیع تجربہ تھا ان سے کہا گیا تھا کہ اگر وہ اس برانچ کو کامیابی سے چلا دیں گے تو ان کی ریٹائرمنٹ جو اگلے سال متوقع تھی اس میں تین سال کی توسیع کر دی جائے گی، جمال صاحب کے دو ہی بچے ایک بیٹا جو پڑھنے کے لئے باہر گیا ہوا تھا اور ایک بیٹی جس کی شادی انہوں نے دو سال پہلے کر دی تھی، پیچھے گھر میں ایک وہ تھے اور دوسری ان کی بیگم جن کے ساتھ ان کی انڈرسٹینڈنگ کی مثالیں دی جاتی تھیں، ان کی طرف راوی چین ہی چین لکھتا تھا۔

بینک کے افتتاح سے ایک شام پہلے جمال صاحب گھر جا رہے تھے کہ راستے میں بری طرح ٹریفک جام تھا اس رش میں پھنسے ہوئے ان کو آدھا گھنٹہ ہو چکا تھا مگر ٹریفک کھلنے کا نام نہیں لے رہی تھی، وہ گاڑی میں بیٹھے بیٹھے تپ رہے تھے کیونکہ ان کے موبائل کی چارجنگ بھی ختم ہو گئی تھی یوں ہی اِدھر اُدھر نظر گھماتے ہوئے ان کی نظر فٹ پاتھ پر سجی ہوئی کباڑیے کی ایک دوکان پر پڑی جس کا مالک دو لڑکوں کے ساتھ بحث میں مصروف تھا لگ رہا تھا کہ لڑکے من پسند رقم لینا جا رہے ہیں لیکن پرانی چیزوں کا مالک ان کو کم رقم دے رہا ہے لڑکے بضد تھے کہ گھڑی بھی لازمی لو اور قیمت بھی ان کی پسند کی دو لڑکوں نے شاید گھڑی چوری کی تھی یہ گھریلو مجبوری کی وجہ سے بیچ رہے تھے، جمال صاحب کے دل میں نہ جانے کیا آیا کہ انہوں نے ان لڑکوں کو اشارہ کر کے اپنے پاس بلایا اور اس گھڑی کو ہاتھ میں لے کر دیکھا ان کو یہ گھڑی بہت قیمتی اور جاذب لگی سینکڑوں کے اندر آنکھوں نے اس گھڑی کو بینک میں اپنے کمرے میں لگانے کا فیصلہ کیا اگرچہ اس کا ایک کنارا ٹوٹ گیا تھا جس کو ان کے خیال میں کسی چیز سے چھپایا جا سکتا تھا، انہوں لڑکوں سے اس کی قیمت پوچھی جو ان لڑکوں نے ڈھائی سو بتائی جمال صاحب نے ان کو پانچ سو پکڑا دیئے لڑکے خوشی سے اچھلتے ہوئے چلے گئے، بیس منٹ اور ٹریفک میں پھنسے رہے کہ بعد جب وہ گھڑی سمیت گھر پہنچے تو گھر میں غیر معمولی خاموشی تھی پہلے ان کو بیگم صاحبہ لان میں ہی مل جاتی تھیں مگر آج وہ وہاں نہیں تھیں جمال صاحب ٹریفک جام کی وجہ ذہنی طور پر بہت تھک گئے تھے اپنے کمرے میں جا کر کچھ دیر کے لئے صوفے پر سر ٹکا کر بیٹھ گئے مگر بیگم صاحبہ جو ان کے گھر آنے کے بعد فوراً چائے لے کر پہنچ جاتی تھیں، نہیں آئیں کچھ دیر کے بعد جمال صاحب خود ہی فریش ہو کر جب سیٹنگ روم میں پہنچے تو بیگم ایک صوفہ پر چپ بیٹھی نظر آئیں جمال صاحب نے سلام کیا تو بیگم نے درشت آواز میں سلام کے جواب کی بجائے پوچھا ٹیبل پر کیا پڑا ہے؟ جمال صاحب نے دیکھا تو مٹھائی کا ڈبہ تھا جمال صاحب نے ہنستے ہوئے کہا۔

''کس خوشی میں۔'' بیگم صاحبہ نے چبا چبا کر جواب دیا۔

''میری بہن کی بیٹی کو مل کر رشتہ طے ہو گیا ہے اس خوشی میں۔'' جمال صاحب نے ڈبہ کھولتے ہو کہا۔

''یہ تو خوشی کی بات ہے آپ منہ پھلا کر کیوں بیٹھی ہیں بس۔'' جمال صاحب کا ہنسنا تو قیامت ڈھا گیا تھا بیگم صاحبہ جو غصے میں بولنا شروع ہوئیں تو جمال صاحب کے اگلے پچھلے سب کو سنا گئیں، بیگم صاحبہ بھی ٹھیک تھیں پچھلے تین مہینے سے جمال صاحب کو بتا رہی تھیں کہ اس کی

بہن کے فون پر فون آرہے تھے کہ اگر وہ کومل کا رشتہ لینا چاہتے ہیں تو جلدی کریں، کومل کے بہت سارے رشتے آرہے ہیں اگر اس کے بابا نے کسی اور رشتے کے لئے ہاں کر دی تو وہ کچھ نہیں کر سکیں گی، آج اسی سلسلے میں انہوں نے بہن کے گھر جانا تھا صبح گھر سے نکلتے بھی انہوں نے یاد کروایا تھا جب جمال صاحب کا فون چارجنگ نہ ہونے کی وجہ سے بند ہو گیا تو وہ یہی سمجھیں گے وہ ان کو نظر انداز کر رہے ہیں بیگم صاحبہ نے اس لڑائی کے بعد جمال صاحب سے بات چیت بند کر دی پورا ہفتہ لگا جمال صاحب کو بیگم کو منانے میں مگر پھر بھی ابھی تک وہ ٹھیک سے راضی نہ ہوئیں تھیں۔

گھڑی جمال صاحب کے آفس میں سج گئی تھی، جمال صاحب کافی وہمی طبیعت کے آدمی تھے، جب بیگم سے لڑائی ہوئی تو ان کے دماغ میں یہ بات آئی کہ یہ اس گھڑی کے سبز قدم تو نہیں، لیکن پھر بات جب ٹل گئی تو دماغ سے بھی نکل گئی، برانچ کو شروع ہوئے دو ماہ ہو گئے تھے کہ ایک دن ہیڈ آفس سے فون آیا کہ دو روز کے بعد ہیڈ آفس سے ایک ٹیم آئے گی جو نئی برانچ کی کارکردگی کو بھی چیک کرے گی اور اسی دن نئی جابز کے سلسلے میں انٹرویوز بھی ہو جائیں گے۔

فون سننے کے بعد جمال صاحب بہت پر جوش ہو گئے ان کو یقین تھا کہ انہوں نے نئی برانچ کو چلانے کے سلسلے میں جو محنت کی ہے ان کی کارکردگی کو ضرور سراہا جائے گا انہوں نے اس میٹنگ کی تیاریوں میں کوئی کسر نہ چھوڑی تھی تمام عملے کو بھی میٹنگ کے لئے خاص ہدایات تھیں، میٹنگ کے روز جمال صاحب مقررہ وقت پر گھر سے نکلے مگر گھر سے تھوڑی دور گئے ہوں گے کہ گاڑی کا انجن بند ہو گیا، بہت کوشش کی کہ گاڑی سٹارٹ ہو جائے مگر بے سود چند راہگیروں سے دھکا بھی لگوایا مگر گاڑی ٹس سے مس نہ ہوئی، ادھر میٹنگ شروع ہونے کا ٹائم ہو گیا تھا دفتر سے فون پر فون آنے لگے اتفاق سے سی این جی بند ہونے کی وجہ سے کوئی رکشہ ٹیکسی بھی نہیں مل رہی تھی آخر کار دفتر سے ایک آدمی ان کو اپنی موٹر بائیک پر لینے آیا شومئی قسمت کہ جمال صاحب اہم فائل اپنی گاڑی میں بھول آئے، پھر دوبارہ آفس کا ملازم ان کی فائل کو گاڑی سے لینے آیا یوں میٹنگ دو ڈھائی گھنٹہ لیٹ شروع ہوئی اگلے دن جب جمال صاحب آفس پہنچے تو ان کو ہیڈ آفس سے ایک ای میل موصول ہوئی جس کا خلاصہ یہ تھا کہ جمال صاحب اب بوڑھے ہو چکے ہیں اس لئے ان کی ریٹائرمنٹ مقررہ وقت پر ہی ٹھیک رہے گی اور ان کی بجائے کسی جوان اور پر جوش بندے کو ہائر کیا جائے گا جو اکیسویں صدی کے تقاضوں کو سمجھتے ہوئے برانچ کو ترقی سے ہمکنار فرمائے اس ای میل نے جمال صاحب کے بلڈ پریشر کو بڑھا دیا وہ بے چینی سے اٹھ کر آفس میں چکر لگانے لگے کہ اچانک ان کی نظر سامنے دیوار پر لگے ہوئے وال کلاک پر پڑی وہ چیخ اٹھے یہی ہے منحوس جس دن سے میری زندگی میں آئی میرے بہت سارے معاملات خراب ہو گئے ہیں۔

''شکور شکور۔'' وہ چلاتے ہوئے اپنے آفس سے نکلے اور گارڈ کو آواز دی۔

''شکور میرے آفس سے اس گھڑی کو اتارو اور جا کر کچرے کے ڈرم میں پھینک کر آؤ اگر مجھے یہ پتہ چلا کہ گھڑی تمہارے یا تمہارے کسی رشتہ دار کے گھر میں ہے تو وہ تمہاری نوکری کا آخری دن ہوگا، سنا ہے کہ کچرے کے ڈرم میں ہی پھینکنا۔''

☆☆☆

صبح کا ستارہ چمک رہا ہے فجر کی اذان ہونے والی ہے کہ وہ اپنے بستر سے اٹھ جاتا ہے، کندھے پر پلاسٹک کی بوری لٹکا کر پاؤں میں پلاسٹک کے بوٹ جو کے چل چل کر گھس چکے ہیں، ماں اور بہن کو اپنے جانے کا بتا کر پرامید ہو کر گھر سے نکلنے والے یہ بچہ جو پٹھان بھی ہوتا ہے بلوچی بھی سندھی بھی اور پنجابی بھی، چائیلڈ لیبر پر لکھنے والے بولنے والے سیمینار کرنے والے بڑے فنڈز اکٹھے کرنے والے فیشن شو کرنے والے سب نرم گرم بستروں میں سو رہے تھے اور یہ بچہ جس کا نام ہدایت ہے چل پڑا، فجر کی اذان شروع ہو گئی بڑی سڑک پر پہنچا تو اس کے جیسے بہت سارے بچے مختلف سمتوں سے نکل کر آ رہے تھے ان بچوں کی منزل کچرے کے ڈھیر ڈرم یا گھروں کے باہر پھینکا گیا فالتو کباڑ اور گتے وغیرہ تھی ہر بچوں کی کوشش ہوتی کہ پہلے وہ ڈرم تک پہنچے تاکہ اس میں موجود کباڑ پہلے اس کو مل سکے، ہدایت ان بچوں کو دیکھ کر تیزی سے چلنے لگا مگر ٹوٹے جوتے کی وجہ سے ٹھوکر کھا کر گر پڑا اس نے اٹھ کر اپنی چیزیں اٹھانے تک باقی بچے ڈھیر پر موجود کباڑ اکٹھا کر کے جانے لگے، ہدایت جب ڈھیر پر پہنچا تو اس کو مایوسی ہوئی وہاں اس کو کوئی بھی ایسی چیز نظر نہ آئی جو اس کے لئے کار آمد ہوتی وہ مڑنے لگا مگر ڈھیر میں سے چڑیوں کے چہچہانے کی آواز آ رہی تھی اس نے فوراً کوڑے کے ڈھیر کو ہٹانے لگا نیچے سے ایک گھڑی برآمد ہوئی یہ آواز اس میں سے آ رہی تھی اور وہ چل بھی ٹھیک رہی تھی، ہدایت نے قمیض کے دامن سے اس کو رگڑ کر صاف کیا تو وہ چمک اٹھی، ہدایت نے اس کو تھیلے میں چھپا لیا سارا دن اس نے یہ کوشش کی کہ کسی کی نظر اس گھڑی پر نہ پڑے گھر جاتے ہوئے وہ بہت خوش تھا اس کا دل تھا کہ وہ ماں اور چھوٹے بھائی کے پاس اڑتا ہوا پہنچے اور دکھا سکے کہ اس کو ایک خزانہ ملا ہے، ہدایت نے لے جا کر گھڑی کو جھونپڑی میں کپڑے کے ساتھ باندھ کر لٹکا دیا، اس کی ماں اور چھوٹا بھائی بھی گھڑی کو دیکھ کر بہت خوش تھے کہ انہوں نے زندگی میں پہلی دفعہ ایک قیمتی چیز اپنی جھونپڑی میں لگائی تھی، گھڑی کی قسمت وہاں آ کر ٹھہر گئی، یہاں اس کو اس کی قیمت سے کوئی نہیں تولتا تھا، کوئی اسے خوش قسمت، منحوس، بد شگون نہیں سمجھتا تھا کسی کو اسے دیکھ کر اپنے پیارے کی یا دشمن کی یاد نہ آتی تھی، یہاں یہ کسی کے لئے بھی فالتو نہ تھی، یہاں کسی کو اس سے حسد نہ تھا یہاں وقت کو دولت سمجھا جاتا تھا نہ کہ کتنی دولت ایک وقت میں بنائی جا سکتی تھی، یہ سوچا جاتا یہاں اس گھڑی کو وقت سمجھتے تھے وہ وقت جو سرپٹ گھوڑے پر سوار ہوتا ہے اور بھاگتا چلا جاتا ہے سب کو دعوت دیتا ہے کہ ہے کسی میں ہمت تو میرے ساتھ چلے، اسی وقت نے انسان کو تحت پر بھی دیکھا ہے اور تختہ پر بھی، یہ بھاگ رہا ہے، دوڑ رہا ہے، اس بات سے بے پرواہ ہو کر کہ کوئی اسے کیا سمجھتا ہے۔

☆☆☆

اچھی کتابیں پڑھنے کی عادت ڈالیئے

ابن انشاء

- اردو کی آخری کتاب .... ☆
- خمار گندم .... ☆
- دنیا گول ہے .... ☆
- آوارہ گرد کی ڈائری .... ☆
- ابن بطوطہ کے تعاقب میں .... ☆

☆☆☆

تمنائے دل

مصباح نوشین

مکمل ناول

وہ میانی قبرستان لاہور کا منظر تھا، رات تاریک ضرور تھی مگر بہت گہری نہیں اور اندھیرا تو بالکل بھی نہیں جگمگاتے کی سرمئی تاریکی چاروں اور پھیلی ہوئی تھی لیکن ایک وجود ہزاروں بے جان اجسام میں زندہ و جاوید سانس لے رہا تھا مگر نہیں وہ سانس نہیں لے رہا تھا وہ سسک سسک کر رو رہا تھا اس کی سسکیاں ہولے ہولے لرزتا وجود پورے ماحول کی خاموشی اور سکوت پر بھاری تھا۔

قبرستان کا ماحول سرد سفاک اور بے رحم تھا مگر اس شخص کے آنسو، لرزا، سسکیاں شہر خاموشاں کی سفاکیت سے بڑھ کر تھی، وقت کے کتنے ہی بڑے سورما وہاں بے بس اور خاموش تھے بالکل اس وجود کی طرح جیسے وہ ضبط کی آخری حد پر کھڑا بدنصیبی کے بین کر رہا تھا، وہ کتنا بدنصیب تھا، ایک مرد ہونے اور تمام اختیارات ہونے کے باوجود بھی وہ کتنا بے بس تھا صرف وہ ایک بدنصیب شخص نہیں تھا وہ ایک ناکام شخص بھی تھا اور اپنی ناکامی کا اندازہ ستم ظریفی یہ کہ اسے سب کچھ کھونے کے بعد ہوا تھا، اس نے اپنے سامنے تازہ تازہ بنی مٹی کی گیلی قبر کو دیکھا اور سسکا، مرد روتا ہوا اتنا عجیب نہیں لگتا جتنا ٹوٹا بکھرا ہوا لگتا ہے، خصوصاً وہ مرد جو ہمیشہ بہت پر سکون مضبوط اور قوی دکھتا ہو اور وقت اور اس کی آزمائش بڑی بے رحم اور ظالم ہوتی ہے، اس نے اپنے لرزتے ہوئے ہاتھ سے گیلی مٹی کو اپنے چوڑے چکلے ہاتھ کی ہتھیلی میں بھرا۔

”مجھے معاف کر دینا کائنات، میں ایک کم ہمت انسان ہوں اور شاید بزدل بھی، مگر مجھے

احساس ہے کہ میں نے ظلم کیا، تمہارے ساتھ، بہت ظلم۔" وہ روتے روتے کہہ رہا تھا رات دھیرے دھیرے بہہ رہی تھی اس کی حالت بہت غیر تھی وہ تڑپ رہا تھا لرز رہا تھا مگر موت اسے ابھی کہاں آنی تھی ابھی تو بہت وقت باقی تھا۔

☆☆☆

اتنا سب کچھ ہو جانے کے بعد وہ پرسکون انداز میں بیٹھی اپنے خوبصورت لاؤنج میں بیٹھی ٹی وی دیکھ رہی تھی، گھر میں صف ماتم بچھی تھی مگر اسے کیا پرواہ، وہ ہاتھوں میں شیشے کا نفیس باؤل میں پاپ کارن بھرے ایک ایک کر کے ٹونگتے ہوئے مگن انداز میں ٹی وی دیکھ رہی تھی ساتھ ہی ایک نظر اپنے بے حد قیمتی Andriod سیل فون پر بھی ڈال لیتیں، کسی بھی تازہ سوشل نیوز اپ سے ڈیٹ ہونا ان کے لئے بے حد ضروری تھا، تبھی وہاں پر ملازمہ آئی تھی۔

"چھوٹی مالکن! بڑی مالکن کہہ رہی ہیں کہ ٹی وی کی آواز کم کر لیں آواز نیچے تک جا رہی ہے جبکہ نیچے قرآن خوانی ہو رہی ہے۔" نوکرانی بے حد مودبانہ انداز میں نگاہیں جھکائے کھڑی یہ سوچنے پر مجبور تھی کہ کیا کوئی اتنا بے رحم اور بے حس بھی ہو سکتا ہے؟ سب کچھ ہمیشہ ان کے سامنے ہی تو ہوا تھا سبھی کچھ، وہ چشم دید گواہ تھے وہ مدعی تھے وہ با آسانی منصف بنائے جا سکتے تھے

"اپنی بڑی مالکن سے جا کر کہہ دو، کہ میں اپنے پورشن میں اپنے ہر فعل میں بالکل آزاد ہوں جو بھی کروں وہ مجھے روک نہیں سکتیں، بہن کی موت کا غم ان کے دماغ پر اثر تو نہیں کر گیا جو وہ اتنی بڑی حقیقت کو فراموش کر گئیں حالانکہ کم از کم اب تو انہیں یہ سب یاد رکھنا چاہیے تھا۔" طنزیہ انداز میں پھنکارتے اس نے بے حد نفرت سے نوکرانی کے ہاتھ میں پیغام بھیجا تھا ساتھ ہی ٹی وی کی آواز اور تیز کر دی تھی، زلیخا بیگم نے وہ زہریلے تیر کسی خنجر کی مانند اپنے سینے میں اتار کر چپ کی بکل ماری تھی۔

واقعی میں بہن تو ان کی مری تھی، اس کی موت کا سوگ بھی صرف انہیں کو منانا چاہیے تھا اور اس اچانک موت نے جو سوالیہ نشان ہمیشہ کے لئے لگا دیا تھا اس کی اصلیت کو چھپانے کا واحد دل بھی یہی تھا کہ وہ خاموش رہ کر صبر کرتیں وہ صبر جوان کی بہن کو موت کے گھاٹ اتار گیا اور وہ خاموشی جن نے ان کے اندر دکھوں کے ببول اگا دیئے تھے۔

☆☆☆

کائناز نے کافی کا مگ بنا کر کچن کی لائٹ آف کر کے باہر لان میں جانے کا سوچا تھا، دل تو آج کل ویسے بھی اداس سا رہتا تھا اوپر سے نومبر کی اداسی بھری ٹھنڈ رگ و پے میں گودا جمائے جان جلاتی تھی، خود کو سارا دن سنبھال کر کمپوز کیے رکھنے والی کائناز رات کی تاریکی میں یوں ٹوٹ کر بکھرتی کہ چہرے کا ہر عضو بین کرتا دکھائی دیتا تھا، دکھوں کی اتنی خراشیں تھیں کہ اس کا چہرہ کسی ایکسرے کی مانند صاف پڑھا جا سکتا تھا۔

نومبر کی ٹھنڈ کو اپنے رگ و پے میں اتارتے وہ کین کی کرسی پر بیٹھ گئی تھی، خاموش اداس اور ویران، گم صم سی بیٹھی وہ اپنی زندگی میں در آنے والی اس آزمائش نما سانحے پر سوچنے لگی تھی بلکہ سوچنا کیا اسے تو ابھی تک یقین ہی نہیں آیا تھا کہ اس کی محبت کا دم بھرنے والا وقت اسے اپنی نگاہوں کے سامنے حصار کی مانند باندھے رکھنے والا اس کا محبوب شوہر دوسری بیوی لا کر اس کی محبت اطاعت اور وفا پر کسی اور کی محبت اور شناسائی کو فوقیت دے چکا ہے، یہ اذیت کائناز

کے لئے اس لئے بھی کڑی تھی کیونکہ احمر اور اس کا تعلق محض ازدواجی تعلق نہیں تھا جسے وہ کسی مجبوری یا سمجھوتے کے تحت گزار رہے تھے، شادی کے گزرے آٹھ برس اس نے کسی ملکہ کی حیثیت سے گزارے تھے اولاد کی کمی محسوس کرنے کے باوجود بھی احمر نے اس کی ذات کی اس کمی کو کبھی بھی تشنگی نہیں بننے دیا تھا اور اب تو کائناز یہ بھول ہی چکی تھی کہ اس کی زندگی میں بچوں کی کمی ہے اور اس خلا کے بغیر اس کی ذات اور اس کا گھر خاندان ادھورے ہیں۔

کائناز پہروں سوچتی اسے پتا کیوں نہیں چل سکا کہ احمر بدل رہے ہیں؟ یا پھر احمر تھے ہی اتنے سمجھدار اور دور اندیش کہ انہوں نے کائناز کو کسی بھی معاملے کی بھنک تک نہیں پڑھنے دی تھی، انہوں نے آخر ایسا کیوں کیا، ایک دفعہ وہ اس سے بات تو کرتے اسے اعتماد میں لے کر اسے ساری حقیقت بتا دیتے کہ اولاد کی کمی کے بغیر وہ جی نہیں پا رہے، انہیں اپنی لمبی چوڑی جائیداد کے لئے اور نسل کی افزائش کے لئے دوسری شادی کی اجازت درکار ہے تو کیا کائناز منع کر دیتی۔

وہ تو ان کے عشق میں فنا ہوئی عورت تھی وہ بھلا اپنے سکھ اور سکون کے لئے اپنے مجازی خدا کی کسی بھی خواہش کو حسرت کیسے بنا سکتی تھی؟ احمر کی اچانک بہت اچانک بیوی کی آمد پر اس نے غصے، محبت بھرے مان پر ناراض ہو کر گھر چھوڑ دیا اور یہاں اپنی بہن کے گھر چلی آئی تھی مگر احمر اس کے پیچھے نہیں آئے انہوں نے اسے آ کر منایا بھی نہیں تھا، اپنے کیے پر نادم و شرمندہ تو کیا انہوں نے تو اسے روکا بھی نہیں تھا کہ گھر چھوڑ کر مت جاؤ۔

''کیا آٹھ برس کا ساتھ اتنا قلیل عرصہ ہوتا ہے کہ اسے لمحوں میں بھلا دیا جائے۔'' آسمان کے سینے پر ٹنگے موتیوں پر نگاہ جماتے کائناز نے آزردگی سے سوچا، اپنے کمرے کی کھڑکی میں کھڑی نائلہ نے اسے کس قدر نفرت سے دیکھا تھا کائناز کے خوبصورت سادہ پروقار وجود پر نگاہ پڑتے ہی اس کا پورا وجود ان دیکھی آگ میں بھڑ بھڑ جلنے لگا تھا، وہ کائناز تھی اس کے محبوب شوہر کی سابقہ منگیتر، رضا نے اس سے منگنی اسی وجہ سے توڑ لی تھی کیونکہ وہ نائلہ سے محبت کرنے لگا تھا، نائلہ کی بدبختی کہ وہ کبھی اس حقیقت کو سمجھ ہی نہیں پائی کہ رضا صرف اس سے محبت کرتا ہے کائناز اس کی منگیتر ضرور تھی مگر دونوں میں کسی بھی قسم کی ذہنی و دلی وابستگی کا شائبہ تک نہیں تھا مگر نائلہ کو یہ بات کون سمجھا سکتا تھا کم از کم رضا تو نہیں۔

نائلہ نے اسے دیکھتے ہی کروفر سے کھڑکی کا پٹ زور سے بند کیا تھا اور پلٹ کر کسی خونخوار شیرنی کی مانند رضا کی جانب پلٹی تھی، رضا جو کسی کتاب کی ورق گردانی میں مصروف تھا ایکدم چونکا تھا ابرو اچکا کر اس نے سوالیہ انداز میں کیا بات ہے پوچھا تھا، مگر نائلہ سوکھی لکڑی کی مانند چیخ گئی تھی۔

''کب جائے گی یہ مصیبت یہاں سے؟''

''کون؟ کس کی بات کر رہی ہو؟'' رضا نے کتاب پر سے نظریں ہٹا کر بے ساختہ ناسمجھی سے پوچھا تھا۔

''آپ کی لاڈلی اور چہیتی کی، کب جائے گی وہ یہاں سے؟'' سرد برفیلے لہجے میں تحمل سے کہتے اس کی نگاہوں سے شرارے ابلے تھے رضا پل بھر میں سمجھ گیا کہ وہ کس کی بات کر رہی ہے اس نے بے ساختہ ٹھنڈی تھکی تھکی سی سانس لی تھی۔

''تمہیں کیا پرخاش ہے اس بے چاری

سے، تمہیں کیا کہتی ہے وہ آخر؟'' مگر رضا کا لفظ بے چاری کہنا ہی اگلے آدھے گھنٹے تک اس کی مصیبت بن گیا تھا۔

''اچھا، بے چاری اگر اتنی ہی بے چاری تھی تو اس وقت منگنی کیوں توڑی تھی اس کے ساتھ اپنایا کیوں نہیں اسے، شادی کیوں نہیں کی۔'' طنز کے تیر برساتے وہ بے ساختہ چیختی تھی۔

''فار گاڈ سیک، تمہیں کتنی بار سمجھاؤں جیسا تم سوچتی ہو ویسا کچھ نہیں ہے۔'' رضا نے بے ساختہ ایک گہرا سانس لے کر اسے سمجھایا تھا مگر نائلہ سمجھی نہیں تھی بلکہ مزید بھڑک گئی تھی۔

''کچھ نہیں ہے تو پھر ہر وقت چپکی کیوں رہتی ہے وہ آپ کے ساتھ، اندھی نہیں ہوں میں جو کچھ دیکھ نہ سکوں، تم اور تمہاری ہمدردیاں بھی سمجھ میں آ رہی ہیں مجھے اور مجھے یہ بھی اچھے سے خبر ہے کہ یہ دونوں بہنیں میرے ساتھ کرنا کیا چاہ رہی ہیں۔'' وہ مزید بھری تھی اور یہ نائلہ کا ذاتی پختہ خیال تھا کہ زلیخا بیگم اور کائناز دونوں رضا پر ڈورے ڈال کر نائلہ کو اس گھر سے نکلوانا چاہتی ہیں۔

''آہستہ بولو، خدا کے لئے اگر بھابھی بیگم نے سن لیا تو کیا سوچیں گی تمہارے بارے میں کہ تم ان کے متعلق ایسی رائے رکھتی ہو۔'' بے ساختہ کمرے کے دروازے کی جانب دیکھتے رضا نے اسے ٹوک دیا تھا۔

''انہیں جو بھی سمجھنا ہے وہ سمجھ لیں مجھے ان کا ڈر نہیں مارا جا رہا، اچھے سے جانتی ہوں میں ان کے نیت و ارادوں کو اور ایک بات تم بھی کان کھول کر سن لو، اگر تمہاری محبت کی خاطر میں اپنے خاندان سے ٹکرا سکتی ہوں تو اسی محبت اور اپنے گھر کو بچانے کے لئے میں کسی بھی حد سے گزر سکتی ہوں یاد رکھنا ہمیشہ۔''

''خدا کے لئے نائلہ، چپ کرو تمہارے جو منہ میں آ رہا ہے تم بنا سوچے سمجھے بولے جا رہی ہو، کائناز میری کزن ہے میری کی خالہ زاد بے تکلفی کا رشتہ ہے ہمارا اور پھر وہ بے چاری تو پہلے ہی اپنے حالات سے تنگ ہے بجائے اس کے کہ تم اس کی پریشانی بانٹو الٹا اس پر بہتان لگا رہی ہو، حد ہے۔'' وہ جھنجھلا ہی تو گئے تھے۔

''اگر اتنی ہی دکھی ہے تو پھر دوسروں کے گھر اجاڑنے کی کوشش کیوں کر رہی ہے اور بے وقوف تم ہو گے میں نہیں جو ان کی چال سمجھ نہ سکوں، اچھی طرح سے جانتی ہوں یہ دونوں بہنیں مل کر تمہیں مجھ سے چھیننا چاہ رہی ہیں بدلہ لینا چاہ رہی ہیں اس ہتک و بے عزتی کا جو تم نے کائناز سے شادی نہ کر کے ان دونوں کی کی تھی اور یہ تمہاری بھابھی بیگم، بظاہر جتنی میٹھی نظر آتی ہیں ناں، گنوں کی اتنی ہی پوری ہیں پوری۔''

''میں کہہ رہا ہوں بند کرو اپنی بکواس، تمہیں شرم آنی چاہیے بھابھی بیگم کے بارے میں ایسی بات کرتے ہوئے، ماں کی جگہ ہیں وہ میری، بہت قابل احترام ہیں وہ میرے لئے۔'' رضا کا ضبط بالآخر جواب دے گیا تھا۔

''کیوں سچ سن کے برا لگا کیا، کڑوا بھی تو بہت ہوتا ہے ناں۔'' نائلہ اور اپنی زبان بند کرے، ایسا پہلے کبھی ہوا تھا جواب ہوتا، لہٰذا وہ ابھی بھی تڑخ رہی تھی۔

''اگر تم نے اب اپنی بکواس بند نہ کی تو مجھ سے برا کوئی نہیں ہو گا میری محبت کو میرے لئے سزا مت بناؤ نائلہ، ورنہ اچھا نہیں ہو گا۔'' درشت لہجے میں خونخوار نظروں سے دیکھتے رضا احمد نے اسے تنبیہ کی تھی۔

''اور تم جو کچھ میرے ساتھ کر رہے ہو اسے کیا کہو گے میری ناک کے نیچے جو کھیل تم رچا

رہے ہو اس کا انجام کتنا بھیانک ہو سکتا ہے کبھی سوچا تم نے۔'' وہ بھی جواباً اور زور سے چیخی تھی۔

''حد ہے پاگل پن کی، اپنی اور میری زندگی کو پرسکون رہنے دو اسے میرے لئے سزا نہ بناؤ، سنا تم نے۔'' اپنا تکیہ اور بستر سے چادر اٹھا کر کمرے سے باہر جاتے رضا نے چیخ کر کہا تھا، نائلہ اونہہ کے انداز میں پلٹ کر کھڑکی کی طرف آئی تھی گویا رضا کی تنبیہ کا اس پر کوئی اثر نہ تھا، نیچے لان میں اپنے غم میں گھری کائناز اپنی سوچوں میں ڈوبی تھی، دکھوں نے اسے ایکدم سے نڈھال کر دیا تھا، نائلہ نے بڑے کروفر اور نفرت سے اسے دیکھ کر خود کلامی کی تھی۔

''اگر تو تم لوگ مجھے ہرانے کی کوئی خواہش رکھتے ہو تو پھر یہ خیال اپنے دل سے نکال دو کیونکہ نائلہ حیات نے کبھی کسی سے ہار نہیں مانی نہ حالات سے اور نہ ہی کسی انسان سے۔'' نائلہ کے لہجے کا تنفر اور کسیلا پن رات کی تاریکی اور پورے ماحول پر حاوی ہو گیا تھا پوری فضا کسیلی اور کڑوی محسوس ہونے لگی تھی۔

☆☆☆

زلیخا سکندر صاحب کے لئے دودھ کا گلاس نیم گرم کر کے لائی تھیں رات کو سونے سے پہلے وہ روز ہی ایسا کرتیں کیونکہ ان کا کہنا تھا کہ ایک تو اس سے نیند اچھی آئے گی دوسرا سکندر صاحب دن بھر کے تھکے ہارے آفس سے لوٹتے ہیں گرم دودھ ان کے اعصاب کو ریلیکس کرنے کے ساتھ انہیں مضبوط بھی کرے گا، آج بھی وہ معمول کی مانند دودھ گرم کر کے لائی تھیں، مگر آج وہ بالکل خاموش تھیں انہوں نے کوئی خاص بات بھی نہیں کی اور بڑے آرام سے آ کر خاموشی سے انہیں کام کرتے دیکھنے لگی تھیں، سکندر صاحب لمحوں میں جان گئے تھے کہ کوئی بات ان کی بیگم کو پریشان کر رہی ہے جو وہ اس قدر خاموش اور کھوئی کھوئی سی ہیں۔

''کیا بات ہے زلیخا! تم پریشان لگ رہی ہو؟'' زلیخا نے چونک کر کس قدر حیرت سے اپنے زندگی کے ساتھی کو دیکھا ٹھنڈک کا احساس ان کی رگ رگ میں اترا تھا، سکندر پل بھر میں جان لیا کرتے تھے زلیخا کے موڈ اور اس کے اتار چڑھاؤ۔

''ایسی تو کوئی بات نہیں آپ کو ایسے ہی لگ رہا ہے میں ٹھیک ہوں۔'' زلیخا نے مسکرانے کی کوشش کی تھی۔

''اچھا، اگر بالکل ٹھیک ہو تو پھر اتنی خاموشی کس لئے؟'' انہوں نے کام چھوڑ کر کرسی سے ٹیک لگائی تھی اب وہ باقاعدہ طور پر صرف زلیخا کی طرف ہی متوجہ ہو گئے تھے یعنی اب زلیخا ان سے کچھ چھپا نہیں سکتی تھیں۔

''جب آپ یہ بھی جانتی ہیں بیگم صاحبہ! کہ آپ مجھ سے نہیں چھپا سکتیں تو ایسی کوشش ہی کیوں کرتی ہیں آپ مجھ سے کچھ نہیں چھپا سکتیں ہے ناں؟'' ان کے تائید چاہنے پر زلیخا کے بے ساختہ سر کو اثبات میں جنبش دی تھی۔

''تو پھر بتائیں کے کیا بات ہے؟'' وہ ایکدم نرمی سے مسکرائے تھے کچھ اس طرح کہ پورا ماحول مسکرانے لگا تھا۔

''مجھے کائناز کی بہت ٹینشن ہے سکندر، اتنا بڑا صدمہ اپنے اندر دبائے دن بدن گھلتی جا رہی ہے اور احمر کو احساس تک نہیں کہ اس کی ایک بیوی بھی ہے تو آٹھ برس تک اس کے ساتھ رہی ہے۔''

''تو تم کائناز کو سمجھاؤ زلیخا! خود کو کیوں ہلکان کر رہی ہے اور احمر سے تو مجھے بھی امید نہیں تھی کہ ایسا کرے گا، اس کے تو دیدوں کا پانی ہی

ڈھل گیا ہے پھر جب اسے کوئی فکر نہیں کائناز کی تو یہ کیوں ہلکان ہو رہی ہے اس کے پیچھے، میں بڑا بھائی زندہ ہوں ابھی اس کا خیال رکھنے کو، میں اس کو ہر طرح کی ذمہ داری اٹھانے کے لئے موجود ہوں۔"

"بہت سمجھاتی ہوں اسے مگر شاید اس پر کچھ سمجھانے کا اثر ہی نہیں ہوتا، اپنا گھر ہر عورت کو بہت عزیز ہوتا ہے سکندر اور عورت کے لئے اپنی بادشاہی یکدم کسی اور کے حوالے کر دینا آسان کہاں ہوتا ہے اور حیرت تو مجھے اس احمر پر ہوتی ہے آپ کو یاد نہیں کیسے پیچھے پیچھے پھرا کرتا تھا وہ کائناز کے، نجانے میری بہن کی خوشیوں کو کس کی نظر لگ گئی۔" زلیخا بیگم کف افسوس ملتیں بے حد غم زدہ تھیں سکندر صاحب نے سمجھ کر سر ہلایا تھا پھر گیا تھا۔

"آٹھ سال اولاد کی خواہش دبانا بھی کوئی کم عرصہ نہیں ہوتا احمر کو شادی تو ہر صورت کرنی ہی تھی اپنے وارث کے لئے لیکن، اسے کائناز کی اجازت تو لینی چاہیے تھی یہ بہت غلط کیا اس نے؟"

"اسی بات کا غم تو کائناز کو بھی ہے اور اس بد بخت کو دیکھیں گھر سے نکلتے وقت اسے روکا تک نہیں اوف میرا ابھی حال دیکھیں میں بھی کیا باتیں لے کر بیٹھ گئی، یہ دودھ تو پی لیں میں آپ کے لئے گرم کر کے لائی تھی، کہیں ٹھنڈا ہی نہ ہو گیا ہو۔"

"ہاں ہاں لاؤ دو، میں پی لیتا ہوں، ایسے ہی دے دو اب دوبارہ گرم کرنے کی زحمت مت کرنا تم۔" نرمی سے کہتے انہوں نے فوراً ہی گلاس اٹھا کر لبوں سے لگا لیا تھا، زلیخا نے ان کی بچوں جیسی بے ساختہ حرکت کو مسکرا کر دیکھا تھا۔

☆☆☆

"کب جا رہی ہو تم یہاں سے؟" بالکل اچانک سے آ کر اس نے اس کے سر پر بم پھوڑا تھا کائناز سہم کر پلٹی، نائلہ کی آنکھوں سے شعلے لپک رہے تھے اس کا بس چلتا تو کائناز کے حسین وجود کو وہ پل بھر میں اپنی نگاہوں کی تپش سے جلا کر خاکستر کر دیتی، سبز رنگ کے شلوار سوٹ کے ساتھ شاکنگ پنک رنگ کا دوپٹہ اوڑھے وہ قیامت دکھ رہی تھی اور اسی قیامت نے نائلہ کی زندگی میں قیامت برپا کر رکھی تھی۔

"ج ج..... جی..... بھابھی۔" کائناز نجانے کیوں مگر ہکلا سی گئی بھلا ایسے سوالوں کے جواب کس مجبور انسان کے پاس ہو سکتے ہیں۔

"اتنا مشکل سوال تو نہیں پوچھا میں نے، جو تمہیں سمجھ میں نہیں آیا، چلو تمہاری آسانی کے لئے دوبارہ دہرا دیتی ہوں، میں پوچھ رہی ہوں کہ تم یہاں سے اپنے شوہر کے گھر واپس کب جا رہی ہو، یا پھر دل ہی نہیں چاہ رہا یہاں سے جانے کو۔"

"یہ کیا کہہ رہی ہیں آپ بھابھی۔"

"تو کیا غلط کہہ رہی ہوں آخر کو جو عیاشیاں تمہیں یہاں مل رہی ہیں وہ احمر کے گھر میں کہاں پھر اب تو وہ تمہارے چنگل سے ویسے ہی نکل گیا ہے، اب تو تم کسی اور مرد کو پھانسو گی ہی ناں، تاکہ تمہارا دل بہلا رہے آخر بانجھ عورت کو دل لگانے کے لئے سامان بھی تو چاہیے ہی ہوتا ہے ناں۔"

"بھابھی!" کائناز کی موٹی شفاف آنکھیں یکا یک آنسوؤں سے بھر گئی تھیں، اس قدر رہانت، اتنی بے عزتی اس کے گمان میں بھی نہیں تھا کہ کبھی اسے یہ سب بھی سننے کو مل سکتا ہے۔

"اب زیادہ ٹسوے مت بہاؤ، تمہارے ٹسوے بہانے سے حقیقت بدل نہیں جائے گی،

خوب سمجھ رہی ہوں میں اچھی طرح کے تم رضا کے آگے پیچھے کیوں پھر رہی ہو۔''

''بھابھی! بھابھی خدا کی قسم ایسا کچھ نہیں ہے آپ غلط سمجھ رہی ہیں۔'' کائناز نے بے ساختہ بے ربط انداز میں صفائی پیش کرنے کی کوشش کی اسے لگا اگر اب وہ نہ بولی تو پھر وہ کبھی نائلہ کی اس بدگمانی کو دور نہیں کر سکے گی، نائلہ کے دل کو یک گونہ سکون ملا اس کی تڑپ نے اس کے تنفر کو مزید بڑھاوا دیا تھا۔

''اور کچھ ہونا بھی نہیں چاہیے، ورنہ یہ تمہارے حق میں بہتر نہیں ہوگا پیاری کائناز۔'' وہ وقت کی فرعون بنی تکبر و حقارت سے اسے دیکھتی اسے کہہ کر رہی تھی قسمت کی ستم ظریفی کہ کائناز یہ سب سننے اور سہنے پر مجبور تھی، آہ۔

☆☆☆

رضا کی بہت پرانی عادت تھی روزانہ رات کو اپنے اکلوتے بیٹے اسامہ کو کہانی سنانے کی، وہ چاہے جتنا بھی تھکا ہوا ہوتا، وہ اسامہ کے کمرے میں جا کر اسے کہانی بھی سناتا اور اس سے دن بھر کی تمام روداد بھی سنا کرتا، یہی وجہ تھی کہ اسامہ ماں کی بجائے باپ سے زیادہ قریب تھا اور ویسے بھی نائلہ کے پاس تو اتنا وقت ہی نہیں ہوتا تھا کہ وہ اسامہ کو ٹائم دے پاتی اس کی اپنی سوشل ایکٹوٹیز اس قدر زیادہ تھیں کہ گھر شوہر اور بچے سے زیادہ بیرونی سرگرمیاں ان کے لئے زیادہ اہم تھیں اسامہ کو زلیخا بیگم نے ماں بن کر پالا تھا۔

''اور پھر راجہ اور رانی ایک دوسرے کے ساتھ ہنسی خوشی رہنے لگتے ہیں، اب بتاؤ کیسی لگی کہانی تمہیں؟'' رضا کہانی سنانے کے بعد بچوں جیسے اشتیاق سے بیٹے سے پوچھ رہا تھا، مگر اسامہ شاید کہیں الجھا ہوا تھا اس نے کہانی کو شاید بہت غور سے سنا ہی نہیں تھا، تبھی اس پر کوئی تبصرہ نہیں کیا تھا۔

''بابا آپ سے ایک بات پوچھوں، مگر وعدہ کریں کہ سچ سچ بتائیں گے؟''

''جی بابا کی جان، پوچھو کیا پوچھنا ہے تمہیں؟'' انہوں نے پیار سے اس کے بالوں کو سنوارتے ہوئے کہا تھا۔

''بابا، مما کائناز پھپھو کو اتنا ناپسند کیوں کرتی ہیں، ہر وقت ان سے جھگڑا کرتی ہیں۔'' اسامہ نے کہتے یکلخت رضا کو سن کر دیا تھا انہوں نے تحیر سے اسامہ کو دیکھا تھا۔

''ایسا کیوں کہہ رہے ہو اسامہ، تمہیں ایسا کیوں فیل ہوا بیٹا، ایسا کچھ نہیں ہے۔'' رضا نے ہلکا کر وضاحت کی۔

''بابا میرا یقین کریں میں نے خود کئی بار دیکھا ہے مما، پھپھو سے بہت روڈ ہو کر بات کرتی ہیں، انہیں ایسے پھپھو کے ساتھ مس بی ہیو نہیں کرنا چاہیے بابا، اور آج تو ان کے جانے کے بعد پھپھو بہت روئیں بھی۔''

''کس، کس وقت کی بات کر رہے ہو تم۔'' رضا نے فوراً چونکتے ہوئے پوچھا تھا تبھی اسامہ نے باپ کی دن والے واقعے میں دلچسپی لیتے دیکھ کر ساری روداد حرف بہ حرف سنا دی تھی جب دن کو نائلہ کائناز کو بے نقط سنا رہی تھیں تب اسامہ قریب ہی کھیل رہا تھا اور آٹھ سال کا بچہ اتنا چھوٹا تو نہیں ہوتا کہ لہجوں اور جملوں کی پہچان نہ کر سکے۔

''بھابھی بیگم کہاں تھیں اس وقت؟'' رضا نے تفکر سے پوچھا تھا۔

''وہ گھر سے باہر تھیں شاید اپنی کسی دوست سے ملنے گئی ہوئی تھیں، بابا، مما بہت Drity ہو گئی ہیں۔'' اسامہ کے لہجے میں اپنی ماں کے لئے شرمندگی اور فکر تھی، رضا کو اپنی شریک سفر کی سوچ

اور ذہنیت پر بے حد افسوس ہوا وہ بے ساختہ اس وقت کو کوسنے لگے جس وقت انہوں نے نائلہ سے شادی کا فیصلہ کیا تھا، سچ تو یہ تھا کہ نائلہ نے انہیں بہت مایوس کیا تھا۔

''ایسے نہیں کہتے بیٹا، وہ مما ہیں آپ کی اور میں بات کروں گا، ان سے کہ آپ کی پھپھو سے روڈ ہو کر بات مت کیا کریں۔'' انہوں نے بھینچے لبوں کے ساتھ اپنے لہجے کی یاسیت کو چھپانے کی کوشش کی تھی۔

''تھینکس پاپا، یو آر گریٹ۔'' اسامہ محبت سے کہتے ہوئے ان سے لپٹا تھا، اسامہ کو سلانے کے بعد وہ سیدھا غصے سے جبڑے بھینچے اپنے بیڈ روم میں آیا تھا، وہاں نائلہ فریش ہو کر واش روم سے نکل رہی تھی رضا نے اسے سرد نگاہوں سے دیکھتے برفیلے لہجے میں پوچھا تھا۔

''تم نے کیا کہا کائناز سے؟ تمہیں کس نے حق دیا آخر اس کی انسلٹ کرنے کا؟ بولو۔'' وہ مسکرا کر اس کی جانب پلٹی تھی۔

''تو تمہیں خبر ہو ہی گئی اور بھلا دیکھو میں بھی کتنی پاگل ہوں بھلا تمہیں خبر کیسے نہ ہوتی آخر کو تمہاری چہیتی کو کچھ کہہ دینے کی غلطی جو کر دی تھی میں نے۔''

''باز آ جاؤ نائلہ، ورنہ بہت پچھتاؤ گی۔'' رضا ضبط کے باوجود بھی چلا اٹھا تھا۔

''خسارہ تو تمہارے بھی حصے میں آئے گا رضا احمد سارے نقصانات ایک عورت کے دامن میں ہی کیوں بھرنے کی کوشش میں رہتے ہو تم سب مرد۔'' رضا جتنا طیش میں تھا جوابا وہ اتنی ہی پرسکون تھی۔

''تمہیں کائناز سے معذرت کرنی ہو گی ابھی کے ابھی۔'' اس نے جیسا سنا ہی نہ تھا۔

''اور ایسا تو میں مر کے بھی نہیں کروں گی، جب میں نے کچھ غلط کیا ہی نہیں تو میں کیوں معافی مانگوں ایسی عورت سے جا کر، تہس نہس نہ کر دوں میں ساری دنیا کو، جس نے نگاہ غلط بھی ڈالی میرے گھر پر۔''

''آخر تم سمجھتی کیوں نہیں ہو، نجانے وہ کون سی منحوس گھڑی تھی جو میں نے تم سے شادی کا فیصلہ کیا تھا زندگی عذاب بنا کر رکھ دی ہے تم نے، خدا کے لئے جینے دو مجھے۔'' آگے بڑھ کر اسے بازو سے پکڑ کر رضا نے بے ساختہ جھٹکا دے کر اسے بیڈ پر گراتے نہایت ترش لہجے میں کہا تھا نائلہ اوندھے منہ بیڈ پہ گری تھی ان دونوں کے لڑنے کی آوازیں باہر تک سنائی دے رہی تھیں، زلیخا بیگم بے ساختہ ان کے کمرے کی طرف آئی تھیں نائلہ کی زبان درازی سے تو پورا گھر ہی نالاں رہتا تھا لیکن رضا احمد کا صبر اور غصہ کا پیمانہ کبھی کبھار لبریز ہو کر طوفان اٹھا دیتا تھا ایسے میں گھر والوں کی دخل اندازی کے بغیر یہ معاملہ نپٹنا ممکن نہیں ہوتا تھا، اب بھی صورتحال گمبھیر ہوتی دیکھ کر زلیخا بیگم اپنے قدم ان کے کمرے کی جانب بڑھنے سے روک نہیں پائی تھیں۔

''یہ کیا کر رہے ہو تم دونوں، ہوش میں آؤ رضا، کیوں مار رہے ہو اسے۔''

''آپ درمیان میں مت آئیں بھابھی۔'' رضا نے بھابھی بیگم کو بے ساختہ روکا تھا، کیونکہ اسے کچھ بعید نہیں تھی کہ نائلہ بھابھی بیگم کے سامنے بھی وہی سب کچھ دہرا نہ دیتی جو رضا کے سامنے دہرایا کرتی تھی۔

''رضا مجھے بات کرنے دو نائلہ سے، تم درمیان میں نہیں بولو گے۔'' انہوں نے بڑی بہن کی حیثیت سے اسے تنبیہ کی تھی رضا بے ساختہ خاموش ہوا تھا۔

''نائلہ کیا بات ہے؟'' ابھی بات ان کے

منہ میں ہی تھی کہ نائلہ نے اچک لی تھی۔
''کیوں آپ نہیں جانتی کہ کیا بات ہوئی ہے، آپ کو تو خوش ہونا چاہیے میری حالت دیکھ کر، پڑ گئی کلیجے میں ٹھنڈ، آپ اور آپ کی بہن ہی چاہتی تھیں ناں کہ ہمارے درمیان جھگڑا ہو، زندگی اجیرن ہو جائے ہماری۔''
''نائلہ ہوش کے ناخن لو، تم بھابھی بیگم پر کیا الزام لگا رہی ہو اندازہ ہے تمہیں۔'' رضا، زلیخا بیگم کا لٹھے کی مانند سفید پڑتا چہرہ دیکھ کر فوراً ہی تڑخا تھا نائلہ نے اس کے بے ساختہ پن کو اور بھی غصے اور نفرت سے دیکھا تھا۔
''اچھی طرح سمجھتی بھی ہوں جو کچھ بول رہی ہوں، میں کوئی دودھ پیتی بچی نہیں ہوں جو صحیح اور غلط کی پہچان نہ کر سکوں، میرے ساتھ یہ سب کروانے والی یہ دونوں بہنیں ہی تو ہیں جو اس وقت بہت معصوم بن کے کھڑی ہیں۔'' زلیخا بیگم اتنی بے عزتی کروانے کے بعد بھی وہاں کھڑی تھیں کوئی اور ہوتا تو نائلہ کی گلے پڑ کر اسے دو چار بے نقط تو سنا ہی ڈالتا یا پھر ان دونوں کے جھگڑے پر تین حرف بھیج کر کمرے سے ہی نکل جاتا، کہ لو مرو قابل ہی نہیں تم لوگ ہمدردی کے اور تم جیسے لوگوں کے درمیان صلح کی کوشش ہی نہیں کرنی چاہیے بلکہ اور اکسانا چاہیے کہ مار دو ایک دوسرے کو جان سے نہ رہے گا بانس نہ بجے گی بانسری کے مصداق، مگر وہ حلیم طبع اور وسیع الظرف زلیخا بیگم تھیں جنہوں نے اس گھر کے مکینوں کو ہمیشہ اپنے صبر، نیک نیتی، نرم مزاجی اور وسیع القلبی کی بناء پر ہی جوڑے رکھا تھا، انہوں نے ہمیشہ نائلہ کی ترش روی اور کڑوی کسیلی کو نظر انداز کیا تھا تبھی تو آج دس سال گزرنے کے بعد بھی ان کا گھرانہ مثالی کہلاتا تھا۔
''میں نے کہا اپنی حد میں رہو نائلہ، ایسا نہ ہو کہ میں ہر حد بھول جاؤں؟'' رضا مزید بپھر گیا تھا بھابھی بیگم کی رہانت اس سے سہی نہیں گئی مگر وہ نائلہ کو بھی چپ نہیں کروا سکتا، مگر شاید وہ ان مردوں سے بھی نہیں تھا جن کا اپنی بیویوں پہ کسی بھی قسم کا زور چلتا ہو۔
''رضا تم خاموش رہو، میں نے کہا ناں مجھے نائلہ سے بات کرنے دو۔'' وہ ٹھہری ہوئی پرسکون ندی کی مانند بغیر کسی طلاطم کے بولی تھیں۔
''کیا بات کریں گی اس سے بھابھی، یہ عورت پاگل ہو چکی ہے۔'' وہ بے بس سے انداز میں کہتے جھنجھلایا تھا، تبھی انہوں نے اسے آنکھوں ہی آنکھوں میں ٹھنڈا رہنے کی تلقین کی تھی۔
''تو پھر پوچھیں اس سے، کہ اس نے کائنات کی انسلٹ کیوں کی؟'' اپنی بہن کے ذکر پر زلیخا بیگم کا رنگ فوراً اڑا تھا۔
''یہاں کائنات کا کیا ذکر؟'' وہ جھنجھلائی تھیں۔
''مجھے خود اسامہ نے بتایا ہے کہ نائلہ اور کائنات کے درمیان کیا کچھ ہوا ہے آپ اس عورت کی طرفداری کرنے کی کوشش بھی مت کیجئے گا۔'' اسامہ کے نام پر زلیخا بیگم اور نائلہ بھی چونکی تھیں۔
''ارے تم بھی بچوں کی باتوں میں آ گئے، بچے تو ناسمجھ ہوتے ہیں، ایسا کچھ نہیں ہوا ہے ورنہ کائنات مجھ سے تو ضرور ذکر کرتی۔'' انہوں نے اسے ٹھنڈا کرنے کی کوشش کی تھی۔
''اس کی سائیڈ مت لیں بھابھی، خدا کے لئے۔''
''میں اس وقت کسی کی بھی سائیڈ نہیں لے رہی رضا، تم بے شک اپنی تسلی کے لئے کائنات سے خود بھی پوچھ لو۔'' رضا ٹھنڈی سانس بھرنے کے بعد باہر نکل گیا تھا، نائلہ غصے و تنفر سے اپنی جگہ پر

بیٹھی رہی تھی، اس کا انداز پرسوچ اور چہرے کے تاثرات خاصے سرد تھے۔

☆☆☆

دوسرا دن اسامہ کے لئے ایک نئی آزمائش لے کر آیا تھا، نائلہ نے اس کی خوب شامت لائی تھی کہ اس نے آخر ماں کی شکایت کیوں لگائی تھی، وہ اسے بری طرح مار رہی تھیں اور وہ بری طرح روتے ہوئے ماں سے معافی مانگ رہا تھا مگر نائلہ کی آنکھوں پر خون سوار تھا انہیں اسامہ کی التجائیں، رونا اور سسکنا کچھ بھی دکھائی نہیں دے رہا تھا۔

''بابا کے پیچھے بلاؤ اپنے باپ کو، آ کے بچائے تمہیں اب۔'' کان مرڑوتے ہوئے کہا تھا۔

''مما...... مما پلیز...... معاف کر دیں آئندہ نہیں کروں گا۔''

''چھوڑ دوں، اب تمہیں چھوڑ دوں جب شکایت لگائی تھی تب یاد نہیں تھا کہ کیا کر رہے ہو، اب تمہیں اپنے بابا کے سامنے اقرار کرنا ہوگا کہ تم نے جھوٹ بولا تھا، تم سمجھ رہے ہو ناں میری بات۔'' انہوں نے چبا چبا کر کہا تھا ان کی آنکھوں میں کسی خون آشام ڈائن کا چہرہ دکھ رہا تھا کم از کم وہ ایک ماں کا چہرہ نہیں تھا اسامہ کو تو نہیں لگا ماں تو بہت شفیق ہستی ہوتی ہے اتنی مہربان کہ کائنات کا سب سے نرم گرم گوشہ ماں کی گود ہی محسوس ہوتی، دنیا جہاں کا سکون اطمینان کا واحد مرکز واحد پناہ گاہ صرف ماں کا وجود اور اس کی آغوش ہوتا ہے۔

مگر نائلہ نے اسامہ کو اس دن یہ باور کروا دیا تھا کہ یہ عورت اسے بری طرح سے زدوکوب کرتی ماں نہیں ہے ماں ایسی نہیں ہو سکتی، وہ اس قدر ظالم نہیں ہو سکتی وہ بے رحم تو بالکل بھی نہیں ہو سکتی۔

''بولو...... کرو گے اقرار۔'' انہوں نے اسامہ کا کان مروڑتے ہوئے کہا تھا۔

''مما پلیز میرا کان تو چھوڑ دیں بہت درد ہو رہا ہے پلیز مما، لیو۔''

''جو کہا ہے وہ بتاؤ، زیادہ شور مت مچاؤ۔'' انہوں نے اس کے منہ پر بے ساختہ تھپڑ مارا تھا ان کے ہاتھ میں پہنی انگوٹھی کا کونہ اسامہ کے ہونٹ کو چیر گیا تھا بے ساختہ وہ درد سے دہرا ہوا تھا۔

''بولو۔'' مگر ان کا دل پھر بھی نہیں پگھلا تھا حالانکہ اسامہ کا خون نکل آیا تھا، انہوں نے اس سے دوبارہ پوچھا تھا۔

''یس مما۔'' روتے کرلاتے درد سے کراہتے ہوئے اسامہ نے اقرار کیا تھا۔

''دیٹس مائی گڈ بوائے، اب جاؤ اور جا کر یہ خون صاف کر لو اور خبر دار جو کسی کو بھی بتایا کہ میں نے تمہیں مارا ہے، ورنہ تم جانتے ہو ناں اپنی مما کو۔'' بظاہر انہوں نے مسکراتے ہوئے کہا تھا، اسامہ کو جتنا خوف ان سے آج محسوس ہو رہا تھا اتنا زندگی میں کبھی بھی نہیں ہوا تھا اور یہ وہ خوف تھا جو عمر بھر اس کا پیچھا کرنے والا تھا، اسامہ نے جان چھڑانے والے انداز میں اثبات میں سر ہلا کر وہاں سے بھاگنے میں ہی عافیت جانی تھی۔

☆☆☆

اسامہ کا نچلا ہونٹ بری طرح سے سوج گیا تھا اور اس پر زخم بھی آ گیا تھا، ہونٹ نیلے سرمئی کا نیل زرد ہو کر اسے درد میں مبتلا کر رہا تھا مگر اسے سچ بولنے کی سزا دی گئی تھی اور ابھی باپ کا غصہ اور شاید مار سہنا باقی تھی جو وہ جھوٹ بولنے سے اسے سزا کے طور پر دان کرتا، وہ بیچارا معصوم بچہ تو عجیب مخمصے میں پھنس گیا تھا اگر باپ کے سامنے سچ بولتا تو ایک بار پھر ماں سے مار کھاتا

اور اگر باپ سے وہ کہتا جو ماں نے سمجھایا تھا تو پھر ایک بار مار، اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کیا کرے، اگر باپ کو آج والے بھی سچ بتا دیتا تو والدین کے درمیان مزید جھگڑے کا باعث وہ ہی بنتا ایک مرتبہ پھر، آگے کنواں پیچھے کھائی والا معاملہ تھا اس کا دل چاہا وہ واپس پلٹ جائے اور وہ یقیناً پلٹ بھی جاتا اگر رضا احمد کی نظروں سے بچ جاتا تو۔

''اسامہ جان وہاں کیوں کھڑے ہو ایسے، اندر آؤں۔'' اسے اپنے کمرے کے دروازے میں کھڑا دیکھ کر انہوں نے اسے بے ساختہ پکارا تھا، وہ اپنے قدموں کو گھسیٹا ان تک آیا تھا۔

''کیا بات ہے بیٹا، کچھ کہنا تھا کیا؟'' ان کے لہجے کی شفقت و حلاوت نے اسامہ کی آنکھیں آنسوؤں سے لبالب بھر دی تھیں، بمشکل اس نے اپنے بھرائے لہجے کو کنٹرول کیا۔

''بابا مجھے آپ سے ایک بات کرنا تھی۔''

''ہاں جان کہو کیا کہنا تھا تمہیں؟ ارے تمہارے ہونٹ کو کیا ہوا؟'' ان کے لہجے میں اس کے لئے بے حد فکر گھل گئی تھی۔

''آج کھیلتے ہوئے گر گیا تھا۔'' اسامہ نے بمشکل اپنے آنسوؤں کا گلا گھونٹا مگر رضا احمد کی تسلی نہیں ہوئی، انہوں نے اسے اپنے پاس بٹھا کر اس کے ہونٹ کا باقاعدہ معائنہ کیا تھا۔

''او ہو اتنا گہرا زخم، دھیان سے کھیلا کرو ناں، ذرا سی لاپرواہی سے دیکھو کتنی گہری چوٹ لگ گئی۔''

''آئندہ دھیان رکھوں گا بابا جان، مجھے ایک بات کرنا تھی آپ سے بابا جان۔'' اس کے لہجے کے اضطراب نے رضا احمد کو چونکا دیا تھا۔

''مگر پہلے وعدہ کریں کہ آپ غصہ نہیں کریں گے اور مجھے ماریں گے نہیں۔'' وہ روتے روتے التجا کر رہا تھا۔

''ایسی بھی کیا بات ہے اسامہ جو وعدہ لے رہے ہو بیٹا؟'' انہوں نے کس قدر حیرت سے پوچھا تھا۔

''بابا...... وہ...... وہ میں نے آپ سے جھوٹ بولا تھا ممانے کائنات پھپھو سے جھگڑا کیا ہے۔'' تھوک نگلتے اس نے بمشکل تمام جملہ پورا کیا تھا۔

''ان دونوں کے درمیان ایسی کوئی بات نہیں ہوئی تھی، سوری بابا، مجھ سے غلطی ہو گئی، مجھے غلط بیانی نہیں کرنی چاہیے تھی۔'' باپ کے چہرے کے بدلتے رنگ بے ساختہ اسے ہاتھ جوڑنے پر مجبور کر گئے تھے، رضا احمد نے اس کی التجاء کا مان رکھتے اپنے غصے کا گلا دبا لیا تھا اور صرف اسے اتنا ہی کہا تھا۔

''حد ہوتی ہے اسامہ، اتنا بڑا جھوٹ۔''

''آئم سوری بابا، پلیز مجھے معاف کر دیں پلیز۔''

''اپنے کمرے میں جاؤ اسامہ۔'' انہوں نے بڑے ضبط سے کہا تھا ان کا سات سالہ بیٹا ان سے جھوٹ بول کر گھر میں جھگڑے کا ماحول پیدا کر رہا تھا مرنے کا مقام تھا ان کے لئے، اپنے اکلوتے بیٹے کی ایسی روش انہیں کسی طور گوارا نہیں تھی اور یہ بات تو بالکل بھی پسند نہیں تھی انہیں کہ وہ گھریلو سیاست میں دلچسپی لیتا وہ بھی اتنی کم عمری میں۔

''پلیز بابا میری بات تو سن لیں پلیز۔''

وہی ہوا تھا جس کا اسامہ کو ڈر تھا، اس کا پیارا بابا اس سے ناراض ہو گیا تھا وہ اس سے بدگمان ہو گیا تھا ایکدم سے بھری دنیا میں اسامہ رضا احمد اکیلا ہو گیا تھا، اس کا باپ اس سے ناراض ہو گیا تھا اور اس نے ایسا اپنے ہاتھوں سے کیا تھا۔

''میں نے کہا اپنے کمرے میں جاؤ۔''
انہوں نے طیش کو دبانے کے باوجود بھی ہلکی آواز میں چلا کر کہا تھا، اسامہ اپنے باپ کو کچھ کہنے کی جرأت مجتمع کر ہی نہیں سکا حالانکہ وہ سب سچ سچ بتا دینا چاہتا تھا، وہ اپنے باپ کی ناراضگی برداشت نہیں کر سکتا تھا لیکن وہ اپنے باپ کے سامنے زیادہ دیر ٹھہر نہیں سکا اور روتا ہوا اپنے کمرے کی طرف بھاگ گیا تھا۔

☆☆☆

نائلہ ٹیرس پر اداس اور مغموم کھڑی تھی ابھی ابھی وہ نیچے لاؤنج سے ہو کر آئی تھی جہاں رضا اپنے بھیا بھابھی اور کائناز کے ہمراہ خوش گپیوں میں مصروف تھا، آج کئی دن گزر گئے تھے ان دونوں کے درمیان بات چیت بالکل بند تھی حالانکہ اسامہ نے جا کر اپنے باپ سے بات بھی کی تھی لیکن رضا کا غصہ ہنوز قائم تھا اور نائلہ خود اذیتی میں گھری منفی انداز میں عجیب قسم کی سوچوں کا شکار اور آج کے خاص دن تو اس نے بالکل بھی امید نہیں تھی کہ رضا کبھی بھول بھی سکتا ہوگا آج اس کی برتھ ڈے تھی اور رضا کبھی اسے وش کرنا نہیں بھولا تھا، مگر آج ایسا پہلی بار ہوا تھا کہ رضا نے اسے وش نہیں کیا تھا بلکہ وہ تو اسے مخاطب ہی نہیں کر رہا تھا اور یہ سب کائنات کی وجہ سے ہو رہا تھا جو جان بوجھ کے ایسا ماحول بنا دیا کرتی کہ رضا ان کے پاس سے ہل ہی نہ سکتا تھا ایسا قوی خیال نائلہ کا ذاتی تھا جس میں صداقت کا اندازہ لگانے کی کبھی اس نے کوشش ہی نہیں کی تھی، جانے کتنی ہی دیر گزر گئی تھی جب سیڑھیوں پر کسی کے قدموں کی آہٹ ہوئی تھی، تبھی کوئی چپکے چپکے ہولے ہولے قدم اٹھاتا اس کے قریب آیا تھا وہ بے ساختہ پلٹی تھی اور سن پڑ گئی تھی سرخ گلابوں کا تازہ بوکے اپنے چہرے کے آگے کیے رضا احمد اس کے سامنے کھڑا تھا۔

''ہیپی برتھ ڈے ڈیئر وائف۔'' وہ مسکرا کر کہہ رہا تھا چہرے پر کسی ناراضگی کا شائبہ لائے بغیر۔

''آ گئی یاد بیوی کی۔'' کھل کر مسکراتے نائلہ نے ہلکا سا طنز کرنا اپنا حق سمجھا تھا۔

''کبھی بھولا ہی نہیں اپنی بیوی کو تو یاد کرنے کا یہاں کیا جواز۔'' وہ دلفریبی سے کہتا مسکرایا تھا، پورا ماحول جگمگانے لگا تھا، مگر نائلہ اور بھی بے چین ہو گئی۔

''تو پھر مجھے تمہاری محبت کہیں نظر کیوں نہیں آ رہی، میری محبت مرتی کیوں جا رہی ہے روز بروز تمہاری بے اعتنائی کی مار سہتے سہتے۔'' اس کا لہجہ بے ساختہ بھرا گیا تھا۔

''سب تمہارا وہم ہے اور کچھ بھی نہیں۔'' اس نے اس کے کندھوں پر اپنا ہلکا سا دباؤ ڈالتے یقین دہانی کرائی تھی۔

''وہم نہیں ہے میرا، تم میرے وجود سے روز بروز غافل ہوتے جا رہے ہو، تمہارے لئے اب میری کوئی اہمیت نہیں رہی تمہاری دلچسپی کا محور تو اب کسی اور کی ذات بنتی جا رہی ہے۔'' وہ خود ترسی کا شکار ہوئی تھی، رضا نے بے ساختہ ٹھنڈی گہری سانس بھرتے التجائیہ انداز اپنایا تھا۔

''فار گاڈ سیک نائلہ ایک ہی بات کرتے کرتے تم تھکتی کیوں نہیں ہو، کتنی مرتبہ سمجھاؤں تمہیں بلکہ ایسا کچھ نہیں ہے کائنات، احمر کی بیوی ہے ابھی بھی، بلکہ تمہیں تو اس بے چاری کا دکھ بانٹنا چاہیے۔''

''تمہاری ہی طرفداریاں میرے اندر آگ لگاتی ہیں رضا، تم اہمیت ہی کیوں دیتے ہو اسے اتنی، کل کو احمر اسے طلاق دے دے گا تو دیکھ لینا سب تمہیں مجبور کریں گے کہ اسے اپنا کر سہارا دو،

کیونکہ تم نے اسے ٹھکرا دیا تھا۔''
''میں کوئی بچہ تو نہیں جو ان کی باتوں میں آ جاؤں گا، تمہیں یقین کیوں نہیں میرا۔'' رضا نے جیسے تھک کر اسے ایک مرتبہ پھر سمجھانے کی کوشش کی تھی مگر نائلہ سمجھنے کے موڈ میں ہوتی تب ناں۔
''تم نہیں جانتے یہ دونوں بہنیں کتنی بڑی جادوگرنیاں ہیں دیکھنا ورغلا لیں گی تمہیں میرے خلاف، تم مجھے نکالتے کیوں نہیں اس برزخ سے۔'' وہ ہذیانی و ہیجانی کیفیت میں اسے کہہ رہی تھی رضا کو اس کی دماغی حالت پہ شبہ ہوا تھا وہ بالکل بھی نارمل کیفیت میں نہیں تھی اس کی ذہنی حالت خاصی ابتر تھی وہ سمجھنے کے موڈ میں تو قطعی نہیں تھی تبھی اس نے کچھ بھی کہنے کا ارادہ ترک کرتے بات بدلی تھی۔
''یار تم کیوں ٹینشن لے رہی ہو۔''
''نہیں رضا...... یہ...... یہ لوگ تمہیں چھین لیں گے مجھ سے، ہم ایسا کرتے ہیں یہاں سے کہیں دور نکل جاتے ہیں جہاں یہ دونوں بہنیں کبھی ہمارے پیچھے نہ پہنچ سکیں، خدا کے لئے مجھے اس زندان سے نکال دو۔'' اس نے اپنے چہرے و لہجے کی بے بسی چھپانے کی قطعاً کوئی کوشش نہیں کی تھی۔
''سب تم سے بہت محبت کرتے ہیں نائلہ، اس محبت کو اپنے اندر تلاش کرنے کی کوشش کرو، پھر تمہیں یہ کبھی زندان نہیں لگے گا اور پلیز اب ان پھولوں کو شرف بخش دو، ورنہ یہ مرجھا جائیں گے تمہاری بے اعتنائی کی مار نہ سہتے ہوئے۔''

☆☆☆

شام کا وقت تھا کائناز کچن میں کھانا بنا رہی تھی جب سے وہ ناراض ہو کر اس گھر میں آئی تھی اس نے خود کو گھر کے کاموں میں مصروف کر لیا تھا حالانکہ زلیخا اسے روکتی رہ جاتیں کہ تم کام مت کیا کرو مگر وہ بس اتنا کہتی۔
''آپ کی بہن اگر گھر کے کاموں میں آپ کا ہاتھ نہیں بٹائے گی تو اور کون بٹائے گا بھلا۔''
''مگر گھر میں ملازمائیں بھی تو موجود ہیں میں تو صرف سکندر کی خواہش و پسند کے لئے خود کو کوکنگ کرتی ہوں۔'' زلیخا کا جواب نہایت تحمل اور بردباری لئے ہوئے ہوتا تھا، مگر کائناز پر اثر کم ہی ہوتا تھا۔
''کوئی بات نہیں بھائی صاحب میرے ہاتھ کا بھی کھانا کھا کے دیکھ لیں میں بھی اچھا کھانا پکا لیتی ہوں۔'' وہ شرارت آمیز لہجے میں نچلے ہونٹ کا کونا دانتوں میں دبا کر کہتی تو زلیخا بیگم کو ماننے ہی بنتی۔
آج بھی وہ کچن میں کھانا بنا رہی تھی کھٹی دال اور چاول تھے میٹھے میں ٹرائفل اور مٹن کی ایک ڈش تھی، ان کے گھر میں ڈائننگ ٹیبل پر ہمیشہ دو سے تین ڈشز کا روزانہ اہتمام کیا جاتا تھا سبھی خوش خوراک لوگ تھے اور کھانے میں انواع و اقسام کی ڈشز دیکھنا پسند بھی کرتے تھے کائناز نے ابلے ہوئے چاولوں کو دم لگا لیا تھا دال تو وہ پہلے ہی بنا چکی تھی صرف سکندر صاحب کے آنے پر بگھار لگانا باقی تھا، مٹن کڑاہی دوسرے چولہے پر بن رہی تھی وہ سلاد کے پتے گاجر چھیل رہی تھی جبھی نائلہ پانی پینے کچن میں آئی تھی، کائناز نے اس کی آمد کا کوئی نوٹس نہیں لیا تھا، نائلہ کچھ دیر فریج کا دروازہ کھولے اسے دیکھتی رہی پھر سر جھٹک کر پانی پینے لگی تھی لیکن پانی پینے کے بعد وہ واپس اپنے کمرے میں جا نہیں سکی کائناز کا پرسکون خوبصورت چہرہ اس کے اندر آگ لگا گیا تھا، اپنی موجودگی کا احساس دلانے کو وہ گلا کھنکار کر اس کی طرف درمیانی فاصلہ دو قدموں میں عبور کر کے پلٹی تھی۔

''کیسی ہو کائناز، کیا بنا رہی ہو آج کھانے میں؟'' نائلہ کے لہجے میں اتنی محبت و حلاوت تھی کہ کائناز کو یقین کرنے میں تامل ہوا تھا۔

''جی ٹھیک ہوں، اللہ کا کرم ہے۔'' کائناز نے بمشکل ٹھہرے ہوئے لہجے میں جواب دیا تھا مگر وہ اندر سے سہم سی گئی تھی نائلہ اور اس کا جب بھی آمنا سامنا ہوتا وہ اسے کچھ نہ کچھ سنا ہی دیا کرتی تھیں اتنی تلخ اور جلی کٹی کہ اگلے کئی کئی دن کائناز سوچتی اور کڑھتی رہتی۔

''سنا ہے کل تمہارا شوہر آیا تھا تمہیں لینے کے لئے۔''

''جی۔'' کائناز نے آہستگی سے اقرار کیا اور تھکی گہری سانس بھری وہ نائلہ کا مقصد سمجھ چکی تھی۔

''تمہیں چلے جانا چاہیے تھا اس کے ساتھ، میری مانو تو واپس چلی جاؤ ابھی تو پھر بھی وہ تمہیں لینے آیا ہے کل کو وہ بھی نہیں آئے گا، پرآئی آس رکھنا بے وقوفی کے زمرے میں آتا ہے۔''

''جی میں تو جانا چاہ رہی تھی مگر بھائی صاحب نے ہی احمر کے سامنے ایک شرط رکھ دی، اب جب تک وہ اسے پورا نہیں کریں گے میں کیسے جاسکتی ہوں بھلا۔'' کائناز نے آہستگی سے ایسے بتایا جیسے اقبال جرم کررہی ہو نائلہ نے چونکی بلی کی مانند اسے دیکھ کر پوچھا تھا۔

''شرط...... کیسی شرط۔''

''انہوں نے احمر سے میرے لئے علیحدہ گھر کا مطالبہ کیا ہے، اب جب تک وہ پورا نہیں ہوتا، مجھے یہی رہنا ہوگا۔''

''اُف یہ بھائی صاحب بھی ناں، کمال کرتے ہیں خوامخواہ میں تمہیں واپس بھیجنے کی شرط باندھ رہے ہیں، ارے وہ تو تمہیں لینے آ گیا یہی بہت بڑی بات ہے اب ایک بانجھ عورت کی قدر کوئی اس سے زیادہ اور کیا کر سکتا ہے؟ کیا میں غلط کہہ رہی ہوں کیا؟'' میٹھے میٹھے بول میں حد سے خنجر اس کے دل میں اتارتے ہوئے وہ معصومیت سے پوچھ رہی تھیں کائناز نے مرے مرے انداز میں بمشکل سر ہلایا تھا، کوئی اس سے زیادہ قدر کیسے کر سکتا ہے۔

''دیکھو آج کل کوئی کسی کا سہارا نہیں بنتا اور پھر تم جس کے خواب دیکھ رہی ہو، بالکل غلط دیکھ رہی ہو۔''

''مگر مجھے کسی کے بھی سہارے کی ضرورت نہیں ہے بھابھی سوائے اپنے رب کے اس کے علاوہ مجھے اور کسی کے سہارے کی ضرورت ہے بھی نہیں۔'' کائناز نے اس لمحے اپنا ضبط توٹتا محسوس کیا تھا، تبھی ہلکے سے ترش لہجے میں جتلا گئی تھی، مگر نائلہ اس کی بات سن کر ایسے مسکرائی تھیں جیسے کوئی کسی بچے کی شرارت پر مسکراتا ہے۔

''وسیلہ تو رب اپنے بندے کا ہی بناتا ہے ناں، مجھے تو ترس آتا ہے تم پر، شوہر نے دوسری شادی کر کے تمہیں گھر سے نکال دیا، بانجھ عورت سو بے سہارا ہو اور ابھی تک بھی رضا کو بھول نہیں پائیں تم، یہ بھی دکھ بہت بڑے ہیں مگر آخری دکھ تو شاید تمہاری جان پہ بنا لے، رضا صرف مجھ سے محبت کرتے ہیں، تمہیں تو اس نے بہت سال پہلے ہی ٹھکرا دیا تھا۔'' مسکراتے وہ ساتھ ساتھ زبان کا تیر بھی چلا رہی تھیں۔

''آپ کو اس کی محبت اور اس کا ساتھ مبارک ہو بھابھی، میرا ایسا کوئی مقصد و ارادہ نہیں ہے۔'' اتنا کہہ کر وہ خود ہی کچن سے باہر نکل گئی تھی نائلہ نے اس کے جانے کے بعد خود کو کھل کر مسکرانے دیا تھا، وہ جانتی تھی اب کسی کونے کھدرے میں چھپ کر کائناز رو رہی ہوگی اور ایسا ہی تو وہ بھی چاہتی تھیں۔

''انگور تو تمہارے لئے ہمیشہ ہی کھٹے رہیں گے کائناز بی بی، رضا کی ہمدردیاں ہی حاصل کر پاؤ مگر اس کا ساتھ نہیں۔'' تنفر سے کھڑی وہ اپنی جگہ سے ہلے بغیر سوچ رہی تھیں۔

☆☆☆

''مجھے لگتا ہے اب میرا یہاں رہنا ٹھیک نہیں ہے آپا، مجھے یہاں سے چلے ہی جانا چاہیے۔'' کائناز نے دوسرے ہی دن زلیخا سے کہا تھا، زلیخا اس کے اس فیصلے پر حیران رہ گئی تھیں، انہیں اس کے اس اچانک فیصلے کی سمجھ بالکل بھی نہیں آئی تھی۔

''مگر کیوں...... ایسا کیوں کہہ رہی ہو کیا کسی نے تمہیں کچھ کہہ دیا کیا؟''

''ضروری ہے کہ کوئی کچھ کہے تب ہی میں یہ فیصلہ کروں۔'' اس نے آنسو بھری آنکھوں سے لمحے بھر کو بہن کو دیکھا تھا زلیخا مخمصے میں پڑ گئیں پھر جیسے اچانک کسی نتیجے پہ پہنچتے ہوئے بول پڑیں۔

''تمہیں نائلہ نے کچھ کہا ہے کیا؟ بتاؤ مجھے تمہیں نائلہ نے کیا کہا ہے؟'' زلیخا نے بہن کو سارہ کے نام پر نظریں چراتے اپنے شک کی جیسے تصدیق حاصل کی تھی، کائناز جانتی تھی اب چھپانے کا کوئی فائدہ نہیں تبھی اثبات میں سر ہلاتے بول گئی تھی۔

''وہ کس وقت کچھ نہیں کہتیں، جب بھی آمنا سامنا ہوتا ہے کوئی نہ کوئی جلی کٹی سنا ہی جاتی ہیں، میری سمجھ میں نہیں آ رہا آخر وہ رضا کے حوالے سے مجھ پر اتنی الزام تراشی کیوں کر رہی ہیں، اسے کیوں لگتا ہے کہ میں رضا پر ڈورے ڈال رہی ہوں، آپا...... آپ تو جانتی ہیں ناں کہ میں ایسی نہیں ہوں۔'' اپنی صفائی پیش کرتے کائناز کی آنکھوں سے ایک مرتبہ پھر سیل رواں جاری ہو گیا تھا زلیخا بیگم تو تڑپ ہی گئی تھیں۔

''ایسا کیوں سوچتی ہو، میں بہن ہوں تمہاری خود سے زیادہ تمہیں جانتی ہوں، تمہارا اعتبار کرتی ہوں، تم مجھے وضاحت کیوں دے رہی ہو؟''

''مگر آپا، نائلہ بھابھی۔'' آنسوؤں کی یورش نے کائناز کو بات بھی مکمل نہیں کرنے دی تھی۔

''پاگل ہے نائلہ بھی، مرد کو محبت سے قید کرنے کی بجائے زور زبردستی اور شک سے قابو کرنے کی کوشش کرتی ہے، تم فکر نہیں کرو میں بات کروں گی اس سے، تم کوئی لاوارث نہیں ہو جو وہ تم سے ایسا ہتک آمیز برتاؤ روا رکھے۔'' مگر کائناز تڑپ ہی گئی زلیخا بیگم کی بات پر۔

''نہیں نہیں آپا، خدا کے لئے یہ غضب مت کیجئے گا، آپ نائلہ کو نہیں جانتی وہ تو طوفان اٹھا دے گی اور پھر جس کو معلوم نہیں بھی ہو گا اسے بھی خبر ہو جائے گی، بات کو گھر میں ہی رہنے دیں پلیز۔'' کائناز نے لجاجت سے زلیخا بیگم کو روکا تھا انہوں نے اس کے گلابی بھیگتی آنکھوں اور چہرے کی بے بسی پہ خود کو اذیت میں کتنے محسوس کیا تھا، ان کی پرخلوص نرم دلی بہن کس قدر دکھی تھی، ہر ایک کی مدد کرنے والی صبر و برداشت سے زندگی کی گاڑی اکیلے ہی دھکیل رہی تھیں۔

نجانے ان کی بہن کی خوشیوں اور سکون کو کس کی نظر کھا گئی تھی جو وہ بھری جوانی میں خالی جھولی لئے بے آس و نامراد رہ گئی تھیں، میکے کے نام پر دونوں بہنوں کے پاس ایک دوسرے کے سہارے کے علاوہ اور کچھ بھی نہیں تھا بھائی تو کوئی تھا نہیں اور والدین عرصہ ہوا منوں مٹی تلے سو گئے تھے، زلیخا بیگم کی شادی کو محض دو برس ہی تو ہوئے ہوں گے جب آگے پیچھے دونوں ہی اجل کے

راستے کے مسافر ہو گئے تھے، وہ تو شکر تھا سکندر ان کے کزن تھے ایک ہی گھر میں تھے سو کائناز کو کبھی بھی میکے کی کمی محسوس نہیں ہونے دی تھی، ہاں ان کی خواہش ضرور تھی کہ کائناز اور رضا کو ایک بندھن میں باندھ دیا جائے مگر جب انہوں نے رضا کی نائلہ میں دلچسپی دیکھی تو انہوں نے اس پر کسی بھی قسم کا کوئی دباؤ نہیں ڈالا تھا بلکہ پوری عزت و آبرو شان سے نائلہ کو بیاہ کر اپنے گھر میں لائے تھے، کائناز کے لئے انہوں نے احمر جیسا بہترین ساتھی ڈھونڈا تھا جو ہر لحاظ سے کائناز کے لئے موزوں اور مناسب تھا یہ کائناز کی قسمت میں لکھی آزمائش کہ وہ بانجھ تھی مگر احمر نے آٹھ برس تک اسے کبھی بھی اولاد کی کمی کا طعنہ نہیں دیا تھا نہ ہی کبھی اس کی ذات کی اتنی بڑی کمی کو طنز کا نشانہ بنایا تھا، لیکن اچانک اس نے دوسری شادی کر کے بھی اچھا نہیں کیا تھا۔

☆☆☆

سارہ اپنے کمرے میں بیٹھی کوئی کتاب پڑھ رہی تھی جبھی وہاں عجلت میں رضا آیا تھا اور آتے ہی واش روم میں گھس گیا تھا، سارہ نے نظر کی نظر اٹھا کر واش روم کے بند دروازے کو دیکھا تھا، رضا آج شاید کہیں جانے کا ارادہ رکھتا تھا جبھی اتنی عجلت پسندی سے کام لے رہا تھا، سارہ نے کتاب بند کی اور اس کے باہر نکلنے کا انتظار کرنے لگی تھی رضا فریش ہو کر باہر آیا تو اسے نے پوچھا تھا۔

''کیا ہوا خیریت، کہیں جا رہے ہیں کیا؟'' سارہ نے اسے تولیے سے بال رگڑتے دیکھ کر فوراً پوچھا تو اس نے اثبات میں سر ہلایا تھا۔

''پلیز یار میرے کپڑے تو نکال دو، مجھے ابھی کراچی کے لئے نکلنا ہے۔''

''میں بھی ساتھ چلوں۔'' سارہ بجائے کپڑے نکالنے کے خود جانے پر تیار ہو گئی تھیں۔

''نہیں۔'' رضا نے نرمی اور دھیمے پن سے روکا تھا۔

''میں فیکٹری کے کام سے جا رہا ہوں تمہیں نہیں لے جا سکتا۔'' مگر سارہ کا منہ بن گیا تھا وہ پیچھے ہٹ کر بیڈ پر منہ پھلا کر بیٹھ گئی تھی۔

''ہمارے لئے وقت نہ نکالنا بھی۔'' اس نے زہر میں بجھا تیر منہ سے نکالنا ضروری سمجھا تھا۔

''حد ہے یار، تم بھی کبھی کبھی بہت بچکانہ حرکتیں کرنے لگتی ہو، میں کسی ٹرپ پر نہیں جا رہا بلکہ فیکٹری کے کام سے جا رہا ہوں کل شام تک لوٹ آؤں گا، اب پلیز کپڑے تو نکال دو میرے۔'' مگر سارہ شاید کسی اور ہی ترنگ میں تھی اس نے شاید سنا ہی نہیں تھا۔

''میں دیکھ رہی ہوں تم نے میری بات کو اہمیت دینا چھوڑ دی ہے؟'' رضا نے اس کے خیال پر کوئی تبصرہ نہیں کیا اور یہ اس نے اور بھی برا کیا تھا سارہ کے ساتھ نہیں اپنے ساتھ۔

''شافع کدھر ہے، اس کے ہونٹ کا زخم ٹھیک ہوا کہ نہیں؟'' وہ آئینے کے سامنے کھڑا ہو کر بال بنا رہا تھا سارہ ایکدم پیچھے سے اس کے سامنے آئی تھی دونوں کا عکس آئینے میں ایک ساتھ واضح ہو گیا، دونوں کے ہی چہرے کے تاثرات جداگانہ تھا۔

''تم بات کو مت بدلو، بس میری بات کا جواب دو؟'' رضا نے گہری تھکی ہوئی سانس فضا میں چھوڑی۔

''کیا...... کیا جواب دوں تمہارے تحفظات کے جواب میں، جو کہ سراسر غلط اور بے بنیاد ہیں، کہا ناں پھر کوئی پروگرام رکھ لیں گے ابھی نہیں لے سکتا، اب چلو مجھے پورچ تک تو چھوڑ دو

پلیز۔''

''تم صرف مجھے بہلانے کی کوشش کر رہے ہو جبکہ میں کوئی بچی نہیں جو تمہارے چمکارے سے بہل جاؤں گی۔'' رضا سارہ کے شکوے پر بے ساختہ مسکرایا تھا پھر کچھ بھی کہے بغیر اس کا ہاتھ پکڑ کر باہر کی جانب لپکا تھا، جب وہ دونوں پورچ میں پہنچے تو کائناز لان میں گوڈی کر رہی تھی رضا بے ساختہ اس کی جانب بڑھا تھا مگر اپنی اس حرکت سے وہ نائلہ اوندھے منہ گرا گیا تھا، اس سے پہلے کہ وہ اسے روک پاتی رضا کائناز تک پہنچ چکا تھا۔

''کائناز، کراچی جا رہا ہوں کچھ منگوانا ہے تمہیں تو بتا دو؟'' رضا نے بے حد خوشگوار موڈ میں تھا کائناز نے اس کے پیچھے شعلہ باز نگاہوں سے گھورتی سارہ کو دیکھا اور سر نفی میں ہلا دیا۔

''ارے تکلف سے کام مت لو، بتا دو ناں میں لیتا آؤں گا آخر پہلے بھی تو لایا کرتا تھا یاد ہے تم تو اتنی بڑی فرمائش لسٹ بنا کر رکھتی تھیں کہ میری ساری جیب خالی ہو جاتی تھی مگر تمہاری چیزیں پوری نہیں ہوتی تھیں۔''

''اب اس بے چاری کی کیا خواہش رہی ہو گی رضا، گھر سے نکالی ہوئی عورت زمانے کی ٹھوکروں پر ہوتی ہے، اسے تو سر کی چھت مل جائے ہی بہت ہے اور کائناز بھی تو اب ایسی ہی ہے دربدر ٹھوکریں کھانے والی۔'' اچانک ہی سارہ نے پیچھے سے آ کر کہا تھا، کائناز کے چہرے کا رنگ آن واحد میں فق ہوا تھا مگر رضا بغیر کچھ کہے وہاں سے پلٹ گیا تھا، حالانکہ چاہیے تو یہ تھا کہ اس بات پر نائلہ کا منہ تھپڑ سے بند کر دیتا، ٹوک ہی دیتا مگر کائناز کو حیرت ہوئی اس نے تو اس بات کا نوٹس ہی نہیں لیا تھا، کائناز کا سیاہ پڑتا چہرہ دیکھ کر سارہ کے دل کو یک گونہ سکون ملا تھا، وہ مسکراتے ہوئے رضا کے بازو کو پکڑے لاڈ سے کہہ رہی تھی۔

''جلدی آیئے گا رضا، میں تو اداس ہو جاتی ہوں آپ کے بغیر اور دھیان سے جایئے گا کھانا وقت پر کھایئے گا آپ گھر سے باہر جا کے اپنا بالکل بھی خیال نہیں رکھتے۔'' رضا نے جواباً پتہ نہیں کیا کہا تھا کائناز کی آنکھیں اس منظر کو دیکھنے سے پہلے ہی دھندلا گئی تھیں اس کے پورے وجود میں سناٹے اتر آئے تھے قسمت اتنی بھی ستم ڈھا سکتی ہے کسی کی ناتواں ذات پر کہ عرش سے گرا کر فرش کی خاک میں تبدیل کر دے، کائناز اپنی ہی جگہ جیسے ساکت اور بے جان سی ہو گئی تھی سارہ نے فاتحانہ نگاہوں سے اس کا خاک ہوتا وجود دیکھا اور تنفر سے سر جھٹک کر اندر بڑھ گئی۔

☆☆☆

''ایک بات کرنی تھی آپ سے، آپ بزی تو نہیں ناں۔'' رات زلیخا بیگم کمرے میں آئیں تو سکندر سے بولی تھیں، وہ ٹی وی دیکھنے میں مگن تھے زلیخا بیگم کا سنجیدہ انداز دیکھ کر چونکے۔

''ارے بالکل بھی نہیں، تم کہو کیا کہنا چاہتی ہو۔'' انہوں نے فوراً ٹی وی کا بٹن ریموٹ سے آف کرتے نرمی و شگفتگی سے کہا تھا۔

''سکندر مجھے کائناز کے حوالے سے بات کرنی تھی۔''

''ہاں...... ہاں کہو...... کیا ہوا اسے...... طبیعت وغیرہ تو ٹھیک ہے ناں اس کی؟'' وہ فوراً فکر مند ہوئے تھے۔

''طبیعت تو ٹھیک ہے اس کی، بس نصیب ہی صحیح نہیں بے چاری کے، اسے لگتا ہے کہ جو فیصلہ آپ نے اس کے لئے کیا ہے، احمر وہ مطالبہ کبھی نہیں پورا کرے گا اور خود کائناز کو بھی یہی لگتا ہے کہ وہ اس قابل نہیں کہ اس کی واپسی کے لئے

ایسی شرائط رکھی جائیں۔" نہایت افسردگی اور دلگیری سے زلیخا بیگم نے کائناز کی کہی بات من و عن دہرا دی تھی مگر سکندر تو سکتے میں آ گئے تھے۔

"کائناز نے یہ سب کہا؟" زلیخا نے آہستگی سے اپنے کہے کی تصدیق اثبات میں سر ہلا کر کر دی۔

"حیرت ہے وہ اتنا منفی ہو کر کیسے سوچ سکتی ہے بھلا، پھر میرے لئے وہ بالکل چھوٹی بہنوں کی طرح ہے میں جو بھی کروں گا اسی کی بھلائی کے لئے ہی کروں گا۔"

"سکندر میں جانتی ہوں بلکہ کائناز بھی اچھی طرح سے جانتی ہے کہ آپ اس کی بھلائی کے لئے ہی یہ سب کر رہے ہیں، مگر میں نے دیکھا ہے جیسے کائناز اندر سے بہت خوفزدہ ہے، اگر خدا نخواستہ احمر مطالبہ پورا نہ کر سکا تو۔"

"علیحدہ گھر کا مطالبہ قطعی اتنا بڑا نہیں جو احمر افورڈ نہ کر سکے، اتنے بڑے بزنس کا اکلوتا مالک ہے اگر وہ چاہے تو ایک نہیں بلکہ کئی گھر خرید کا کائناز کے نام کروا دے، اسے سمجھاؤ زلیخا، میں جو بھی کر رہا ہوں بالکل ٹھیک کر رہا ہوں، ہمیں نہیں معلوم زندگی اگلی ساعت ہمارے لئے کون سی آزمائش لا کھڑی کرے، کم از کم کائناز کے پاس اپنے ذاتی گھر کا تحفظ تو ہونا ہی چاہیے اور انشاء اللہ وہ دن زیادہ دور نہیں ہے جب وہ اپنے گھر واپس جائے گی، بتا دینا اسے۔" مسکراتے ہوئے کہا تھا، آمین کہتے ہوئے زلیخا بیگم بھی پھیکی سی مسکراہٹ سے ہنس دی تھیں۔

☆☆☆

رضا واپس آیا تو سب کے لئے ہی حسب معمول ڈھیروں تحائف خرید لایا تھا، وہ جتنا دل کا کھلا تھا اس سے زیادہ ہاتھ کا کھلا تھا، اپنے بھیا بھابھی اور ان کے دونوں بچوں میں تو اس کی جان قید تھی، وہ جتنا ان پر جان چھڑکتا تھا نائلہ اس قدر ان سے چڑتی تھی، رضا کو کبھی سمجھ نہیں آ سکی نائلہ کو آخر ان سے پرخاش کیا ہے، اسے عجیب طرح کے دورے پڑتے کبھی بیٹھے بیٹھے رونا شروع کر دیتی کبھی اچانک ہی واویلا کر کے اس گھر سے نکلنے کے درپے ہو جاتی، اس کا ہر عمل اس کوشش کے لئے ہوتا کہ کسی طریقے وہ اس گھر سے الگ ہو جائے مگر اس کا ہر عمل ہی الٹا پڑ جاتا جب رضا وہاں سے نہ جانے کا قطعی فیصلہ سنا دیا کرتی، دنوں منہ پھلائے خود سے نالاں اور گھر والوں سے بے زار وہ کلینک اور ہاسپٹل کے چکر کاٹے رکھتی، ضدی اور اس قدر کہ گزشتہ آٹھ برس کی ازدواجی زندگی میں ایک دفعہ بھی اپنی غلطی تسلیم نہیں کی، رضا مرد ہو کر بھی جھکتا اور بار بار جھکتا چلا جاتا اور ایسا وہ صرف نائلہ کی محبت میں کرتا، نائلہ سے محبت کی خاطر ہی اس نے کائناز جیسی کومل و مثبت سوچ رکھنے والی صابر لڑکی کو ٹھکرایا تھا، نائلہ کی تسلط پسندی، شک اور زبان درازی کے باوجود بھی رضا کو وہ بے حد عزیز تھی اور اسی بات کا ناجائز فائدہ وہ ہمیشہ ہی اٹھایا کرتی تھی مگر حد تو اس وقت ہوئی جب کائناز جھگڑا کر کے اس گھر میں آئی، حالانکہ رضا اور کائناز بہت کم ایک دوسرے کو مخاطب کرتے تھے مگر نائلہ شک کی آندھی میں جلتے ہوئے از خود ہی کوئی نہ کوئی بات کیے رکھتی اپنی طرف سے وہ یہ باور کروانی کہ اس کی دونوں پر نظر ہے جبکہ تصویر کا دوسرا رخ دیکھا جائے تو معلوم ہو کہ اگر ان کا ذہن اس طرح کی پراگندگی کی طرف نہیں بھی ہے تو بھی اپنی جلی کٹی باتوں سے لایا جائے، نقصان تو دونوں صورتوں میں نائلہ کا ہی ہوتا، مگر اسے یہ بات سمجھاتا کون۔

رضا واپس آیا تو جہاں بھابھی بیگم سب کے

لئے تحائف خریدے وہیں پر کائناز کے لئے بھی جوڑا لے آیا، رضا جس وقت واپس آیا نائلہ کلینک میں تھی اور باقی سب لاؤنج میں چائے پی رہے تھے۔

''اتنا سب کچھ لانے کی کیا ضرورت تھی رضا، تم جب بھی کہیں جاتے ہو اتنا کچھ اٹھا لاتے ہو ابھی تو تمہارے پچھلے تحائف بھی ویسے کے ویسے پڑے ہیں۔'' زلیخا بیگم کے لہجے میں چھوٹے دیور کے لئے محبت مان اور فخر تھا رضا ہولے سے مسکرایا تھا۔

''بھابھی بیگم، آپ تو جانتی ہیں کہ مجھے اپنوں کے لئے شاپنگ کرنے میں کتنا مزہ آتا ہے اور دیکھیں تو کتنا خوبصورت کلر لایا ہوں اس دفعہ آپ کے لئے، ہلکے رنگ کا جوڑا آپ کے لئے جبکہ یہ ریڈ کلر کا جوڑا میں کائناز کے لئے لایا تھا، اس کا فیورٹ کلر ہے ناں۔'' رضا فخریہ انداز میں مسکراتے ہوئے کائناز کے جگمگ کرتے چہرے کو دیکھتے بولا تھا جو یکدم ہی متوجہ ہوئی تھی۔

''ارے واہ کس قدر عمدہ جوڑا ہے تھینک یو رضا، یہ تو سچ میں بہت خوبصورت ہے۔'' شیفون کے ریشمی جوڑے کو ہاتھوں میں بھینچ کر اس کی نرماہٹ محسوس کرتے اس نے ممنونیت سے شکریہ ادا کیا تھا رضا کا دل خوش ہو گیا۔

''اور رنگ دیکھو ڈھونڈ کے تمہاری پسند کا لایا ہوں۔'' اس سے پہلے کہ کائناز اس بات پر کوئی تبصرہ کرتی اس وقت نائلہ نے لاؤنج میں قدم رکھا تھا کائناز کی نظر سب سے پہلے اس پر پڑی اور اس کا رنگ لٹھے کی مانند سفید ہو گیا تھا وہ جانتی تھی کہ نائلہ یقیناً اس بات کا کوئی غلط مطلب ہی نکالے گی، مگر اور واقعتاً ایسا ہی ہوا نائلہ نے کائناز کے اڑتے رنگ کو اپنی نظر سے دیکھ کر جانچا تھا، زلیخا بیگم نے نائلہ کو دیکھتے ہی ازلی نرمی سے حلاوت گھلے لہجے سے پکارا تھا۔

''ارے نائلہ وہاں کیوں کھڑی ہو، آؤ ناں اندر دیکھو رضا کس قدر خوبصورت شاپنگ کر کے لایا ہے ہم سب کے لئے۔'' سارہ نے ایک خاموش سرد نگاہ رضا پر ڈالی اور بظاہر مسکرا کر بولی تھی۔

''میرا نہیں خیال کہ اس محفل میں مجھے کباب میں ہڈی بننا چاہیے، سو پلیز۔'' ایک ایک لفظ چبا کر وہ پاؤں پٹخ کر اوپر اپنے کمرے میں گئی تھی بیڈروم میں آتے اس نے ہینڈ بیگ اور چپل غصے سے ہوا میں اڑا دیئے تھے، کھولتے دل و دماغ کے ساتھ وہ بے چین انداز میں سوچ رہی تھی۔

ان دونوں کی بے تکلفی تو دن بدن بڑھتی ہی جا رہی ہے اور وہ ڈائن مکمل طور پر رضا کو اپنے شیشے میں اتارنے کے چکر میں ہے، کوئی نہ کوئی بندوبست تو کرنا ہی پڑے گا آخر سارہ حیات نام ہے میرا، جو میں کروں گی وہ تو سارا زمانہ بھی دیکھے گا اب، کسی نتیجے پر پہنچ کر اس نے گہری سانس لی تھی۔

حیرت انگیز طور پر اگلے چند دن تک نائلہ نے گھر میں کوئی فساد برپا نہیں کیا تھا۔

☆☆☆

کہتے ہیں طوفان ہو یا قیامت کبھی بتا کر نہیں آتے ہاں آنے سے پہلے کچھ آثار دکھائی دیتے ہیں مگر انسان اپنے خودی کے زعم میں ان پر ذرا کم کم ہی دھیان دیا کرتا ہے۔

لہٰذا سکندر ہاؤس کے مکینوں نے بھی اس پر دھیان دینا ضروری نہیں سمجھا تھا، اس دن نائلہ کی طبیعت خراب تھی اس نے ہاسپٹل سے چھٹی کر لی تھی، شام کا وقت تھا رضا آفس سے واپس لوٹا تو نائلہ کو بے وقت لیٹے ہوئے دیکھ کر حیران رہ گیا

تھا، نائلہ بہت ایکٹو خاتون تھی وہ کم نیند لینے کے باوجود بھی بہت فریش اور چاک و چوبند رہا کرتی تھی اپنا بہت خیال رکھنے کی وجہ سے وہ بیمار بھی بہت کم ہوا کرتی تھی، تبھی اسے یوں بے وقت لیٹے دیکھ کر رضا کو فکر ہوئی تھی وہ بے ساختہ اس کے پاس آیا تھا اور اسے ہولے سے پکارا تھا۔

''نائلہ آر یو اوکے جان، اس وقت کیوں لیٹی ہوئی ہو؟'' سارہ نے اسے دیکھ کر سر کو مسل کر بمشکل تمام بتایا تھا۔

''ہاں بس ذرا سر میں درد تھا، تم کب آئے؟''

''ابھی، تم ایسا کرو کوئی ٹیبلٹ لو، میں چائے کا کہہ کر آتا ہوں۔'' وہ فوراً ہی واپس پلٹا تھا۔

''ہاں پلیز چائے کا کہہ آؤ، بہت طلب ہو رہی تھی مجھے مگر ہمت ہی نہیں ہوئی کسی سے کہنے کی۔'' نا شوہر کو فکر مند ہوتا دیکھ کر وہ مزید نقاہت خود پر طاری کرتے ہوئے بولی تھی، رضا کو اور بھی فکر ہوئی۔

''ایسا مت کیا کرو نائلہ، پلیز خود کا خیال رکھا کرو، اپنی ذات سے لاپروائی قطعی اچھی بات نہیں ہوتی، اینی وے میں چائے کا کہہ کر آتا ہوں۔'' اتنا کہہ کر وہ کمرے سے باہر نکل گیا تھا، نائلہ کے چہرے پر رضا کے تفکر انگیزی نے مسکراہٹ بکھیر دی تھی، وہ مسکراتے ہوئے اٹھی اور دراز سے میڈیسن نکالنے لگی تھی۔

رضا کچن میں ملازمہ کو چائے کا کہنے آیا تو وہاں پہلے سے کائناز اپنے لئے چائے بنا رہی تھی وہ چائے کپ میں چھان رہی تھی کہ آہٹ پر چونکی، رضا ہولے سے کھنکارا تھا مگر کائناز یوں بدکی گویا بھوت دیکھ لیا ہو اور کسی افراتفری میں گرم گرم چائے اپنے ہاتھ پر چھلکا بیٹھی تھی۔

رضا نے اسے یوں جلتا دیکھا تو خود بے ساختہ آگے بڑھا تھا، دوسری طرف نائلہ میڈیسن لینے کے لئے اٹھی مگر جگ میں پانی نہیں تھا، اسی لئے رضا کا انتظار کرنے کی بجائے، وہ کچن کی جانب خود ہی چل دی تھی۔

رضا نے بے ساختہ کائناز کا نازک ہاتھ تھام لیا تھا جو کہ گرم چائے گرنے کی وجہ سے گلابی ہو رہا تھا، رضا نے بے ساختہ اس پر پھونک ماری تھی جبکہ کائناز تو درد برداشت کرنے کی کوشش میں ہونٹ مسلے آنکھیں موندے کھڑی تھی اس کا دل دھک دھک کر رہا تھا۔

''آئم سوری کائناز، میری وجہ سے تمہارا ہاتھ جل گیا۔'' رضا کو شرمندگی ہوئی کائناز اپنے دھیان میں تھی رضا کی آمد سے شاید وہ ڈر گئی تھی۔

''اٹس اوکے رضا، یہاں تو زندگی ہی آگ کے شعلوں کی نذر ہوگئی پھر وجود کی کیا پرواہ، ہاتھ جلے یا دل، ایک ہی بات ہے۔'' اس نے نجانے کس احساس کے تحت افسردگی سے کہا تھا، کسی زمانے میں وہ اور رضا بہت اچھے دوست ہوا کرتے تھے۔

''خود کو تباہ کرنے پر کیوں تلی ہو، اسے چھوڑ کیوں نہیں دیتیں؟'' رضا کو دکھ ہوا اس کی ناتواں حالت دیکھ کر، وہ کتنا دکھی و غمزدہ تھی جس کے وجود سے کبھی تتلیاں رنگ چراتی تھیں۔

''اسے چھوڑ کر کہاں جاؤں گی، کیا میرے پاس کوئی اور ٹھکانہ ہے۔'' کائناز نے سوال اٹھایا رضا کا سر قصور نہ ہوتے ہوئے بھی جھک گیا بہت دیر بعد بولنے کے قابل ہوا تو فقط اتنا ہی کہہ سکا۔

''میں تمہارا مجرم ہوں شاید۔'' گویا یقین نہیں مگر پر ملال ضرور تھا

''اس میں تمہارا کیا قصور یہ تو میری قسمت کے لکھے فیصلے ہیں۔'' کائناز دکھ کی کرچیاں لہجے

میں سموتے ہولے سے ہنسی گویا رضا کی عقل پر ماتم کر رہی ہو۔

''ویسے بھی دکھ تو بانجھ عورت کے نصیب میں لکھے ہوتے ہیں، کسی چاند گرہن کی طرح، تم شرمندہ کیوں ہوتے ہو۔''

''یہ تو تمہارا بڑا پن ہے ورنہ حقیقت تو یہ ہے کہ تمہیں آج یہاں اس مقام تک لانے والا میں ہی ہوں۔'' اس سے پہلے کائناز جواب میں کچھ کہہ پاتی وہاں اچانک ہی نائلہ آئی تھی اس کے لہجے کے سرد پن نے کائناز کی رگوں میں گودے تک کو جما ڈالا تھا۔

''اچھا تو یہاں یہ سب چل رہا ہے؟'' رضا اور کائناز نے بے ساختہ ایک دوسرے کا ہاتھ چھوڑا تھا یوں جیسے سچ مچ کوئی چوری کرتے پکڑے گئے تھے نائلہ دو قدم آگے بڑھ آئی تھی، کائناز کے عین سامنے وہ سینے پر دونوں ہاتھ باندھ کر کھڑی ہو گئی تھی کائناز کے پہلے ہاتھ کانپے پھر نظریں جھکیں، نائلہ کے غصے میں اور بھی اضافہ ہوا۔

''میں نے زندگی میں تمہارے جیسی ذلیل عورت نہیں دیکھی جو اپنا گھر لٹنے پر پرائے گھروں کے خواب بڑے دھڑلے سے دیکھتی ہیں وہ بھی دن دیہاڑے اور تم۔'' وہ رضا کی طرف متوجہ ہوئی تھی۔

''تم اتنا بھی گر سکتے ہو، اس کا اندازہ بھی نہیں تھا مجھے، بلکہ مجھے تو کس بھی حد تک تمہارا اتنا گر جانے کا اندازہ تھا ہی نہیں، تم یوں دن دیہاڑے سرِ عام اس کے ساتھ میرے ہوتے ہوئے بھی عشق کی پینگیں بڑھا رہے ہو، تمہیں واقعی میں ذرا سی بھی شرم نہیں آتی۔''

''نائلہ ایسا کچھ نہیں ہے تم غلط سمجھ رہی ہو۔'' رضا بے ساختہ نائلہ کا غصہ دیکھتے منمنایا نائلہ کو اور شہہ ملی۔

''تم نے میرے اعتبار کو بہت گہری ٹھیس پہنچا دی رضا۔'' نائلہ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے، رضا اور بھی بے چین ہو گیا۔

''تم اوور ری ایکٹ کر رہی ہو نائلہ، کائناز کا صرف ہاتھ جل گیا تھا، میں تو بس وہی دیکھ رہا تھا۔''

''تو......'' نائلہ نے بات اچکی۔

''تو جلنے دیتے ہاتھ بلکہ اس کا پورا وجود بھی جل جائے میں تمہیں پھر بھی کبھی اس بات کی اجازت نہیں دوں گی کہ اسے بچاؤ۔''

''بھابھی...... رضا سچ کہہ رہے ہیں ایسا کچھ......'' مگر نائلہ کو تو اس کے بولنے سے ہی نفرت تھی، شاید تبھی ٹوک گئی۔

''تم......تم اسی لئے واپس نہیں جاتی ناں، کہ جو یہاں عیش ہیں وہ احمر کے گھر نہیں۔''

''نائلہ حد میں رہو، اب تم زیادتی کر رہی ہو کائناز کے ساتھ۔'' رضا کو بالآخر غصہ آ ہی گیا تھا۔

''اپنی آواز دبا کر رکھو رضا، ورنہ چیخنا مجھے بھی آتا ہے اور اگر میری آواز بلند ہو گئی تو پھر سب کچھ تہس نہس ہو جائے گا اور میری بھی سن لو، اب میں یہاں ایک منٹ نہیں ٹھہرنے والی، یا تو اس گھر میں میں رہوں گی یا پھر یہ۔'' پاؤں پٹخ کر وہ واپس مڑ گئی تھی، رضا نے بے ساختہ سر کو ہاتھوں میں گرایا تھا۔

''نائلہ...... نائلہ...... رکو نائلہ...... پلیز یار میری بات تو سنو۔'' پھر وہ بے ساختہ اس کے پیچھے لپکا تھا، کائناز اس قدر ذلت سہنے کے بعد آنسو پیتی وہیں کھڑی رہ گئی تھی ذلت کی گہری کھائی تھی جو لبالب کیچڑ سے بھری تھی اور اس کے اندر جیسے کائناز کا وجود اترتا جا رہا تھا۔

☆☆☆

پورا گھر جیسے کسی گہرے سناٹے میں اترا ہوا تھا، رضا کا پورشن سیاہ تھا رات آنگن میں اتر آئی تھی مگر کسی بھی قسم کی روشنی نہیں کی گئی تھی، نائلہ کمرہ بند کیے اپنے شوہر کی بے وفائی کا سوگ منا رہی تھی تبھی تو دوسری طرف رضا لاؤنج میں اندھیرے میں بیٹھا سر ہاتھوں میں گرائے خوفزدہ تھا اسے نائلہ کا غصہ، خاموشی دہلا رہی تھی وہ بار بار جا کر اس کے کمرے کا دروازہ پیٹ رہا تھا مگر وہ دروازہ نہیں کھول رہی تھی، وہ بہت جذباتی عورت تھی رضا کو ڈر تھا کہ کہیں وہ خود کو کوئی نقصان نہ پہنچا لے، اس سے کسی بھی کام کی توقع کی جا سکتی تھی۔

''نائلہ...... پلیز دروازہ کھولو نائلہ، مجھے کچھ کہنے کا موقع تو دو۔'' مگر اندر سے جواب ندارد تھا رضا ڈھیلے ڈھالے قدم اٹھاتا واپس اسی جگہ آ بیٹھا تھا۔

اس شام زلیخا بیگم اور سکندر صاحب کے کسی دوست کے ہاں دعوت میں گئے تھے رات گئے وہ واپس لوٹے تو حسب عادت زلیخا بیگم فریش ہونے کے بعد کائناز کے کمرے میں آئی تھیں مگر کائناز کو دیکھ کر زلیخا بیگم کا ہاتھ سینے پر پڑا تھا، الجھے بکھرے بال، متورم آنکھیں، گھٹنوں میں سر دے کر ہولے ہولے سسکتا اس کا وجود، زلیخا بیگم کا تو کلیجہ پھٹ گیا تھا وہ تڑپ کر اس تک بڑھی۔

''کائناز...... کیا ہوا بیٹا؟'' وہ ان سے دس برس چھوٹی تھی بیٹیوں کی طرح سے پالا تھا انہوں نے کائناز کو، اس کا غم اس کے دکھ وہ ایک بہن کی طرح نہیں ایک ماں کی طرح سے سمجھتی اور محسوس کرتی تھیں۔

''آپا...... آپا۔'' وہ سسک کر ان کے گلے لگی اور تڑپتے ہوئے من و عن دہرا گئی۔

''اوہ میرے خدایا۔'' انہوں نے سنتے ہی سر تھام لیا تھا۔

''ایک دن میں گھر سے کیا نکلی، اتنا بڑا طوفان آ گیا۔''

''آپا پلیز میرا اعتبار کریں، نائلہ بھابھی کو غلط فہمی ہوئی ہے میرے دل میں اس کے یا رضا کے حوالے سے کوئی بات بھی نہیں، آپا کم از کم آپ تو میرا یقین کریں۔'' وہ روتے روتے ایکدم شاکی ہوتے کہہ گئی، زلیخا بیگم تڑپ گئیں۔

''مجھے تمہارا اعتبار ہے کائناز، مگر میں باقی سب کو کیسے اس بات کا یقین دلاؤں، حالات تمہارے خراب ہیں نائلہ کا جھوٹا واویلا تمہارے خلاف ہی جائے گا، نائلہ کو تو تم جانتی ہی ہو، بھرے بازار میں رسوا کرنے کی عادت ہے اسے اور جھوٹ بھی ایسی مہارت سے بولتی ہے کہ کیا ہی کوئی سچ بولتا ہو گا۔'' ان کے لہجے میں واضح پریشانی تھی کائناز اور بھی شدت سے رو دی۔

''میں نے آپ سے کہا تھا ناں کہ مجھے واپس بھجوا دیں، میں رہ لیتی جیسے احمر یا اس کی بیوی رکھتے، کم از کم وہاں مجھے ایسی رسوائی کا سامنا تو نہ کرنا پڑتا، اب میں کس کو اپنی بے گناہی کا یقین دلاؤں گی، بتائیں آپا۔''

''میں نے تو سکندر سے کہا بھی تھا مگر میں انہیں منع بھی نہیں کر سکی کیونکہ وہ سب تو تمہارے تحفظ کے لئے ہی کر رہے تھے، کیسا عجیب دوراہا ہے سمجھ نہیں آ رہا کس سمت کا تعین کریں، اللہ تمہارے حق میں بہتر کرے، تم نے کھانا کھایا؟'' انہوں نے گم صم بیٹھی کائناز سے پوچھا تو وہ چونکی، زلیخا کو اس سے خوف محسوس ہوا اس کے چہرے پر موت جیسا سناٹا اور قبرستان جیسی ویرانی تھی، دکھوں نے اسے منجمد کر دیا تھا۔

''کائناز! خود کو سنبھالو بیٹا، یہ اللہ کی

آزمائش ہے اور وہ یقیناً تمہارے صبر سے زیادہ تمہیں نہیں آزمانے والا، اس کا وعدہ ہے اپنے بندے سے۔'' کائنات کی آنکھ سے ایک موتی گر کر بے مول ہو گیا اس نے کھوئے کھوئے انداز میں ماؤں جیسی بہن کو دیکھا اور سر کو اثبات میں جنبش دی۔

''میں تمہارے لئے کھانا لاتی ہوں۔'' زلیخا آنکھیں چراتی اٹھ گئیں۔

☆☆☆

سکندر اپنے کمرے میں اس وقت چینج کر کے لیٹے تھے جب اچانک ہی نائلہ دستک دے کر کمرے میں داخل ہوئی تھی سکندر کو لحہ بھر کو حیرت ہوئی نائلہ یوں کبھی بھی ان کے کمرے میں نہیں آئی تھی، شرم اور لحاظ کا ایک حجاب تھا جو ان جیسی بھابھی کے درمیان پہلے دن سے حائل تھا ان کے رشتے میں کبھی بھی بے تکلفی کی فضا قائم نہیں ہو پائی تھی اور ویسے بھی رضا عمر سے ان سے کہیں چھوٹا تھا تو اس لحاظ سے وہ اسے بھابھی کی حیثیت کم ہی دیتے تھے بلکہ بہو سمجھتے تھے۔

وہ کتاب پڑھ رہے تھے سکندر نے نائلہ کو دیکھ کر فوراً کتاب بند کر دی۔

''بھائی صاحب! کیا اس لئے آپ اسے گھر میں لائے تھے کہ وہ میری خوشیوں پر ڈاکہ ڈال سکے۔''

''کیا ہوا بیٹا؟'' سکندر بوکھلا سے گئے نائلہ ان کے سامنے بیٹھ کر پھپھک کر رو دی۔

''آپ اس گھر کے بڑے ہیں آپ نے ہی آنکھیں بند کر لیں، تو پھر تباہی اور طوفان تو آئے گا ناں۔'' جواباً وہ اور بھی جذباتی ہوئی تھی۔

''تم رونا بند کرو بیٹا اور تسلی سے مجھے ساری بات سمجھاؤ، ہوا کیا ہے؟''

''کیسے تسلی اور اطمینان سے بیٹھوں بھائی صاحب، کیسے؟''

''کچھ بتاؤ تو، انشاء اللہ سب ٹھیک ہو جائے گا۔'' وہ اسے تسلی دلاسہ دیتے چمکار رہے تھے۔

''جو اس گھر میں دن دیہاڑے ہونے لگا ہے ناں بھائی صاحب، اس میں اب کچھ ٹھیک نہیں ہونے والا، آپ کی سالی اور آپ کا بھائی جو گل کھلا رہے ہیں ناں آپ کی ناک کے نیچے، وہ آپ کو کہیں منہ دکھانے لائق نہیں چھوڑے گا۔'' نائلہ نے بغیر لگی لپٹی رکھے ان پر بم گرایا تھا چند لمحے تو وہ کچھ بول ہی نہیں سکے۔

''کیا کہہ رہی ہو نائلہ۔'' بہت دیر بعد وہ کچھ بولنے کے قابل ہوئے تھے۔

''میرا گھر اجڑ رہا ہے بھائی صاحب اور یہ سب صرف آپ کی سالی کی وجہ سے ہو رہا ہے، جو میرے شوہر کے ساتھ تجدید وفا کرتی سرعام پائی جا رہی ہے، ابھی ابھی دیکھ کر آ رہی ہوں بے حیائی کے کھلے عام مظاہرے۔''

''تمہیں فکر کرنے کی قطعاً ضرورت نہیں ہے نائلہ، میں رضا سے بات کرتا ہوں۔'' انہوں نے اٹھ کر اس کے سر پر تسلی دلاسہ دینے کے لئے ہاتھ رکھا مگر نائلہ اڑیل گھوڑی کی مانند اینٹھ گئی، جھٹکے سے ہاتھ ہٹایا۔

''نہیں بھائی صاحب، اب باتوں کا وقت گزر چکا، میرے صبر کی حد ہو گئی، اب صرف عمل ہو گا، اس گھر میں یا تو نائلہ رہے گی یا پھر کائنات۔'' نائلہ کے لہجے کی قطعیت نے سکندر صاحب کو دہلا دیا تھا، نائلہ کمرے سے جا چکی تھی مگر سکندر اپنی جگہ سے کتنی دیر تک ہل ہی نہیں سکے۔

☆☆☆

نائلہ رات کو کمرے میں آئی تو رضا کو اپنا منتظر پایا تھا، نائلہ نے اس کی طرف دیکھنا بھی گوارا نہیں کیا تھا اس کے چہرے کی غیر معمولی

سنجیدگی نے رضا کو شرمندگی کی اتھاہ گہرائیوں میں مبتلا کر دیا تھا، کچھ غلط نہ ہونے کے باوجود بھی وہ اپنی بوکھلاہٹ اور کم ہمتی میں آ کر نائلہ کے وہم کی تصدیق اپنے ہاتھوں سے کر چکا تھا، نائلہ خاموشی سے چینج کرنے کے بعد آ کر بیڈ کے دوسری جانب لیٹ گئی تھی، رضا نے ہمت کو مجتمع کرتے اسے پکارا۔

''نائلہ...... پلیز میری طرف دیکھو ناں۔''
نائلہ نے غیر متوقع طور پر رضا کی طرف منہ پھیر کر دیکھا رضا کو اس کی آنکھوں میں بے تحاشا شکوے اور ٹوٹے۔

''کیا اب کچھ دیکھنے کو باقی رہ گیا ہے۔''
اس کا لہجہ سرد اور برفیلا تھا رضا کی رہی سہی ہمت بھی ناپید ہوگئی، ویسے بھی وہ ان مردوں میں سے نہیں تھا جو بیوی کے سامنے زبان کھولیں یا انہیں غلط بات پر ٹوک سکیں، وہ زن مریدی کے اعلیٰ درجے پر فائز تھا بیوی اس کی نہیں بلکہ وہ بیوی کی پرستش کرتا تھا اور بہت غلط کرتا تھا اور نائلہ کی جائز و ناجائز مان کر ہی تو وہ اس مقام پہ کھڑا تھا۔

''نائلہ پلیز، میری بات سمجھنے کی کوشش کرو، وہ صرف تمہاری نظر کا دھوکہ ہے، غلط فہمی ہوئی ہے تمہیں۔'' نائلہ نے استہزائیہ انداز میں دیکھتے بات کاٹی۔

''غلط فہمی، غلط فہمی صرف مجھے ہی کیوں ہوتی ہے رضا، نظر کا دھوکہ بھی ہمیشہ مجھے کیوں ہوتا ہے کیا تمہیں لگتا ہے کہ میں پاگل ہوں؟''

''میں بس اتنا چاہتا ہوں کہ تمہیں مجھ پر نہ سہی کم از کم اپنی محبت پر یقین ضرور ہونا چاہیے۔''
رضا کا لہجہ کھوکھلا ہو گیا وہ ٹھیک طرح سے اسے مطمئن کیا کر پاتا۔

''کس محبت کی بات کر رہے ہو تم رضا، اسے تو عرصہ ہوا اس دھول مٹی کی نظر ہوئے،

میری محبت تو مر چکی اس کا جنازہ بھی اٹھ چکا اور صرف تمہاری وجہ سے، مجھے تو اب لفظ محبت سے بھی شرم آتی ہے۔'' نائلہ نے اور بھی دکھ سے کہا تھا۔

''بات کو بڑھاؤ مت دو نائلہ، جلد یا بدیر وہ یہاں سے چلی ہی جائے گی۔'' رضا کو تھوڑا غصہ آیا تو کہہ گیا۔

''وہ اب یہاں رہے یا یہاں سے چلی جائے میری بلا سے، مجھے اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا، کیونکہ میں اب یہاں نہیں رہنے والی، سمجھے تم۔'' درشتگی سے کہتی وہ کروٹ بدل کر لیٹ گئی تھی کیونکہ وہ جانتی تھی جو بات وہ کر چکی ہے، رضا وہ سن کر ساری رات سو نہیں سکے گا اور اس کا خیال واثق تھا۔

☆☆☆

رات اتنی اندھیری نہیں تھی مگر کائناز کو بہت سیاہ اور سفاک محسوس ہو رہی تھی وہ کھڑکی میں کھڑی اماوس کے چاند کو دیکھ رہی تھی، اس کی زندگی بھی تو اماوس کی رات کے جیسی تھی، کائناز نے کبھی نہیں سوچا تھا وقت اسے اس دوراہے پر بھی لا کھڑا کرے گا، حد سے زیادہ چاہنے والا شوہر، ذاتی گھر کا راج، ہنسی خوشی زندگی گزر رہی تھی مگر پھر اچانک جانے کیسے اس کی خوشیوں کو نظر لگی تھی۔

اس نے آج کے واقعے کو مدنظر رکھتے اپنی انا کو بالائے طاق رکھتے فوراً احمر سے رابطہ کرنے کی کوشش کی تھی اس نے سوچا تھا محبت کے بغیر گزارا ممکن ہے مگر عزت کے بغیر نہیں اور اب اس کا قوی خیال تھا کہ انا کی بقاء سے زیادہ اپنی نسوانیت اور عزت کا خیال رکھا جائے، دامن پر لگا داغ صدیوں بعد بھی تازہ اور بدنما ہی رہتا ہے، وہ ایسی انمٹ سیاہی سے لکھا جاتا ہے جسے

دھونے کے لئے کوئی ڈٹرجنٹ کوئی دوا ابھی تک نہیں بنائی جاسکی۔

مگر احمر نے فون اٹینڈ نہیں کیا تھا، فون اس کی بیوی نے اٹینڈ کرتے بڑے متکبرانہ انداز میں اسے اس کی اوقات یاد دلائی تھی۔

''احمر سو رہے ہیں، تم انہیں فون کیوں کر رہی ہو، تمہارا کیا حق ہے، اور جو رشتہ کبھی کسی زمانے میں تمہارا ان کے ساتھ تھا وہ اب ختم ہو چکا، تم ان کا وہ ماضی ہو جسے وہ یاد کرنا نہیں چاہتے، بہتر ہے اس سے پہلے کہ وہ تمہیں طلاق دے کر مزید رسوا کردیں، ان سے رابطہ کرنے کی کوشش مت کرنا اور واپس آنے کا تو سوچنا بھی مت، اس گھر کے دروازے تمہارے لئے ہمیشہ کے لئے بند ہوچکے۔'' کائناز دم بخود بغیر کچھ کہے اس کی باتیں سن کر اذیت سہتی رہی، اسے سمجھ نہیں آیا وہ جواب میں کیا کہے، کچھ کہنے کا موقع تو اس عورت نے اسے دیا ہی نہیں تھا اور ابھی تو اسے احمر کی باتیں سننا تھیں، اس احمر کی باتیں جو اس عورت کا شوہر تھا، کائناز کا وہ احمر نہیں جو اس کی محبت کا دم بھرتا تھا جو اس کو دیکھ دیکھ کر جیتا تھا اور جیسے جانے کیا ہوگیا تھا؟

☆☆☆

زلیخا بیگم رات حسب عادت جب تمام کام سمیٹ کر سکندر کے لئے دودھ لے کر آئیں تو انہیں متفکر دیکھ کر لمحے بھر میں خود بھی پریشان ہو گئیں، وہ سر پکڑ کر بیٹھے تھے اور اپنے انگوٹھے اور شہادت کی انگلی سے ماتھا مسل رہے تھے، زلیخا آہستگی سے ان کے پاس آ بیٹھی، سکندر نے انہیں دیکھ کر ٹھنڈی آہ فضا کے سپرد کرتے مسکرانے کی کوشش کرتے ہوئے تکیے سے ٹیک لگا کر نیم دراز ہوگئے تھے، زلیخا انہیں کس قدر تفکر سے دیکھتے ہوئے بظاہر سرسری لہجے میں بولی تھیں۔

''کیا کہہ رہی تھی نائلہ؟''

''کچھ خاص نہیں، وہ بھلا کیا کہے گی مجھ سے۔'' ایکدم چونکتے انہوں نے جیسے خود کو کمپوز کیا۔

''سکندر آپ کا چہرہ بتا رہا ہے کہ آپ بہت پریشان ہیں۔'' وہ بھی ان کی نصف بہتر تھیں ان کے ہر ہر انداز کو پہچاننے والی، سکندر نے بے ساختہ ٹھنڈی سانس فضا کے سپرد کی۔

''پریشانی کی تو بات ہے زلیخا، جب عورت کے ذہن میں شک کا کیڑا کلبلانے لگے تو اس کی آنکھوں کی بینائی ختم ہو جاتی ہے، اسے سامنے نظر آتی حقیقت نہ سمجھ آتی ہے نہ دکھائی دیتی ہے، آگے کنواں پیچھے کھائی ہے زلیخا، نائلہ سمجھنے کی پوزیشن میں نہیں ہے اور کائناز کو یوں واپس بھیج نہیں سکتا، دونوں کی خوشی عزت اور سکون مجھے عزیز ہے۔'' سکندر واقعی میں پریشان تھے زلیخا کو دکھ ہوا، مگر وہ بات جسے کہنے میں انہیں جھجک اور مشکل پیش آرہی تھی اسے کرنے میں انہیں جیسے اس وقت لمحہ لگا تھا۔

''یہ اتنا بڑا مسئلہ نہیں ہے سکندر، آپ خوامخواہ میں اتنی ٹینشن نہ لیں، اس کا حل ہے۔'' زلیخا بیگم نے مسکراتے ہوئے لہجے کو سرسری بنایا تو وہ چونکے۔

''حل...... کیا حل ہے تمہارے پاس؟''

''سکندر، آپ احمر کو بلائیں اور بغیر شرط پوری کروائے کائناز کو واپس بھجوا دیں۔'' مگر سکندر نے انہیں ایسے دیکھا جیسے زلیخا کی دماغی حالت پہ شبہ ہو۔

''تم ہوش میں تو ہو، ہوش کے ناخن لو زلیخا، میں خاندان والا ہوں، تم جانتی ہو میں نے احمر کے سامنے یہ شرط رکھی ہوئی ہے اب مطالبہ پورا نہ کروا کے میں اپنی بے عزتی نہیں کروا سکتا۔''

''مگر اس کے علاوہ اور کوئی حل بھی تو نہیں ہے سکندر، میں نہیں چاہتی کہ اس گھر کا سکون میری بہن پر لگائے گئے بے بنیاد الزمات کی وجہ سے خراب ہو اور پھر کائناز کو اعتراض نہیں ہے۔''

''تم کائناز کو سمجھاؤ بس، میں اس کا بھائی زندہ ہوں ابھی، اسے پوری عزت و آبرو کے ساتھ واپس بھجواؤں گا، لاؤ...... دودھ دے دو، میں سونا چاہتا ہوں۔'' انہوں نے بات ختم کرتے ہی دودھ کا گلاس غٹا غٹ خالی کر دیا تھا، زلیخا اٹھ کر باہر آ گئیں۔

☆☆☆

زلیخا کائناز کے کمرے میں آئیں تھیں تا کہ اسے سکندر کا جواب بتا سکیں، مگر اندر کا سین دیکھ کر وہ ساکت ہو گئیں تھیں بے ساختہ ان کے منہ سے چیخ نکلی تھی اور وہ تڑپ کر کائناز کے اوپر آ کر گری تھیں، جو زمین پر اوندھے منہ گری ہوئی تھی۔

''کائناز...... کائناز کیا ہوا کائناز، تم ٹھیک ہو، پلیز آنکھیں تو کھولو، کائناز؟'' مگر وہ بے ہوش ہو چکی تھی۔

''سکندر...... سکندر جلدی آئیں دیکھیں تو کائناز کی کیا حالت ہو گئی ہے۔'' کچھ ہی دیر میں سکندر اور زلیخا نے کائناز کو بیڈ پر لٹایا تھا۔

''اسے جلدی سے ڈاکٹر کو دکھائیں سکندر۔'' زلیخا روتے ہوئے بولی تھیں، سکندر نے بے ساختہ وال کلاک کی جانب دیکھا جہاں رات کے ڈھائی بج رہے تھے۔

''رات کے ڈھائی بج رہے ہیں زلیخا، اس وقت بھلا کون سا ڈاکٹر ہو گا، چھوٹا سا تو شہر ہے ہمارا۔'' سکندر صاحب کی بات سن کر زلیخا کا چہرہ واضح انداز میں پھیکا پڑا تھا۔

''تم فکر نہیں کرو، میں نائلہ کو بلا کر لاتا ہوں۔''

''وہ نہیں آئے گی سکندر۔'' انہوں نے باہر جاتے سکندر کو پکارتے آہستگی سے کہا تھا۔

''میں بلاؤں گا تو آ جائے گی۔'' سکندر کے لہجے میں مان اور بھروسہ تھا، زلیخا کچھ کہہ نہیں سکیں۔

☆☆☆

وہ دونوں بڑی گہری نیند سوئے ہوئے تھے جس وقت سکندر نے ان کا دروازہ بجایا تھا، رضا گہری نیند میں تھا مگر نائلہ نیند کی کچی تھی ہلکے سے کھٹکے سے اس کی آنکھ فوراً کھل جایا کرتی تھی، ابھی بھی پہلی دستک پر وہ اٹھ بیٹھی تھی پھر آگے بڑھ کر رضا کا کندھا ہلایا تھا۔

''رضا...... دیکھیں ناں، دیکھیں باہر کون دستک دے رہا ہے؟''

''ہوں...... کون ہے تم خود ہی دیکھ لو ناں۔'' وہ نیند میں ہی بڑبڑایا تھا۔

''رضا...... دروازہ کھولو ناں، بار بار دستک ہو رہی ہے۔'' اس بار نائلہ نے ذرا درشتگی سے اسے ڈپٹا تو وہ فوراً اٹھ کر دروازے تک گیا تھا، اس نے دروازہ کھولا تو سامنے بوکھلاتے ہوئے سکندر کھڑے تھے رضا کی نیند بھک سے اڑی۔

''خیریت بھائی صاحب۔'' بے ساختہ وال کلاک کی جانب نگاہ بھی ڈالی۔

''کائناز اچانک سے بے ہوش ہو گئی ہے ہر طریقے سے کوشش کر چکے ہیں مگر اسے ہوش نہیں آیا میں نائلہ کو بلانے آیا ہوں اسے آ کر دیکھ لے۔'' انہوں نے تفکر و پریشانی کی آمیزش سے کہا تھا، رضا نے بے ساختہ فوراً جان بوجھ کر سوتی بن جانے والی نائلہ کو دیکھا اور گہری سانس بھری۔

''آپ چلیں میں اسے لے کر آتا ہوں۔''

''جلدی آنا، تاکہ ہم اسے پھر کہیں اور لے جانے کی تیاری کر سکیں۔'' اتنا کہہ کر وہ چلے گئے رضا نے لمبی سانس بھر کر دروازہ بند کیا اور نائلہ کے پاس آیا، مگر وہ اس کی آہٹ محسوس کرتے ہی چیخ پڑی تھی۔

''خبردار، اگر تم نے مجھے مجبور کرنے کی کوشش بھی کی تو۔'' رضا بے ساختہ مسکرایا۔

''تم تو مسیحا ہو نائلہ، تمہارے منہ سے ایسی باتیں سن کر مجھے ذرا بھی اچھا نہیں لگ رہا۔''

''رضا میں بحث کے موڈ میں نہیں ہوں، لائٹ آف کر دو مجھے سونا ہے۔'' وہ کمبل تان کر پھر سو گئی مگر رضا نے کمبل کھینچ کر اتار کر اسے نرمی و بے چارگی سے دیکھا۔

''تمہیں یاد ہے ایک دفعہ تم نے ہی کہا تھا، کہ ایک مسیحا کو اپنے کام سے کام رکھنا چاہیے اسے ذاتی دشمنی اور عناد کو کبھی بھی بیچ میں لا کر اپنے پروفیشن کے ساتھ زیادتی نہیں کرنی چاہیے اور پھر بھائی صاحب تمہیں خود بلانے کے لئے آئے ہیں۔''

''تو تمہیں کیوں اتنی بے چینی ہو رہی ہے اپنی ہوتی سوتی کو تکلیف میں دیکھ کر، شہر بھرا پڑا ہے ڈاکٹرز سے، اسے لے جاؤ ناں کہیں بھی۔'' اپنی بات کے سامنے جھوٹا پڑتے ہی وہ چیخی تھی۔

''ویسے بھی سیانے کہتے ہیں جب کوئی بات کسی کا عمل اپنی کہی بات کے آگے جھوٹا پڑنے لگے تو وہ چیخنے چلانے لگتا ہے۔''

''نائلہ...... پلیز...... کسی وقت تو ہوش میں ہوا کرو، تمہیں نہیں جانا تو مت جاؤ، مگر اپنی زبان کو لگام دو۔'' رضا درشت ہوا تھا۔

''ورنہ......؟''

''ورنہ کیا کرو گے تم؟'' اس سے پہلے کہ رضا کوئی جواب دیتا دستک دوبارہ ہوئی تو نائلہ کو ناچار اٹھ کر جانا پڑا رضا نے بے ساختہ خدا کا شکر ادا کیا تھا اور خود بھی اس کے پیچھے جانے کے لئے لپکا تھا۔

☆☆☆

اس نے اپنی ہمت اور نفرت کو بمشکل مجتمع کرتے ہوئے بھاری قدموں کے ساتھ کمرے میں قدم رکھا تھا، سامنے ہی بیڈ پر آنکھیں موندے اس کی خوشیوں کی دشمن اور سکون کی قاتل لیٹی تھی، نائلہ نے بے تحاشا نفرت اپنے دل کے اندر اترتے محسوس کی جو زہر بن کر بعد میں پورے وجود کو نیلا کر گئی تھی۔

''ارے نائلہ بیٹی آؤ، دیکھو جانے اسے کیا ہو گیا ہے، شام تک تو بالکل ٹھیک تھی۔'' سکندر نے اسے دیکھتے ہی مخاطب کیا تو نائلہ نے بمشکل خود کو کمپوز کیا۔

''میں ابھی چیک کر لیتی ہوں۔'' وہ اتنا کہہ کر وہ آگے بڑھی اور چیک اپ کرنے لگی بہت دیر چیک اپ کرنے کے بعد اس نے ایک لمحے کو کائناز کے خوبصورت چہرے کو اور پھر زلیخا کے افسردہ چہرے کو دیکھا، پھر گہری سانس بھر کر جیسے خود کو بھی اس خبر کے لئے تیار کیا تھا جو خود اس کے حواسوں پر بھی بم بن کر گری تھی۔

''بیٹا! سب خیریت تو ہے ناں، یہ بے ہوش کیوں ہو گئی ہے؟'' سکندر صاحب نے بڑی بے چینی سے سوال کیا تھا، نائلہ نے لب کچلے۔

''تم خاموش کیوں ہو گئی ہو بیٹا، کچھ تو بتاؤ۔'' سکندر صاحب نے پتھر آنکھوں سے کائناز کو دیکھتی زلیخا کو دیکھتے ایک بار پھر سوال کیا۔

تبھی وہاں پر رضا بھی آیا تھا اور بس وہ ایک لمحہ جب نائلہ نے اسے ہمت دکھ افسوس اور درد سے دیکھا تھا اس ایک نظر میں دنیا بھر کے ٹوٹے کانچوں کی چبھن تھی، نائلہ نے اپنا مان سمان خاک

ہوتا محسوس کیا اس کا دامن ہمیشہ کے لئے خالی ہو گیا۔

''نائلہ تم کچھ بتاتی کیوں نہیں، کیا ہوا ہے میری بہن کو۔'' زلیخا پھپھک پھپھک کررو دی۔

''آپ سب کو مبارک ہو، یہ ماں بننے والی ہیں۔'' سب پر ایکدم بم گرا تھا، اپنی آمد کے دو ماہ بعد ہونے والا یہ انکشاف حقیقتاً حیران کن تھا اور نائلہ کے لئے تو جان لیوا تھا۔

''یا اللہ تیرا شکر ہے، تو نے بالآخر میری دعائیں سن ہی لیں۔'' زلیخا بیگم نے بے ساختہ خدا کا شکر ادا کیا تھا، سکندر صاحب بھی مسکرائے مگر نائلہ کے اندر لگی آگ نے شعلہ پکڑا اور آگ کا وہ اژدھا بن کر اس کی زبان سے نکلا۔

''دعائیں تو قبول ہو گئی بھابھی بیگم اب دعا کریں کہ احمر اپنے بچے کو قبول بھی کر لے، کیونکہ آپ کی بہن کو یہاں آئے دو ماہ ہو گئے ہیں، کیا پتہ یہ بچہ احمر کی بجائے کسی اور کا ہو۔'' رضا کو کینہ توز نگاہوں سے دیکھتے اس نے جلے کٹے انداز میں کہتے زہر اگلا تھا اور کمرے سے نکل گئی تھی، وہ تو کمرے سے چلی گئی تھی لیکن اس کے جانے کے بعد پورا کمرہ زہر سے نیلا ہو گیا تھا۔

☆☆☆

اسے بہت بڑی مات ہوئی تھی، وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ کبھی اس کے ساتھ ایسا بھی ہو سکتا ہے، رضا نے اسے بہت بڑا دھوکہ دیا تھا، اس کے جذبات کو ٹھیس پہنچائی تھی، اس نے نائلہ کی محبت کی قدر نہیں کی تھی، نائلہ اس کے پیچھے دیوانی تھی، اس نے رضا کی خاطر اپنے پورے خاندان سے ٹکر لی تھی انہیں ہمیشہ کے لئے چھوڑ دیا تھا، مگر رضا، ایسا نہیں تھا کہ کائناز پہلے اس گھر میں نہیں آئی تھی وہ آیا کرتی تھی مگر صرف احمر کے ساتھ اور احمر بہت شکی مزاج تھا، وہ اپنی موجودگی میں ہی اسے ملوا کر واپس لے جایا کرتا تھا ہاں وہ یہ بہانہ ضرور کرتا تھا کہ وہ اس کے بغیر رہ نہیں پاتا، کائناز کو کبھی شک بھی نہیں گزرا کہ احمر کائناز پر رضا کے حوالے سے کسی قسم کا شک بھی کرتے ہوں گے، مگر اس کی اس عادت کو صرف نائلہ نے ہی سمجھا تھا۔

کمرے میں چکر کاٹ کاٹ کر اس کے پاؤں تھک گئے تھے، ذہن اس قدر منتشر تھا جیسے کسی ایک نقطے پر ٹھہرنا مشکل ہو رہا ہو، بہت دیر گزر گئی اسے رضا کی بے وفائی کا ماتم کرتے، اسے صاف یقین تھا کہ کائناز کی کوکھ میں پلنے والا بچہ رضا کا ہے، نائلہ کے لئے یہ بات کسی صدمے سے کم نہیں تھی، بہت دیر گزر گئی، اسے کھولتے ہوئے پھر جیسے ایکدم کوئی کرشمہ ہوا اور وہ ریلیکس ہو گئی، اس کے اندر سکون کے جھرنے بہنے لگے وہ کسی فیصلے پر پہنچ کر ہمیشہ بہت پرسکون ہو جایا کرتی تھی۔

رضا کمرے میں آیا تو نائلہ کو پرسکون انداز میں ٹہلتے دیکھ کر، اس نے خدا کا شکر ادا کیا تھا، ورنہ اسے امید نہیں تھی کہ نائلہ بغیر طوفان اٹھائے پرسکون انداز میں یوں سوئی رہے گی، اس نے خدا کا شکر ادا کیا تھا اور بہت غلط کیا تھا۔

کائناز کو ہوش آیا تو اس کی دنیا بدل چکی تھی، اسے اولاد جیسی خوشی نصیب ہو رہی تھی، سارا گھرانہ بے حد خوش تھا، حیرت کی بات کہ نائلہ بھی پرسکون تھی اس نے کسی بھی قسم کا کوئی طوفان نہیں اٹھایا تھا حالانکہ اس رات اس نے کچھ جلی کٹی باتیں کی تھیں مگر اس کے بعد شاید اس نے یہ سوچ کر صبر کر لیا تھا، ہوگا کہ اب تو احمر اسے واپس لے جائے گا اب نائلہ کے گھر کو کسی بھی قسم کا کوئی خدشہ لاحق نہیں ہے، یہ خیال کائناز کا تھا جسے نائلہ نے خود آ کر ماں بننے کی مبارکباد دی تھی،

ماں بننے کی خوشی نے کائناز کے وجود پر بہت خوشگوار اثر ڈالا تھا، اس کی آنکھیں خوابوں کی چکا چوند سے چمکنے لگی تھیں، زلیخا جب کمرے میں آئیں تو سکندر صاحب آفس جانے کے لئے تیار ہورہے تھے، سکندر نے مسکرا کر اپنی بیوی کو دیکھا تو وہ بھی مسکرادی۔

''سکندر! مجھے ایک بات کہنا تھی آپ سے۔'' ان کا ہینگ کیا ہوا کوٹ ہینگر سے نکال کر انہیں پہناتے ہوئے بات کا آغاز کیا تھا۔

''ہاں...... ہاں...... کہو۔''

''میں سوچ رہی تھی کہ احمر کو اطلاع دی جانی چاہیے، آخر کو وہ اس کا باپ ہے اور پھر زیادہ دیر کرنے کی ضرورت بھی تو نہیں ہے۔''

''ہاں...... میں بھی یہی سوچ رہا تھا، آج آفس کے بعد جاؤں گا اس سے ملنے۔'' انہوں نے زلیخا کو اپنے پروگرام سے آگاہ کرتے بتایا تھا۔

''کیا مطالبہ کی بات کرنے؟''

''ارے نہیں پگلی، اب اس کی ضرورت نہیں ہے اب انشاء اللہ کائناز احمر کو وراث دے کر اپنا مقام خود ہی بنالے گی اور ویسے بھی اب تو احمر بھی خوشی خوشی اس کے لئے یہ سب کرے گا۔''

وہ ہنسے تھے زلیخا کی سادگی پر۔

''آپ ٹھیک کہتے ہیں، صرف دو ماہ لگے سب ٹھیک ہونے میں، اللہ کی آزمائش تھی یہ، ورنہ اگر پہلے یہ خوشی مل جاتی تو احمر دوسری شادی کرتا ہی کیوں آخر۔'' وہ افسردہ تھیں مگر سکندر نے ٹوک دیا۔

''ایسا مت سوچو، جو ہوا بھول جاؤ صرف یہ یاد رکھو کہ ہماری کائناز کے ساتھ بھی کچھ برا نہیں ہوا، مجھے یقین ہے احمر سنے گا تو بہت خوش ہوگا بلکہ میں تو جاتے ہوئے ڈھیر ساری مٹھائی بھی لے جاؤں گا، اس کا منہ میٹھا کروانے کو۔''

''ہاں...... ہاں کیوں نہیں۔'' زلیخا مسکراتے ہوئے ان کا بریف کیس پکڑے انہیں پورچ تک چھوڑنے آئی تھیں۔

☆☆☆

کائناز بہت دنوں بعد زندگی کی جانب ہوئی تھی، اس نے بہت دنوں بعد بہت خوبصورت جوڑا پہنا تھا، اپنے پیٹ پر ہاتھ رکھ کر آنے والے وجود کو محسوس کرتے اس کے چہرے پر جو چمک نظر آتی تھی وہ کسی کو بھی مسحور کرسکتی تھی، مامتا کا ایسا نور اور خوشی تھی جو ہیرے کی چمک کو بھی ماند کر دیتی تھی اور پھر زلیخا نے آج صبح ہی تو اسے بڑے پرجوش انداز میں بتایا تھا۔

''کل تمہارے بھائی صاحب احمر سے ملنے گئے تھے، مبارکباد دینے کے لئے۔'' انہوں نے جوش سے اس کا ہاتھ پکڑا تھا، جسے بہت جوش سے دباتے جیسے اسے سن کر دیا تھا۔

''وہ بھی ایسے ہی تمہاری طرح ساکت ہو گیا تھا، بہت دیر بعد بولا کہ بھائی صاحب مجھے تو یقین نہیں آرہا، کہ کائناز ماں بننے والی ہے، اب تو خوش ہو جاؤ کائناز اب تو سب ٹھیک ہونے والا ہے۔''

''پھر...... پھر احمر نے کیا بتایا آپا، وہ مجھے لینے آرہا ہے ناں؟'' آس و امید لہجے و آنکھوں سے ٹپکاتے اس نے کس قدر حیرت زدہ لہجے میں پوچھا تھا۔

''ہاں...... وہ آج شام کو آرہا ہے تمہیں لینے کے لئے، میں نے کہا تھا ناں کہ کائناز ایک دن سب ٹھیک ہو جائے گا، دیکھو کتنی جلدی سب ٹھیک ہوگیا۔'' کائناز کا گول چہرہ اپنے ہاتھوں کے پیالے میں تھامتے انہوں نے بڑی آسودہ مسکراہٹ کو لبوں پر سجا کر کہا تھا، کائناز بے ساختہ

مسکرائی۔
''احمر خوش تو ہوں گے ناں آپا؟'' اسے ابھی بھی یقین کرنے میں تامل تھا گویا۔
''صرف خوش...... ارے پاگل ہو رہا تھا وہ سن کر، سکندر نے مجھے خود بتایا آ کر، بلکہ تم خود بھی آج دیکھ لینا اور دیکھو، اب تم بھی ضد چھوڑ دو، وہ لینے آ رہا ہے تو کوئی بھی شکوہ کیے بغیر چلی جانا۔''
''آپ فکر نہیں کریں آپا، مجھے احمر سے اب کوئی شکایت نہیں بلکہ مجھے تو اب اس کی بیوی سے بھی کوئی شکایت نہیں، شاید احمر نے دوسری شادی کرنی تھی اور میری گود بھی ہری ہونی تھی، دکھ کے ساتھ خوشی بھی تو دی ناں میرے رب نے مجھے۔''
''اللہ اپنے بندوں کو ان کی ہمت سے زیادہ نہیں آزماتا کائناز اور خود ہی دیکھ لو تمہارے صبر کا کتنا بڑا اجر دیا اس پاک ذات نے۔'' کائناز مسکرائی پھر بڑی ادا سے گھوم کر لہک کر اپنی بہن سے پوچھا، اس لمحے وہ ویسی ہی تتلیوں سے رنگ چرائی کائناز محسوس ہوئی تھی، جب کہ وہ مسکرا کر پوچھ رہی تھی۔
''کیسی لگ رہی ہوں میں؟''
''ماشاء اللہ، بہت حسین، اللہ نظر بد سے بچائے رکھے اور دیکھو دھیان سے، ایسی حالت میں زیادہ اچھل کود ٹھیک نہیں رہتی۔'' انہوں نے فوراً ہی ساتھ میں ٹوک دیا تھا۔
''اچھا...... اب نہیں کروں گی۔'' وہ دلکشی سے مسکرائی تھی۔
''چلو میں ذرا دوپہر کے کھانے کی تیاری کر لوں، تمہارے بھائی آنے والے ہوں گے۔''
''میں بھی آپ کے ساتھ چلتی ہوں۔''
''بالکل بھی نہیں، اب تم صرف آرام کیا کرو گی۔'' انہوں نے پیار بھری سرزنش کرتے فوراً ہی ڈپٹا تو کائناز ٹھنک کے مسکرائی۔
''ارے آپا کچھ نہیں ہوتا، میں بالکل ٹھیک ہوں، ساتھ چلتی ہوں آپ کے۔'' وہ ان کے گلے میں بانہیں ڈال کر مسکراتے ہوئے ان کے ساتھ ہی باہر نکل گئی تھی۔

☆☆☆

دونوں بہنیں کچن میں آئیں تو ملازمہ چائے کا کپ بنا کر کچن سے نکل رہی تھی، زلیخا نے اس سے بس سرسری انداز میں پوچھا تھا۔
''یہ چائے کہاں لے کر جا رہی ہو؟''
''وہ چھوٹی مالکن کے لئے۔'' زلیخا اور کائناز کو حیرت ہوئی جس کا انہوں نے اظہار بھی کر دیا۔
''آج نائلہ ہاسپٹل نہیں گئی کیا؟'' انہوں نے ملازمہ سے پوچھا تھا۔
''وہ ان کی طبیعت ٹھیک نہیں ناں، اسی لئے نہیں گئیں۔''
''اوہ...... تم ان سے پوچھ لو کہ انہیں کیا کھانا ہے۔'' زلیخا کو فکر ہوئی جانے اسے کیا ہوا تھا، لہٰذا اس کی پسند کا خیال کرتے انہوں نے ملازمہ کے ہاتھ کہلوا بھیجا تھا کہ انہیں لنچ میں کیا کھانا ہے۔
''یہ اچانک سے نائلہ بھابھی کو کیا ہو گیا، کل تک تو بالکل ٹھیک تھیں۔'' کائناز نے فریج سے سیب نکال کر کھاتے اس نے حیرت سے پوچھا تھا۔
''پتہ نہیں، یہ تو ملازمہ کے واپس آنے پر ہی پتہ چلے گا۔'' زلیخا بھی اس کے پاس آ بیٹھی تھی۔
''اچھا...... ایک بات تو بتاؤ۔'' انہوں نے رازدارانہ انداز میں ایکدم پوچھا تھا۔
''ہاں پوچھیں آپا، کیا پوچھنا ہے آپ کو؟''

''نائلہ کا رویہ تمہارے ساتھ کیسا ہے؟ میرا مطلب ہے اب تو ایسی کوئی بات نہیں کی اس نے؟''

''نہیں آپا، میں تو خود حیران ہوں نائلہ بھابھی تو بہت خوش ہوئیں ہیں، مجھے مبارکباد بھی دی خود میرے کمرے میں آکر۔'' وہ خوش ہو کر بتا رہی تھی۔

''چلو یہ تو بہت ہی اچھا ہو گیا پھر...... دیر سے ہی سہی مگر آخر اسے سمجھ آ ہی گئی۔''

''ہاں یہ تو ہے۔'' کائنات مسکرائی تھی۔

''اچھا جلدی سے یہ پالک کاٹ دو، تم نے تو مجھے باتوں میں لگا دیا، اتنا کم وقت رہ گیا ہے۔'' زلیخا نے اچانک وقت دیکھا تو کہے بغیر رہ نہ سکی تھی کائنات نے بہت زور کا قہقہہ لگایا تھا زلیخا آپا کی بوکھلاہٹ دیکھنے سے تعلق رکھتی تھی۔

☆☆☆

''بڑی بھابھی پوچھ رہی ہیں کہ آپ کے لئے دوپہر میں کیا بنانا ہے؟'' ملازمہ نے چائے کا کپ تپائی پر رکھتے ہوئے پوچھا تھا۔

''آج کیا بن رہا ہے دوپہر میں؟'' نائلہ نے سرسری لہجے میں پوچھتے گولی منہ میں رکھتے سوال کیا مگر جواب سن کر ان کا ہاتھ ساکت رہ گیا تھا۔

''کچن میں تو شام کے دعوت کی تیاری ہو رہی ہے، بڑی مالکن نے اسی لئے پوچھا ہے کہ اگر آپ کے لئے کچھ ہلکا پھلکا بنانا ہو تو بتا دیں۔''

''کیوں...... کون آرہا ہے شام میں؟'' وہ فوراً چونکی ہوئی تھیں۔

''احمر صاحب آرہے ہیں، کائنات بی بی کو لینے؟'' ملازمہ نے سادگی سے بتایا تھا مگر وہ بے چاری نہیں جانتی تھی کہ اپنی سادگی میں کیسی قیامت ڈھا رہی ہیں۔

''اچھا...... ٹھیک ہے...... تم ایسا کرو، دوپہر میں میرے لئے کوئی خاص انتظام مت کروانا بس جو بھی بنے گا میں وہی کھا لوں گی۔''

''جی بی بی۔'' وہ سر ہلاتی چلی گئی تو نائلہ سوچ میں پڑ گئی اس کے چہرے پر فاتحانہ مسکراہٹ چمک رہی تھی، اس کی راہ کا کانٹا اتنی جلدی اور آسانی سے ہٹے گا اسے بالکل بھی اندازہ نہیں تھا۔

☆☆☆

شام ان کے آنگن میں اتری تھی، کائنات نے بہت خوبصورت لال سہاگنوں والا جوڑا پہنا تھا، گہری سرخ رنگ کی لپ اسٹک بھی ہونٹوں پر جمائی تھی، آئینہ مسکرایا، اسے لگا احمر اسے دیکھ رہے ہیں، احمر کو سرخ رنگ بہت پسند تھا اور کائنات کا پہنا ہوا تو اور بھی پسند تھا، کیونکہ احمر کو لگتا تھا کہ دنیا میں جتنا خوبصورت سرخ رنگ ان کی بیوی کو لگتا ہے اتنا کسی عورت کو نہیں لگ سکتا یہ ان کا محبت میں کیا جانے والا پہلا دعویٰ تھا اور ایسا غلط بھی نہیں تھا، زلیخا نے کائنات کو دیکھا تو کتنی دیر کچھ بول ہی نہیں سکیں وہ اتنی مبہوت ہو گئی تھیں کہ حد نہیں، ان کی بہن کی خوشیاں اسے واپس مل رہی تھیں، زلیخا پورے گھر میں تازہ پھول سجا رہی تھیں خوشبوئیں اور عطر چھڑکے جا رہے تھے، استقبال کی ایسی تیاری کی جا رہی تھیں گویا احمر بارات لا رہے ہیں، اجڑ کر بسنا شاید زیادہ خوشی دیتا ہے اسی لئے گھر کا ہر فرد خوش تھا حیرت انگیز طور پر نائلہ بھی خوش و خرم اور مسرور تھیں شام کی چائے بھی انہوں نے سب کے ساتھ بیٹھ کر پی تھی جبھی، باہر گیٹ کھلنے کی آواز آئی تھی سبھی بے ساختہ کھڑے ہو گئے تھے احمر کی گاڑی پورچ میں آن رکی تھی، سکندر اور رضا زلیخا کے ساتھ اسے باہر ریسیو کرنے گئے تھے، زلیخا نے تو مارے خوشی کے پھولوں کی

مالا بھی احمر کو پہنانی چاہی مگر اس نے پکڑ کر نوکر کو پکڑا دی تھی، ملازم پھولوں، مٹھائیوں کے ٹوکرے اندر لے جانے لگے تھے جو احمر آتے ہوئے مبارکباد کے طور پر ساتھ لایا تھا، ایک بات جو ان سب نے محسوس کی وہ احمر کی خاموشی تھی۔

''تمہیں بہت بہت مبارک ہو احمر، اللہ نے بالآخر ہماری سن لی، تم باپ بننے والے ہو۔'' زلیخا کچھ زیادہ ہی پرجوش تھیں۔

''ارے تم کھڑے کیوں ہو ابھی تک بیٹھو ناں۔'' سکندر صاحب کو ہی خیال آیا کہ سب ابھی تک کھڑے ہیں، کائناز میٹھی میٹھی نگاہوں سے احمر کو دیکھ رہی تھی جس نے ایک نظر اسے دیکھا تک نہیں تھا، مگر اپنی خوشی میں شاید اس نے محسوس بھی نہیں کیا تھا۔

''میں یہاں بیٹھنے کے لئے نہیں آیا بھائی صاحب، بلکہ کچھ حساب کتاب برابر کرنا تھا۔'' سبھی ایکدم چونکے تھے اس نے ایسی بات کیوں کی تھی۔

''وہ سب تو ٹھیک ہے مگر بیٹھو تو، کھانا تیار ہے کھا کر پھر چلے جانا۔'' بھائی صاحب کو حیرت چھپانے میں بھی لمحہ لگا۔

''جس گھر میں میری عزت کا جنازہ نکل گیا ہو کیا آپ کو لگتا ہے کہ میں اس گھر میں ایک لمحے کے لئے بھی ٹک سکتا ہوں، میں تو یہاں تک آ گیا میرے لئے تو اسی میں موت ہے۔''

اس بات پر جملہ حاضرین کو سانپ سونگھا سوائے نائلہ کے جسے بے ساختہ ہنسی آ گئی تھی اور اس نے ہنسی کو کمال مہارت سے منہ پر کھانسنے والے انداز میں ہاتھ رکھ کر چھپایا تھا۔

''تم کہنا کیا چاہتے ہو احمر، کھل کر کہو۔'' سکندر صاحب نے بڑے ضبط سے سوال کیا۔

''بڑے بھولے بن رہے ہیں آپ لوگ، جیسے کچھ جانتے ہی نہ ہوں، جو کھیل آپ کے بھائی اور میری بیوی نے کھیلا ہے آپ کو کیا لگتا ہے مجھے خبر نہیں ہو گی اور آپ نے جس طریقے اور چالاکی سے اس کا گناہ میری جھولی میں ڈالنے کی کوشش کی ہے ایسا آپ کو واقعی میں لگتا ہے کہ میں اتنا بے وقوف ہوں۔''

''ہوش میں آؤ احمر، تم جانتے ہو تم کیا کہہ رہے ہو؟'' سکندر صاحب کو غصہ آ گیا تھا۔

''ابھی تو ہوش میں آیا ہوں بھائی صاحب، ورنہ تو شاید میں اپنی بے وفائی میں کتنا بڑا نقصان اٹھا لیتا۔''

''تم ایک اونچے گھرانے کے چشم و چراغ ہو احمر حسین، تمہارے منہ سے ایسی باتیں نکلتی اچھی نہیں لگ رہی ہیں۔'' زلیخا نے سسک کر جیسے آنے والے طوفان پر بند باندھنے کی سعی کی اور کائناز تو جیسے پتھر کی ہو گئی تھی۔

''اور اپنی بہن کا گھر بچانے کے لئے جتنا گھناؤنا کھیل آپ نے اور آپ کی بہن نے کھیلا ہے وہ آپ کو بھی زیب نہیں دیتا آپا جان۔'' جواباً اس نے بھی چبا چبا کر کہا تھا، مگر رضا کا ضبط جواب دے گیا وہ پھٹ پڑا تھا۔

''کیا بکواس کر رہے ہو ذلیل انسان، تم جانتے ہو کائناز میرے لئے بہت محترم ہے۔'' وہ اس سے بھڑنے کو آگے بڑھا مگر سکندر صاحب نے اسے درمیان میں ہی روک دیا تھا۔

''رضا...... پاگل پن مت کرو، مجھے بات کرنے دو۔'' سکندر صاحب نے اسے ٹھنڈا کرنے کی کوشش کی۔

''باتوں کا وقت اب گزر چکا ہے بھائی صاحب، منہ میٹھا کیجئے آپ کے بھائی نے جو کارنامہ سرانجام دیا ہے وہ میری تو کیا آپ کی بھی سات نسلیں یاد رکھیں گی۔''

''احمر حسین، اپنی زبان کو لگام دو ورنہ۔'' کائناز کے پتھر وجود میں دراڑ پڑی اور وہ چکنا چور ہونے سے پہلے احمر حسین کے سامنے آن کھڑی ہوئی۔

''آٹھ سال میں نے تمہارے ساتھ دن رات ایک ہی چھت تلے گزارے ہیں، کیا یہ اتنا کم عرصہ تھا جو تم اتنی بڑی بات کہہ کر مجھے بے مول کر گئے۔'' احمر سن کر طنزیہ ہنسا۔

''آٹھ منٹ میں دنیا بدل جاتی ہے تم کس رشتے کی بات کر رہی ہو، گناہ کی اس پوٹ کو میرا نام دینے کی کوشش مت کرو ورنہ بہت پچھتاؤ گی، میں اس کا وجود برداشت نہیں کر سکتا کسی بھی قیمت پر۔'' وہ درشت ہوا اور قطعی بھی۔

''میں قسم کھا کر کہتی ہوں کہ یہ بچہ تمہارا ہے احمر۔''

''خبردار...... خبردار اگر اس کے ساتھ میرا نام جوڑنے کی کوشش کی تو مجھ سے برا کوئی نہیں ہو گا، نہ مجھے اس کے وجود کو قبول کرنا ہے نہ ہی تمہیں، میں نے تمہیں طلاق دی، بقائمی ہوش و حواس میں نے تمہیں طلاق، طلاق، طلاق دی، یاد رکھنا گناہ کی اس پوٹ کے ولدیت کے خانے میں میرا نام مت لکھوانا بلکہ اس کا لکھوانا جس کے ساتھ منہ کالا کر کے تم نے میری عزت کو نیلام کرنے کا سوچا تھا۔''

طوفان آ کر گزر گیا تھا مگر سب کو ساکت کر گیا یہاں تک کہ نائلہ بھی ساکت ہو گئی اسے امید نہیں تھی کہ احمر اس طرح بھی کر سکتا ہے مگر وہ یہ بھول گئی تھی کہ وہ ایک رفیق القلب شقی مزاج شخص تھا۔

☆☆☆

کائناز اتنا بڑا غم سہہ نہیں پائی تھی اور بے ہوش ہو گئی تھی نائلہ نے اسے کس قدر ہمدردی سے دیکھا اور اس کی مسیحائی کی، اس بار اس نے واقعی میں اسے بہت ہمدردی سے دیکھا تھا، جس وقت کائناز کو ہوش آیا نائلہ اس کے پاس ہی بیٹھی تھی اسے دوا دینا تھی سو زلیخا کو اس نے پانی لینے بھیجا۔

''چہ...... چہ...... چہ...... بہت ظلم ہوا ناں تمہارے ساتھ، تمہیں کتنا سمجھایا تھا میں نے کس آگ سے مت کھیلو مگر تمہیں تو مجھے ہرانا تھا ناں، اب دیکھو اپنا انجام کتنا بھیانک ہوا، اب بھی وقت ہے کسی بھی خوش فہمی کو دل میں جگہ مت دو، بلکہ اگر کوئی ذرا برابر بھی خیال ہے تو اسے بھی نکال دو، رضا تمہارا کبھی نہیں ہو سکتا۔'' کائناز نے اس لمحے بڑے دکھ سے دیکھا تھا، کیا اس عورت کے شک، بدگمانی اور نفرت کی کوئی حد بھی تھی کہ نہیں؟ اپنی خود ساختہ نفرت بدگمانی اور شک نے اسے کیا سے کیا بنا دیا تھا اسے کس قدر خوف آیا کائناز کے بے ضرر وجود سے، جس کی اپنی ریاست لٹ جاتے وہ کسی کی سلطنت پر کیا قابض ہو گا، اس میں تو اپنے تحفظ کی ہمت نہیں تھی اور دوسروں کے راج پر قابض ہونا تو بہت دل گردے کا کام ہے۔

''نائلہ بھابھی، رضا ہمیشہ سے آپ کا ہے، آپ کو سمجھ کیوں نہیں آتی، اور کوئی بات نہیں اگر احمر نے ساتھ چھوڑ دیا تو کیا ہوا، میرے پاس میرا بچہ ہے اللہ نے مجھے بے سہارا نہیں چھوڑا۔'' بہت ہمت کر کے اس نے بھی کہہ دیا تھا بلکہ کہا کیا تھا اس نے تو سیدھے سیدھے نائلہ کو کوئلوں کی جلتی بھٹی میں ڈال دیا تھا جس میں اس کا وجود بھڑ بھڑ جلنے لگا تھا۔

''کس نے کہا تمہیں کہ تم ماں بننے والی ہو؟'' اچانک اس نے اپنی نفرت کا زہر اس پر انڈیلا تھا، اندر پانی لے کر آتی زلیخا کے قدم ابھی

دروازے میں زنجیر ہوئے تھے اور کائناز تو مارے حیرت کے کچھ بول ہی نہیں سکی۔
''جھوٹ کہا تھا میں نے کہ تم ماں بننے والی ہو، میرا ارادہ تو یہی تھا کہ شاید میرے ایک جھوٹ سے احمر تمہیں واپس لے جائے لیکن وہ تو تمہیں طلاق دے گیا، اب کوئی فائدہ نہ ہوا میرے جھوٹ کا، چہ چہ چہ، مگر اب اگر تمہیں یہ لگے کہ رضا تمہیں اپنائے گا تو تم غلط ہو اور پھر ڈوب کے مر جاؤ کائناز، تمہارے شوہر نے شک کی بنیاد پر تمہیں طلاق دے دی، تم کل کو اس سے بیاہ کیسے کرو گی، دنیا تھو تھو کرے گی تم دونوں پر، چھی۔''
اس نے نفرت سے زمین پر تھوک بھی دیا تھا، زلیخا کا ضبط جواب دے گیا وہ اندر آ گئی مگر کچھ بول نہیں سکی نائلہ نے مسکرا کر پانی کا گلاس تھاما اور کائناز کے منہ سے لگایا، کائناز سن سی کیفیت میں کہہ بھی نہ سکی کہ زہر پلانے والے ہاتھ اگر تریاق پلائیں تو بھی زہر کا اثر ختم نہیں ہوا کرتا۔

☆☆☆

زلیخا نے روتے ہوئے ساری بات سکندر کو کہہ سنائی تھی اور انہوں نے فوراً ہی رضا کو بلا کر اس سے وہ سب کہنے کی ٹھان لی تھی لیکن رضا گھر پر نہیں تھا اسے ایک پارٹی میں جانا تھا وہ وہاں اپنے دوستوں کے ساتھ گیا ہوا تھا۔
''نائلہ نے یہ ظلم کیوں کیا میری بہن کے ساتھ سکندر، آخر کیا بگاڑا تھا اس نے کسی کا۔'' وہ روتے روتے سوال کرتی رہ گئیں مگر سکندر آخر کیا جواب دیتے ان کے پاس تسلی کے دو بول بھی نہیں تھے۔
''رضا تو صرف کزن ہونے کے ناطے اس سے حال احوال پوچھ لیا کرتا تھا کبھی کبھار، مگر نائلہ نے تو شک کرنے کی حد کر دی، زندگی تباہ کر دی میری بہن کی، آخری سہارا بھی چھین گیا اس کا، میں نے آج تک ہر بات برداشت کی ہے سکندر مگر اب مجھ سے نہیں سہا جا رہا، میرا دل پھٹ جائے گا۔''
''صبر کرو زلیخا بیگم، اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے، اس دکھ کا بھی کوئی نہ کوئی حل ہو گا، تم بس کائناز کی ہمت بندھاؤ، تم ہی ہمت ہار دو گی تو اس کا کیا بنے گا۔'' انہوں نے آہستہ آہستہ ان کا ہاتھ تھپکتے ہوئے کہنا شروع کیا تھا۔

☆☆☆

نائلہ کا مارے غصے کے برا حال تھا، تبھی تو نفرت اور غصے میں اس کا کال ملا دی تھی، احمر نے وقت دیکھا تو رات کا ایک بج رہا تھا۔
''ہے لو۔'' احمر کی نیند بھری آواز ایرپیس سے گونجی۔
''دعوے تو اتنے بڑے بڑے کیے تھے اور جب عمل کا وقت آیا اس وقت کیا کیا تم نے احمر۔'' وہ پھٹ ہی تو پڑی تھی۔
''کیا ہوا بھابھی، خیریت۔'' وہ نیند میں تھا سمجھ نہیں سکا۔
''میں نے تمہیں کہا تھا کہ کائناز کو چوٹی سے پکڑ کر گھسیٹ کر لے جاؤ اور جا کر کسی کال کوٹھڑی میں بند کر دو، مگر تم نے تو اسے کسی بوجھ کی طرح گلے سے نکال پھینکا۔'' وہ جتنے غصے میں تھیں وہ اتنا ہی پرسکون تھا۔
''تو بھابھی آپ کو کیا لگتا ہے گناہ کی گانٹھ کو میں اپنے گھر میں لے آتا، احمر اتنا بے وقوف تو کبھی نہیں تھا، ویسے بھی آپ کے شوہر نامدار جانیں اب اور آپ جانیں میں تو شکر گزار ہوں آپ کا کہ آپ نے وقت پر میری آنکھیں کھول دیں اور پلیز آئندہ یہاں فون مت کیجئے گا، ہماری پرسکون زندگی میں کوئی بھی دخل دے مجھے گوارا نہیں، خدا حافظ۔'' احمر نے ٹھک کر کے فون

بند کر دیا تھا نائلہ کا رہا تت کے مارے رنگ سرخ پڑ گیا، اب اسے دوبارہ کچھ خود ہی کرنا تھا اور اسے بس اب صبح کا انتظار تھا اور رضا کی واپسی کا بھی۔

☆☆☆

نائلہ نے کائناز سے ٹھیک ہی کہا تھا اسے واقعی میں ڈوب کر مر جانا چاہیے تھا، اس کے شوہر نے آٹھ سال کی رفاقت کے جواب میں اسے بے اعتنائی اور بدگمانی کے سوا اور دیا ہی کیا تھا، کائناز تو پہلے ہی دکھوں کی ماری تھی وہ اتنا بڑا دکھ سہہ نہیں پائی تھی تبھی تو اس نے خودکشی کر لی تھی، زلیخا بیگم کو چپ لگ گئی صبر کی ایسی ردا انہوں نے اوڑھی کہ رضا کا گھر بچا گئی، ایک زندگی تو تباہ ہو ہی گئی تھی وہ دوسری کیوں کریں انصاف انہوں نے اوپر والے پر چھوڑ دیا، مگر نائلہ سبق نہیں سیکھ سکی بلکہ اور بھی کروفر میں جتلا ہو گئی، کائناز مر گئی اور زلیخا بہن کے دکھ میں جیتے جی مر گئی۔

یہ کائناز کے مرنے کے تیسرے دن کا واقعہ ہے جب ایک شام حسب معمول نائلہ اونچی آواز میں ٹی وی آن کیے بیٹھی تھی، نیچے قرآن خوانی ہو رہی تھی اور اوپر کے پورشن سے گانوں کی آوازیں، ماحول کو بے ہنگم کیے دے رہی تھیں، اتفاق سے اس روز رضا گھر شام کو ہی آ گیا تھا، اسے نائلہ کی سنگدلی پر غصہ آیا تھا، اس سے پہلے کہ وہ اوپر جا کر نائلہ کو سرزنش کرتا میوزک کی تیز جھنگاڑتی ہوئی آواز آنا بند ہو گئی تھی رضا اوپر کمرے کی جانب آ رہا تھا جبکہ نائلہ اپنے کمرے میں فون پر بات کر رہی تھی۔

''ارے ہاں ہاں میں نے بھی کون سی کچی گولیاں کھیلی تھیں، بڑی آئی تھی رضا سے محبت کے دم بھرنے والی، ہر وقت چکراتی رہتی تھی اس کے گرد، ہونہہ کیا سبق سکھایا پھر میں نے اسے، بڑی حیران ہوئی سن کر جب میں نے اسے کہا کہ تم ماں نہیں بننے والی، ارے نہیں، پرگنٹ تو وہ بے چاری نہیں تھی، میں نے ہی غصے میں ایسا بول دیا تھا۔'' ایسا کہنے کے بعد اس نے ایک مکروہ قہقہہ لگایا تھا، رضا سے اپنی ٹانگوں پر کھڑا ہونا مشکل ہو گیا تھا۔

''تم تو جانتی ہی ہو پھر میری عادت کو، میں بخشتی نہیں کسی کو اور نہ ہی بدلہ لینا بھولتی ہوں، دل پہ ہی لے گئی بے چاری اور خودکشی کر گئی ہاہاہا۔'' تبھی دروازہ کھول کر دھاڑ کی آواز سے رضا اندر آیا تھا، نائلہ کے ہاتھ سے سیل فون چھوٹ گیا، اس نے بوکھلا کر رضا کو دیکھا اور ہونٹ تر کیے۔

''ارے رضا...... آ...... آپ...... آپ کس وقت آئے۔'' رضا بالکل اس کے سامنے آن کھڑا ہوا خاموش بالکل خاموش۔

''کیا بات ہے رضا ایسے کیا دیکھ رہے ہو؟'' نائلہ کو اس کی خاموشی سے خوف محسوس ہوا مگر رضا کچھ بھی نہیں بولا۔

''رضا آپ خاموش کیوں ہیں کچھ کہتے کیوں نہیں؟'' رضا اب بھی کچھ نہیں بولا اس نے ایک زوردار تھپڑ نائلہ کے منہ پر مارا تھا۔

''کہاں کی رہ گئی تھی میری محبت میں، جو تم نے اتنا گھناؤنا کھیل کھیلا، کہ کسی کی جان لینے پر تل گئی تم۔''

''رضا میری بات تو سنو۔'' نائلہ نے ہکلا کر وضاحت دینے کی کوشش کی مگر رضا نے ایک اور تھپڑ جڑتے اسے روک دیا۔

''اب مزید کچھ نہیں سننا مجھے، بہت سن چکا میں تمہاری، میں کتنا بے وقوف تھا جو تم پر اعتبار کرتے حقیقت سے نظریں چراتا رہا، تمہیں میرا اعتبار نہیں تھا میری محبت کا یقین نہیں تھا تو پھر اس کا بدلہ تم اوروں سے کیوں لینے لگیں، تم نے میری

محبت کو اتنا ہلکا کیوں سمجھا، اتنا بے مول کیوں کر دیا میری محبت کو کہ تمہیں لگا میں ایک شادی شدہ عورت جو ہمارے گھر کی عزت ہے اس کے ساتھ ناجائز تعلقات استوار کر سکتا ہوں، میرے ساتھ دس سال گزارنے کے باوجود بھی تمہیں میرے کردار کے متعلق شبہات کیوں ہوئے، بولو جواب دو مجھے۔''

''رضا مجھے معاف کر دو، پلیز رضا، غلطی ہو گئی میں تم سے بہت پیار کرتی ہوں، پلیز رضا، پلیز۔'' نائلہ کو یکلخت ہی احساس ہوا کہ رضا کو منانا اور سب کچھ پہلے کی طرح ٹھیک کرنا بے حد مشکل کام ہے سو اس نے معافی مانگتے رونا شروع کر دیا تھا، مگر رضا پر آج کسی بھی بات کا کوئی اثر نہیں ہو رہا تھا وہ اسے بری طرح سے پیٹتے دھکے دیتے ہوئے نیچے لا رہا تھا۔

''تم نے غلط کیا بہت غلط کیا کسی کے ساتھ نہیں صرف اپنے ساتھ۔''

''رضا...... پلیز رضا، میری بات سنو پلیز، ایسا کچھ نہیں کیا میں نے، تم غلط سمجھے ہو؟'' اپنے ہاتھوں سے رضا کو نکلتا دیکھ کر وہ کہے بغیر رہ نہیں سکی، پہلی بار نائلہ کو کچھ غلط بہت غلط ہونے کا احساس ہوا تھا۔

''تم نے مجھے ذلیل کر کے رکھ دیا دنیا بھر میں، میں کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہا، صرف تمہاری گھٹیا سوچ کے عوض، تم نے تماشا لگا دیا میرا ذلیل عورت، اس گھر میں اب تمہاری کوئی جگہ نہیں ہے۔'' وہ چنگھاڑا تھا، مگر اس کی چنگھاڑ پر پوری کائنات ساکت ہو گئی تھی، نیچے قرآن خوانی ہو رہی تھی، زلیخا نے حیرت سے رضا اور نائلہ کو دیکھا، پورا ماحول ساکت ہو گیا تھا نائلہ کا شدت سے دل چاہا زمین پھٹے اور وہ اس میں سما جائے، زلیخا فوراً اس تماشے کو روکنے آگے بڑھی تھیں۔

''رضا! یہ کیا کر رہے ہو؟'' زلیخا نے ڈپٹا تھا مگر آج وہ کسی کی سننے کے موڈ میں نہیں تھا۔

''ہٹ جائیں بھابھی، آپ آج کچھ نہیں بولیں گی۔'' رضا دھاڑا تھا۔

''ہوا کیا ہے آخر تم دونوں کو؟'' زلیخا کو بالآخر چیخنا ہی پڑا تھا۔

''اب یہ عورت اس گھر میں نہیں رہ سکتی نہ ہی مجھے اس عورت کے ساتھ اب کوئی تعلق رکھنا ہے یہ عورت اس قابل ہی نہیں کہ اس کے ساتھ زندگی گزاری جا سکے، میں اسے طلاق دیتا ہوں، طلاق دیتا ہوں میں نائلہ کو طلاق دیتا ہوں۔'' اس نے ایک ہی سانس میں بغیر کسی کو کچھ کہنے کا موقع دیے نائلہ کو بھرے مجمعے میں طلاق دے دی تھی، زلیخا ساکت ہو گئی، نائلہ نے پھٹی پھٹی نگاہوں سے رضا کو دیکھا جس گھر کو بچانے کے لئے اس نے اپنی چالیں چلیں وہ پھر بھی ٹوٹ گیا تھا، اس کا خود ساختہ وہم شک اور بدگمانی اور سب سے بڑھ کر وہ خوف کہ رضا کو اس سے کوئی چھین نہ لے، وہ بالآخر سچ ثابت ہو گیا تھا رضا کو واقعی میں کائناز نے چھین لیا تھا مر کر ہی نہیں مگر اس کی وجہ سے اسے طلاق ہو گئی تھی اس کا سب کچھ ختم ہو گیا تھا، دنیا مکافات عملی ہے بھرے مجمعے میں کائناز کو رسوا کرنے والی خود بھی سر بازار رسوا ہوئی تھی اسے گھر سے دھکے دے کر نکال دیا گیا، بیٹا رضا نے چھین لیا، نائلہ پاگل نہیں ہوئی کاش ہو جاتی مگر قدرت اتنی مہربان نہیں تھی اس پر کہ اس سے اس کی یادداشت چھین لیتی یا اس کا دل بند کر دیتی، اسے ہمیشہ ہی لگتا تھا کہ اگر رضا نے اسے چھوڑا اس کے علاوہ کسی اور کو دیکھنا تو وہ یا تو پاگل ہو جائے گی یا اس کا دل بند ہو جائے گا، محبت میں بھی اعتدال ضروری ہے زیادتی ہر چیز میں بڑی ہوتی ہے چاہے وہ کسی رشتے میں ہو یا کسی جذبے

میں، کبھی نہ کبھی نقصان ضرور دیتی ہے نائلہ کو جس وقت احساس ہوا اس وقت معافی تلافی کے سارے دروازے بند ہو چکے تھے، نائلہ کو تو ویسے بھی عادت تھی اپنی کشتیاں جلا کے آگے بڑھنے کی، رضا سے محبت ہوئی تو ماں باپ سے تعلق ختم کر دیا اور رضا سے ایسی دیوانگی کی محبت کی کہ پھر ہر چیز ہی بھول گئی یہاں تک کہ تہی داماں کر بیٹھی خود کو، خالی دامن اور خالی ہاتھ، جس آگ سے اس نے کائناز کا گھر جلانا چاہا تھا ایسی آگ نے اس کا دامن بھی جلا دیا تھا، اسے یاد آتا اس نے احمر سے کیا کہا تھا وہ بھول گئی تھی کہ ایسا کہتے وہ رضا کی عزت خراب کر رہی ہے محبت رسوا کرنے کا نام نہیں ہے محبت مان سمان اور بھروسے کا نام ہے۔

☆☆☆

"اب میں آپ کو کیا بتاؤں احمر بھائی، سمجھ نہیں آتا بات کہاں سے شروع کروں، آپ جانتے ہیں میرے پاس میکے کے نام پر کوئی رشتہ بھی نہیں کوئی بھائی جس سے میں اپنا دکھ کہتی اور وہ میرے حق کے لئے آواز اٹھاتا، میرا شوہر۔" اس نے سسکی لی تھی احمر کو دکھ ہوا فوراً کہا۔

"ایسا کیوں سوچتی ہیں بھابھی، مجھے بھی اپنا بھائی سمجھیں اپنا دکھ مجھ سے کہیں۔"

"آپ یقین کہاں کریں گے میرا، جو بات میں آپ کو بتانے والی ہوں وہ ایسی ہے کہ آسانی سے یقین نہ آسکے۔"

"مجھے آپ کی ہر بات کا یقین ہے بھابھی آپ کہیں، کیا مسئلہ ہے؟" احمر نے اسے مان دیا تو وہ مسکرائی۔

"کائناز کو واپس گھر لے جائیں اس سے پہلے کہ وہ میرا گھر تباہ کر دے، سر عام دن رات میرے اپنے شوہر کے ساتھ (سسکی) کائناز اور رضا کا افیئر چل رہا ہے میرے ہی گھر میں میرے ہی سامنے۔" وہ دوبارہ سسکی تو احمر مارے حیرت کے چند لمحے کچھ بول ہی نہیں پایا، نائلہ نے اس کی شکل دیکھی تو بات میں وزن پیدا کرنے کو کہنے لگی۔

"میں جانتی تھی آپ یقین نہیں کریں گے مگر آپ خود ہی دیکھ لیں ناں، وہ آپ کے بغیر ایک دن نہیں رہ پاتی تھی اور اب دو ماہ ہو گئے آپ کے منانے پر بھی نہیں آئی، رضا کو پھانس رہی ہیں دونوں بہنیں مگر اور صرف آپ ہی ہیں جو میرا گھر تباہ ہونے سے بچا سکتے ہیں، لے جائیں اسے گھر واپس اور ڈال دیں اسے کسی کال کوٹھڑی میں۔" نائلہ نے بے ساختہ اپنے کانوں پر ہاتھ رکھا۔

"کائناز اور رضا کے درمیان ناجائز تعلقات ہیں، خود دیکھ دیکھ کر مرتی رہتی ہوں اور باقی سب نے بھی آنکھیں بند کر رکھی ہیں۔"

نائلہ کو اپنی کہی بات کی بازگشت دوبارہ سنائی دی تو اس نے آنکھیں بھی میچ لیں مگر اس کی مکروہ آواز اور گھناؤنے جملوں نے اس کا پیچھا نہیں

چھوڑا تھا، نائلہ نے جاب چھوڑ دی تھی اس کی ذہنی حالت اس قدر مخدوش ہو گئی تھی کہ اسے خود ہی ہاسپٹل سے نکال دیا گیا تھا، سنا تھا وہ کسی غیر معروف علاقے میں ایک کمرے کے فلیٹ میں رہنے لگی تھی، جہاں اس کے پچھتاوے تھے اور خسارے تھے تنہائی اس کا کرب اور اذیت تھی۔

☆☆☆

رضا روز کائناز کی قبر پر آیا کرتا، اس کی کچی مٹی کی قبر پر ہاتھ پھیرتا بہت دیر پھول چڑھا کر روتا رہتا اور کائناز سے معافی مانگتا، اس سب خسارے کا وہ گناہ گار خود کو سمجھتا تھا اور حقیقتاً ایسا ہی تھا اگر اسے رشتوں میں اعتدال رکھنے کے ساتھ فیصلے کی اصلیت رکھتا تو آج یہ سب نہ ہوا ہوتا اسے یہ تو یاد رہا کہ نائلہ کی محبت کا دم بھرنا ہے مگر یہ کیوں نہ یاد رہا کہ اس کے ذہن میں کلبلاتے شک کے کیڑے کو بھی مارنا ہے، وہ اس کائناز کے پیچھے نہ ٹھہرنے پر ٹوکتا رہا مگر اس نے خود کو کائناز اور نائلہ کو بٹھا کر اپنی پوزیشن کلیر کیوں نہیں کی، اس نے ان دونوں کی دوستی کیوں نہیں کروائی وہ تو ایک مرد تھا طاقتور با اختیار مرد پھر اس نے اپنی طاقت اور اختیار و اہلیت کا استعمال کیوں نہیں کیا کبھی، اس نے نائلہ کے شک کو خود ہوا دی اسے نائلہ بھی قصوروار نہیں لگتی تھی وہ فطرتاً جذباتی اور شکی تھی اسے پیار سے سمجھانا چاہیے تھا معاملے کی نزاکت کو سمجھنا چاہیے تھا، رضا نے اتنی کمزوری کا ثبوت کیوں دیا۔

نائلہ کو اپنے کیے کی سزا مل گئی مگر رضا کو تاعمر اسی خسارے میں جینا تھا اس کی ذرا سی لاپرواہی نے ایک ساتھ دو خاندان تباہ کر دیے تھے، اس نے نائلہ سے جی جان سے محبت کی تھی، اس کے علاوہ کبھی کسی اور کے بارے میں سوچنے کی بھی کوشش بھی نہیں کی تھی، تو وہ اس بات کا یقین دلانا کیوں بھول گیا۔

اسے کیوں لگا ہمیشہ کہ نائلہ اسے سمجھتی ہے جانتی ہے اور اس پر اندھا اعتبار کرتی ہے، بیوی دنیا کی واحد ایسی مخلوق ہے جسے شوہر کی محبت وفا اور خلوص پر ہمیشہ یقین کرنے میں تامل رہتا ہے، شوہر کو دن میں دس بار نہیں تو کم از کم دس دن میں ایک بار تو اپنی محبت کا یقین ضرور ہی دلانا چاہیے ورنہ اچھی خاصی عورت بھی وہمی اور شکی ہونے لگتی ہے جبکہ نائلہ تو شروع سے ہی ایسی تھی۔

مرد قصوروار کیوں نہیں ہوتا، مرد ہی تو اکثر قصوروار ہوتا ہے، کبھی اپنی خوش فہمیوں کی بدولت کبھی لاپروائی کی بدولت اور کبھی خود پر ہونے والے اندھے یقین کی بدولت، مگر جب وقت کی ریت پھسلتی ہے تو اکثر جھولی میں ڈھیر سارے خسارے اور پچھتاوے آن گرتے ہیں، جو عمر بھر کا سکون، آرام اور خوشیوں کو گرہن لگا دیتے ہیں۔

جہاں پر دل اور محبت کی بات ہو وہاں محبت اور دلوں کے تقاضے بھی سمجھنے پڑتے ہیں تقاضے دلوں کے سمجھنا اتنا آسان کام نہیں ہوتا اس میں صرف دل کی زبان ہی نہیں دماغ کی ضرورت بھی پڑتی ہے ورنہ نتیجہ وہی ہوتا ہے جیسا رضا، کائناز اور نائلہ کے ساتھ ہوا تھا۔

محبت رسوا کرنے کا نہیں مان سمان اور اعتبار کا نام ہے، بہت وقت لگا نائلہ کو یہ سمجھنے میں، آپ بھی سوچیں کہیں آپ تو ایسی غلطی نہیں کر رہیں کیونکہ آنکھوں دیکھی اور کانوں سنی بھی بعض دفعہ دھوکہ دیتی ہیں۔

☆☆☆

تیرا بھروسہ میرا اثاثہ

ثمینہ بٹ

”ناظرین! میڈم نور جہاں کو تو سروں کی ملکہ کہا جاتا ہے اور بلاشبہ وہ ترنم کی سروں کی ملکہ تھیں، ہیں اور ہمیشہ رہیں گی بھی، گوکہ وہ آج ہم میں نہیں ہیں، مگران کی آواز ان کے سر اوران کا ترنم رہتی دنیا تک ہماری سماعتوں کو محظوظ کرتا رہے گا اور آج ہم آپ کا تعارف جس فنکارہ سے کروا رہے ہیں انہیں سروں کی شہزادی کہا جاتا ہے، وہ آئیں اور چھا گئیں۔“

”جی ناظرین، ہماری آج کی گیسٹ ہیں، مشہور ومعروف گلوکارہ اریدہ خان، جی تو کیسی ہیں آپ اریدہ جی!“ پروگرام کی میزبان نے پیشہ ورانہ مسکراہٹ اپنے چہرے پر سجائے اور اریدہ سے سوال کیا۔

”اللہ کا شکر ہے، بالکل ٹھیک ہوں اور آپ کے سامنے ہوں۔“ اپنے مخصوص سادہ انداز میں اس نے سادگی اور متانت سے جواب دیا تھا۔

”اریدہ جی! باقی ساری باتیں بعد میں، پہلے آپ سے میں وہ سوال پوچھنا چاہتی ہوں جو میرے ساتھ ساتھ ناظرین نے ذہنوں میں بھی گردش کررہا ہوگا، کہ آپ کا نام کس نے رکھا اور اس کا مطلب کیا ہے؟ کیونکہ بڑا یونیک سا لگ رہا ہے یہ سننے میں بھی؟“

”یہ میرا شوبز کا نام ہے، اس کا مطلب ہے چاہی گئی، چاہے جانے والی اور یہ عربی نام ہے اور جہاں تک سوال ہے کس نے رکھا ہے تو ظاہر ہے جو مجھے اس فیلڈ میں لانے والے ہیں، میرے استاد جی، انہوں نے ہی مجھے یہ نام دیا ہے۔“ دھیمے اور ٹھہرے لہجے میں بولتی وہ لڑکی کہیں سے بھی اس چکا چوند دنیا کی ہستی نہیں لگ رہی تھی اور پھر یہ اس کا کسی بھی چینل کے لئے بالکل پہلا لائیو شو تھا، گوکہ وہ اس وقت دنیائے موسیقی کی نامور ترین اور معروف ترین ہستی تھی، اتنی کم عمری میں ہی اللہ نے اسے بلند مقام سے نواز دیا تھا اور یہ شاید اس کے عجز و انکسار کی بدولت ہی تھا، اس میں غرور، نخرہ، دکھاوا نام کی بھی نظر نہیں آرہا تھا۔

خوبصورت اور جدید تراش خراش کے سفید لباس میں ملبوس، سر پر سلیقے سے دوپٹہ جمائے وہ بہت پاکیزہ اور خاص لگ رہی تھی، جبکہ اس کے مقابل بیٹھی چرب زبان اور بال کی کھال نکالنے کی ماہر ہوسٹ بھی کسی تعارف کی محتاج نہیں تھی، وہ آج کل ہر دوسرے ڈرامے میں لینڈنگ رول نبھاتی، ہر طرح کے پروگرام ہوسٹ کرتی، مارننگ شوز، کامیڈی شوز، کبھی ریمپ پر واک کرتی تو کبھی کمرشلز میں کمر لچکاتی نظر آتی تھی، اس کی ذہانت، بات سے بات نکالنے کا فن اور باتوں باتوں میں سامنے والے کے بخیے ادھیڑنے کی عادت کی وجہ سے ہی اسے کامیاب سمجھا جاتا تھا۔

”اریدہ جی! چلیں یہ تو بتا ہی دیا آپ نے کہ آپ کا شوبز کا نام ہے یہ، تو اب اپنا اصل نام بھی بتا دیں اپنے فینز کو اور کچھ اپنی فیملی بیک گراؤنڈ کے متعلق بھی تو روشنی ڈالیں ناں، ہمارے ناظرین جاننا چاہتے ہیں؟“ کرن کمال نے ایک بار پھر اپنی اونچی پونی ٹیل ہلاتے ہوئے سوال کیا تھا، جسے سن کر اریدہ خان نے واضح طور پر پہلو بدلا تھا، اس کے صبیح ماتھے پر ناگواری کے ہلکے سے بل صاف نظر آنے لگے تھے۔

”دیکھیں! آپ مجھ سے میری پرسنل لائف کے متعلق سوال نہ کیجئے پلیز، میں اپنی فیملی اپنی پرسنل لائف کو ڈسکس کرنا پسند نہیں کرتی، آپ پلیز مجھ سے میرے فن کے حوالے سے بات کیجئے۔“ ہلکی سی تلخی لئے ناراض سے لہجے میں دیئے گئے جواب نے کرن کی ایگو کو سخت ٹھیس

پہنچائی تھی، وہ تو خود کو بڑی توپ چیز سمجھتی تھی، اس کے حلقہ احباب میں جو خوشامدی اور چاپلوس لوگ شامل تھے وہ اسے ہمیشہ چنے کے جھاڑ پر چڑھائے رکھتے تھے، اب اریدہ کے نپے تلے انداز میں دیئے گئے صاف کورے جواب پر اسے اپنی توہین محسوس ہو رہی تھی، مگر آن دا کیمرہ اسے اپنے آپ کو کمپوز رکھنا تھا، لہٰذا اس نے اپنے اندرونی تاثرات اپنے چہرے پر بالکل نہیں آنے دیئے تھے اور اسی پیشہ ورانہ مسکراہٹ اور بے تکلفی کا لبادہ اوڑھے اریدہ سے اس کے فنی سفر اور موسیقی سے متعلق سوالات کرتی چلی گئی۔

☆☆☆

مختلف چینلز سرچ کرتے کرتے اس کا ہاتھ ایکدم رک گیا تھا، کسی نجی چینل پر کرن کمال کا لائیو شو چل رہا تھا، کرن کی شعلہ بیانی عروج پر تھی، جبکہ ہاٹ سیٹ پر بیٹھی اریدہ خان اس کے تابڑ توڑ پوچھے جانے والے سوالوں سے تھوڑی پریشان لگ رہی تھی، وہ بے ساختہ اپنی جگہ سے آگے کھسک آیا اور آواز اونچی کرتے ہوئے پوری توجہ پروگرام پر مرکوز کر دی۔

''دیکھیے کرن کمال صاحبہ! میں نے آپ سے پہلے بھی کہا تھا کہ پلیز مجھ سے پرسنل سوالات مت کیجیے، میں اپنے ذاتی معاملات اور اپنی ذات سے منسلک افراد کا ذکر میڈیا یا پبلک میں کرنا پسند نہیں کرتی۔''

''مگر کیوں؟ اریدہ جی! آپ سیلبرٹی ہیں، فنکارہ ہیں، آپ ہمارے ملک کی عوام آپ سے پیار کرتے ہیں، چاہتے ہیں آپ کو اور آپ کے بارے میں جاننا چاہتے ہیں اے ٹو ذی سب کچھ اور ویسے بھی آرٹسٹ تو پبلک پراپرٹی ہوتا ہے اور پبلک کو حق حاصل ہے کہ وہ اپنی قیمتی پراپرٹی کے بارے میں ہر لمحہ باخبر رہے اور پھر اگر آپ کو سات پردوں میں رہنے کا اتنا ہی شوق تھا تو پھر آپ کو لائم لائٹ میں آنا ہی نہیں چاہیے تھا، یا پھر آپ کے ماضی سے جڑے حوالے ہی اس قابل......''

اریدہ خان کے ایک بار پھر ذاتی سوال کا جواب نہ دینے پر کرن کمال ہتھے سے ہی اکھڑ گئی تھی اور مزید خوش اخلاقی کا ماسک اپنے چہرے پر لگائے نہ رکھ سکی اور ایک کے بعد ایک تلخ اور چبھتے ہوئے جملے بولتی چلی گئی۔

پروڈیوسر، ڈائریکٹر، شہزاد نومی کے کٹ کٹ کی صداؤں کو اگنور کرتی کرن ماتھے پر ہلکے ہلکے بل لئے اریدہ سے اگلا سوال پوچھنے کو تھی، پروگرام چونکہ اسپیشل تھا اور لائیو چل رہا تھا، لہٰذا نومی نے فوراً بریک لے کر کمرشلز چلا دیئے، کیونکہ کرن کے سوال سے پہلے ہی اریدہ خان مائیک پھینک کر کھڑی ہو چکی تھی اور قبل اس کے کہ وہ واک آؤٹ کر جاتی پروڈیوسر، ڈائریکٹر فوراً اسٹیج پر آ گئے تھے، ادھر اپنے کمرے میں بیٹھے آغا نے ریموٹ اٹھا کر دیوار پر دے مارا تھا اور پھر فوراً اپنے سیل پر نمبر ملایا تھا، اسکرین پر چلنے والے کمرشلز کو دیکھتے ہوئے اس نے فون پر کچھ ضروری ہدایات دی تھیں، پھر دوسرا نمبر ملا کر بات کرتے کرتے ٹیبل سے اپنی گاڑی کی چابیاں اٹھا کر وہ باہر نکل گیا۔

☆☆☆

ماسٹر غلام دستگیر خان اپنے پورے علاقے میں جانے جاتے تھے، ان کے ہاتھ کی صفائی کٹائی اور ڈیزائننگ دور دراز ان کی کسٹمر بیگمات ان کے پاس اپنے ملبوسات سلائی کروانے آتی تھیں، وہ کوئی فیشن ڈیزائننگ، کٹنگ یا ٹیچنگ کے کورسز کر کے ماسٹر نہیں بنے تھے، یہ تو ان کا جدی پشتی کام تھا، پہلے ان کے ابا اور پھر بڑے بھائی

سب سے زیادہ اس مارکیٹ کے مشہور و معروف جینٹس ٹیلرز ماسٹر تھے، ان کی طرح وہ بھی اپنے کام میں بے حد مہارت رکھتے تھے، مگر انہوں نے اپنے بڑے بھائی اور اباجی کے مشورے سے اپنی لائن بدل لی اور لیڈیز ٹیلر ماسٹر بن گئے۔

ایمانداری، وقت کی پابندی اور حسن اخلاق، یہ وہ صفات تھیں جو انہیں دوسرے ٹیلر ماسٹرز سے ممتاز بھی کرتی تھیں اور معروف بھی رکھتی تھیں، وہ اپنے کسٹمرز کو انتظار نہیں کرواتے تھے، نہ لارے لگاتے اور نہ ہی بلاوجہ کے چکر لگواتے تھے، جس وقت اور جس دن کا وعدہ کیا ہوتا تھا، کسٹمرز کو اسی دن اور اسی وقت ان کے آرڈرز تیار ملتے تھے، پانچ پانچ بیٹیوں کے باپ ہونے کے باوجود ان کی ایمانداری کا یہ عالم تھا کہ بغیر کسی تقاضے کے بچ جانے والا کپڑا الیسرز کسٹمرز کے سامنے رکھ دیتے تھے، اب یہ ان بیگمات پر منحصر تھا کہ وہ انہیں لے جائیں یا چھوڑ جائیں، ماسٹر صاحب ڈنڈی مارنے کے ہرگز بھی قائل نہ تھے۔

☆☆☆

مقابلہ نعت خوانی برائے انٹر کالجیٹ صوبائی اور پھر نیشنل لیول پر جیتنے والی طالبہ عابدہ پروین لاہور کے مضافاتی علاقے کے مقامی کالج کی طالبہ تھی، یکے بعد دیگرے ملنے والی ان کامیابیوں نے اس کی زندگی کا رخ تبدیل کر دیا تھا۔

کہتے ہیں زندگی میں ایک بار خوش قسمتی آپ کے دروازے پر ضرور دستک دیتی ہے اگر بروقت اسے خوش آمدید کہہ دیں تو کامیابی کے راستے کھلتے چلے جاتے ہیں، ماسٹر غلام دستگیر خان کی چھوٹی بیٹی عابدہ پروین کے ساتھ بھی کچھ ایسا ہی ہوا تھا، صوبائی سطح پر ہونے والے مقابلے کو جیتنے کے بعد اس کے کالج کے حصے میں تو آئی ٹرافی، شہرت نام، عزت جبکہ اس کے حصے میں اس کے علاوہ نقد رقم بھی آئی تھی، جو مقابلہ منظمین اور مہمان خصوصی کی طرف سے دی گئی تھی اور انہیں انعامات داد تحسین نے اس کی پرنسپل کے حوصلے بڑھائے اور اسی وجہ سے وہ قومی سطح کے مقابلے میں بھی جا پہنچی تھی، کس طرح یہ ایک الگ داستان تھی۔

اور وہیں اسے ملے زندگی کے نئے عنوان نیا رخ اس مقابلہ کے مہمان خصوصی ملک کے نامور بزرگ شاعر، موسیقار استاد دلاور خان صاحب بھی تھے، جن کے کانوں نے ایک عرصے کے بعد اتنی خوبصورت، فریش اور میٹھی آواز سنی تھی، وہ فوراً عابدہ کی پرنسپل صاحبہ سے ملے، پرنسپل صاحبہ تو پہلے ہی عابدہ پر ریشہ خطمی تھیں اب اور زیادہ فریفتہ ہو گئیں، اسے مقابلہ جیتے ابھی مہینہ بھر بھی نہیں ہوا تھا کہ پرنسپل صاحبہ نے اسے اور اس کی بڑی بہن فاخرہ کو اپنے آفس بلا لیا تھا جہاں استاد دلاور خان صاحب پہلے سے بیٹھے تھے۔

''دیکھو عابدہ بیٹا! اگر آپ کو کوئی پریشانی ہے تو ہم خود آپ کے ابو جان سے بات کر لیں گے اور ہمیں خود ان سے بات کرنی بھی چاہیے، بیٹا! اللہ تعالیٰ نے آپ کو بہترین آواز سے نوازا ہے، اگر آپ ذرا سی توجہ اور محنت سے ریاض کریں گی تو بڑا نام کمائیں گی، دیکھو بچے، آج کل جس طرح ہر چیز ہی زوال پذیر ہو رہی ہے اسی طرح فن موسیقی بھی اپنی اساس، اپنی روح کھوتا جا رہا ہے، سچے سر کسی کسی کو ملتے ہیں بیٹا اور آپ یقیناً وہ خوش قسمت بچی ہیں جسے قدرت نے ان سچے سروں سے نوازا ہے، اب ان سروں کی قدر کرنا، انہیں نکھارنا اور انہیں ان فضاؤں میں بکھیرنا آپ کی ذمے داری ہے۔'' استاد

صاحب جنہیں اپنے سچے سروں اور خالص دھنوں کی وجہ سے ہی ایک ممتاز حیثیت حاصل تھی اسے بڑے پیار سے کسی بڑے بزرگ کی طرح ہی سمجھا رہے تھے۔

''وہ تو ٹھیک ہے سر! مگر ہمارے گھرانے میں گانا گانے کو سخت ناپسند کیا جاتا ہے، ابو کو اگر پتا چلا کہ عابدہ نے گانا گایا ہے وہ بھی ٹی وی پر میڈیا میں تو وہ بغیر جھجکے ہمارا گلا ہی دبا دیں گے، آپ جانتے نہیں ہیں سر، ہمیں بھی صرف نعتیہ کلام، سوز و سلام وغیرہ پڑھنے کی اجازت ہے یا پھر بہت ہوا تو ملی نغمہ گنگنا لیا اور بس، اس سے زیادہ کچھ نہیں۔'' فاخرہ کے جھکے سر اور چہرے کے بدلتے رنگوں کو وہ بڑی گہری نظر سے دیکھ رہے تھے، وہ جانتے تھے کہ اگر یہ لڑکی (عابدہ) فن موسیقی میں آ گئی تو بڑے بڑوں کی چھٹی کروا دے گی، اس کی آواز کا خالص پن، سادگی اور رکھ رکھاؤ ہی اسے ابھی سے ممتاز کر رہا تھا۔

''وہ تو ٹھیک ہے بیٹا! مگر بات کرنے میں حرج کیا ہے، زیادہ سے زیادہ کیا ہوگا، یا وہ مجھے قائل کر لیں گے، یا میں انہیں منا لوں گا مگر یہ قلق تو نہیں رہے گا ناں کہ ہم نے کوشش ہی نہیں کی، ایک بار بات کر کے دیکھ لیتے ہیں ماسٹر صاحب سے، کیوں میڈم آپ کا کیا خیال ہے؟'' استاد جی نے ان سے کہتے کہتے ایکدم پرنسپل صاحبہ سے بھی مشورہ مانگا تو وہ جو بڑے غور سے ان کی باتیں سن رہی تھیں، مسکرا کر اثبات میں سر ہلانے لگیں۔

''دیکھیں سر! ہم آپ سے کہہ رہے ہیں، ابو غصے کے تھوڑے تیز ہیں اور بہت اصول پسند بھی، وہ اپنے وضع کیے گئے اصولوں سے نہ تو انحراف کرتے ہیں اور نہ ہی ان سے پیچھے ہٹتے ہیں چاہے کچھ بھی ہو، وہ آپ کی پوری بات سنے بغیر ہی آپ کو سختی سے منع کر دیں گے۔'' فاخرہ نے پھر پہلو بدلتے ہوئے تیزی سے کہا تو پرنسپل صاحبہ کو قدرے ناگواری سے اسے دیکھتے ہوئے ٹوکنا پڑا تھا۔

''فاخرہ بیٹا! آپ کیوں پریشان ہو رہی ہیں، اگر عابدہ کو کوئی اعتراض نہیں اور یہ گانا بھی چاہتی ہے تو ہم کوئی رسک لے بھی سکتے ہیں، مگر وہ تو اب تک خاموش ہے، کچھ بول نہیں رہی اور آپ ہیں کہ اعتراض پر اعتراض کیے جا رہی ہیں، کیا آپ کو عابدہ کا سنگر بننا پسند نہیں آیا یا اس کے لئے استاد صاحب کی نظر عنایت اچھی نہیں لگی آپ کو؟'' پرنسپل صاحبہ کی بات نے ایکدم فاخرہ کی بولتی بند کر دی تھی، وہ آنسو بھری آنکھوں سے انہیں دیکھتی صرف نفی میں سر ہلا کر رہ گئی۔

''ارے پرنسپل صاحبہ یہ کیا کہہ رہی ہیں آپ، دیکھیں فاخرہ بٹی تو رو پڑیں، ارے بیٹا! نہیں پرنسپل صاحبہ آپ کی نیت پر شک نہیں کر رہی ہیں، وہ تو بس عابدہ بٹی کی مرضی معلوم کرنا چاہ رہی ہوں گی ناں، جو ابھی تک خاموش ہے، کیوں عابدہ بٹی آپ کیا کہتی ہیں؟'' اور وہ کیا کہتی، بس خالی خالی نگاہوں سے سب کی طرف دیکھتی رہ گئی۔

''آپ اچھی طرح سوچ لیں بیٹا! اور پھر جو بھی فیصلہ کریں اپنی میڈم کو بتا دیں، آپ پر کوئی دباؤ نہیں ہے، بس، یہ خیال رکھنا بیٹا کہ یہ آواز آپ کے پاس امانت ہے، نعمت ہے اور اس کا استعمال کیسے کرنا ہے یہ آپ نے خود طے کرنا ہے، ٹھیک ہے، خوش رہو، جیتی رہو۔'' استاد دلاور خان صاحب تو انہیں آفر دے کر چلے گئے، مگر اب وہ دونوں مخمصے میں پھنسی تھیں، گھر میں وہ بات کر نہیں سکتی تھیں کہ انہیں علم تھا کہ نہ تو امی مانیں گی اور نہ ہی ابو اور رہ گئیں بڑی بہنیں تو وہ شادی شدہ

اپنے اپنے گھر بار والی تھیں، ان کے تو اپنے اتنے مسائل ہوتے تھے کہ انہیں کسی اور کی طرف دیکھنے کی فرصت ہی نہیں ہوتی تھی، تو پھر وہ ان کا مسئلہ کیا حل کرتیں یا انہیں کوئی مفید مشورہ کیا دیتیں، ادھر پرنسپل صاحبہ اور دوسری لیکچرار کا دباؤ ان پر بڑھتا جا رہا تھا۔

یہ نہیں تھا کہ ماسٹر صاحب یا ان کی فیملی کو اس کے انعام لینے یا لائیو مقابلہ جیتنے کی خوشی نہیں ہوئی تھی، وہ سب خوش تھے، بہت خوش، مگر اس لئے کہ ان کی عابدہ نے اپنے آقائے دو جہاں کے قدموں میں نذرانہ عقیدت کے پھول نچھاور کرتے ہوئے انعام جیتا تھا، ورنہ وہ اور فاخرہ کئی بار ملی نغموں کے مقابلے بھی جیت چکی تھیں اور عابدہ تو چند بار غزل گائیگی اور تحت الفظ کے مقابلوں میں بھی اول قرار پائی تھی، مگر ان انعامات کو کسی نے درخور اعتنا سمجھا تھا ہی نہیں تو پھر وہ کیسے نہ سمجھ پاتیں کہ ان کے گھر والے چاہتے کیا ہیں، انہیں کیا پسند ہے اور کیا نہیں۔

☆☆☆

''اریدہ خان'' دنیائے موسیقی کا نیا نام، اس چڑھتے سورج کی پوجا کرنے دنیا میں ایک اور چڑھتا سورج، جس کی ضیا پاشیوں نے کئی آنکھیں چندھیا دی تھیں، کئی آوازوں کو اس کے آنے سے گہن لگ گیا تھا، وہ ریڈیو کے لئے گاتی تھی، غزلیں، نظمیں، گیت، ٹی وی ڈراموں کے تھیم سانگز، مگر حیران کن بات یہ تھی کہ آج تک کسی نے اس کی شکل نہیں دیکھی تھی، نہ تو وہ کسی پارٹی میں جاتی تھی اور نہ ہی کبھی کسی کو انٹرویو دیتی تھی۔

انسانی فطرت ہے کہ جس چیز سے اسے روکا جائے وہ وہی کرتا ہے، انسان کو دریافت کا پرندہ بھی کہا جاتا ہے اور وہ چھپی ہوئی چیزوں کی کھوج میں رہتا ہے، جتنا اس سے کچھ چھپانے کی کوشش کی جائے، وہ اتنی ہی شدت سے ہی اسے کھوجنے میں جت جاتا ہے اور اریدہ خان کی کھوج میں جہاں اس کے مداحین رہتے تھے وہیں میڈیا والے بھی لاکھ سر پٹختے لاکھ مخبر چھوڑتے اپنے مگر اریدہ خان کا کوئی سرا کسی کے ہاتھ نہیں لگ رہا تھا۔

تین سالوں میں وہ اپنے سر ان فضاؤں میں بکھیر رہی تھی، مگر نگاہوں سے اوجھل تھی، یہ کیسا بھید تھا، کیسا اسرار تھا کہ وہ ہو کر بھی نہیں تھی، چاہی جا رہی تھی، سب کی چاہت بن چکی تھی، سب کی کھوج بن چکی تھی، مگر اس کے فینز اس کے مداح اس کے چاہنے والے اس کی شکل سے ہی واقف نہ تھے، مگر کب تک، یہ لکن چھپی کا کھیل آخر کب تک چل سکتا تھا، ایک نہ ایک دن تو اسے دنیا کے سامنے آنا ہی تھا، ایک نہ ایک دن تو سارے بھید کھلنے ہی تھے اور بھید کھل ہی گئے۔

وہ لوگ جو یہ سمجھ رہے تھے کہ ہوگی کوئی کم صورت لڑکی، یا پھر پختہ عمر کی کوئی عورت جو کیمرے کو فیس نہیں کر سکتی ہوگی، وہ اریدہ خان کی ایک جھلک دیکھ کر ہی پاگل ہو گئے، اکیس بائیس سالہ خوبصورت سنجیدہ اور پروقار سی اریدہ خان جو کل کی عابدہ پروین تھی، ماسٹر غلام دستگیر خان کی چھوٹی بیٹی جس نے اپنی پرنسپل صاحبہ اور استاد دلاور خان صاحب کے دکھائے راستے پر چل کر شہرت، دولت، عزت تو خوب کمائی، مگر کھو دیا تو اپنا نام اپنا مقام۔

وہ اور فاخرہ ان گزرے سالوں میں ساتھ ساتھ رہی تھیں، گھر میں انہوں نے بھنک بھی نہیں پڑنے دی کہ وہ کیا کیا کرتی پھر رہی ہیں، کالج جاتیں اور پھر وہیں سے میڈم کے ساتھ ریکارڈنگ کے لئے چلی جاتیں، یہ ان کی میڈم کی ہی تجویز تھی کہ اس کی ساری ریکارڈنگز استاد جی خود

کرواتے تھے، اپنے اسٹوڈیو میں اور کسی کو کانوں کان خبر نہ ہو پاتی، یہ سلسلہ شاید ابھی مزید چلتا ہی رہتا مگر بھلا ہو استاد جی کے اسٹنٹ صاحب کا، جنہوں نے اپنے لاڈلے بیٹے کی شدید خواہش اور ضد پر اسے دوران ریکارڈنگ بلوالیا، نہ صرف بلوایا بلکہ اریدہ خان سے ملوا بھی دیا اور اس آج کل کی نسل کے نمائندہ ہیرو نے اپنے موبائل پر اس کی تصاویر اور ویڈیو بنالیں، نہ صرف بنائیں بلکہ میڈیا کو بھی فراہم کر دیں۔

☆☆☆

''نیک بخت! ان کو کہہ دو میرے سامنے نہ آئیں، انہوں نے اتنا بڑا قدم اٹھا کر ثابت کر دیا ہے کہ ان کی نظر میں ہماری عزت دو کوڑی کی بھی نہیں، انہیں دولت اور شہرت سے محبت ہے، عزت، وقار، نام و رتبہ ان کے لئے کچھ بھی نہیں، ان سے کہہ دو نیک بخت یہ اپنی ہمدرد میڈم یا پھر اپنے روحانی باپ سے ہی تعلق رکھیں، میں اب ان کی شکل بھی نہیں دیکھنا چاہتا۔'' جھکے کندھوں کے ساتھ ہارے ہوئے انداز میں بیٹھے ماسٹر صاحب کے منہ سے لفظ ٹوٹ ٹوٹ کر نکل رہے تھے، وہ دونوں مسلسل روئے جارہی تھیں، مگر ماسٹر صاحب اخبار سامنے پھیلائے کتنی دیر اس خبر اور آرٹیکل کو گھورتے رہے تھے، جس میں ان کی بیٹی کی تصاویر اور اس کے قصیدے بیان کیے گئے تھے، انہیں کتنی دیر تو یقین ہی نہیں آیا اور پھر تو جیسے انہیں سکتہ سا ہی ہو گیا تھا اور اب جا کر یہ سکتہ ٹوٹا تو جیسے ٹوٹے مان کی کرچیوں نے انہیں لہولہان کر ڈالا تھا پھر مان ختم، بات ختم۔

سب کے لاکھ کہتے سنتے، سمجھانے بجھانے کے بعد بھی ماسٹر صاحب کا فیصلہ نہیں بدلا کہ وہ واقعی اپنے اصولوں سے منحرف ہونے والے نہ تھے۔

''ابو! آپ ان دونوں کو عاق کر رہے ہیں، اپنے نام اپنے نسب، اپنے خاندان سے باہر کر رہے ہیں، مگر کیوں؟ ایسا کیا کر دیا ہے انہوں نے گانا گانا تو ایسی کوئی معیوب اور بری بات بھی نہیں اور پھر وہ کون سا قابل اعتراض گھٹیا قسم کے فلمی گانے گاتی ہیں، اس آواز کا جادو تو ہر سر چڑھ کر بول رہا ہے، ابو آپ کو علم نہیں کیا، اس نام اس شہرت اس عزت کے لئے لوگ کیسے کیسے پاپڑ بیلتے ہیں اور ہماری عابدہ کو تو اللہ نے بیٹھے بٹھائے نوازا ہے، وہ خوانخواستہ کسی غلط کام میں ملوث نہیں ہے، اگر ڈراموں کے تھیم سانگ بھی گاتی ہے تو وہ بھی تو زیادہ تر غزلوں اور نظموں پر ہی مبنی ہوتے ہیں۔''

''اور ابو جی! آپ خود دیکھیں ناں، پاپ اور ری مکس کے نام پر جو ہلڑ بازی مچی ہوئی ہے، اس سے ہٹ کر ہماری عابدہ کتنا اچھا کام کر رہی ہے، اس کے گائے ہوئے گیتوں، غزلوں نے نوجوان نسل میں ادب سے محبت کا جذبہ پیدا کر دیا ہو جیسے اور آپ...... آپ انہیں بے دخل کر رہے ہیں، کیوں بھلا؟'' فاخرہ سے بڑی یاسمین اور اس کے میاں احتشام الحسن تو خود اریدہ خان کے سب سے بڑے پرستار تھے اور جیسے ہی انہیں علم ہوا کہ اریدہ ہی ان کی عابدہ ہے تو وہ خوشی خوشی اپنی اریدہ سے ملنے آئے تھے، مگر...... یہاں...... یہاں تو۔

''نہیں، میں انہیں بھلا کیسے ان کے حق سے روک سکتا ہوں، انہیں میری اولاد اللہ نے بنایا ہے، یہ اللہ کی مرضی تھی کہ میں ان کا باپ بنا اور کوئی باپ اپنی اولاد کو حق وارثت سے محروم نہیں کر سکتا، نہ قانوناً نہ شرعاً تو جو کچھ میری وراثت ہے وہ تم پانچوں بہنوں کی ہی تو ہے اور کیا ہے میری وارثت ایک چھوٹی سی دکان اور یہ ایک چھوٹا

سا مکان، ٹھیک ہے لے لیں، لے لیں اپنا حق وارثت کا، مگر بیٹا ان سے پوچھو، کیا انہوں نے اپنا نام بدل کر، اپنا مقام بدل کر خود کو اس تعلق سے لاتعلق نہیں کر لیا؟ ان کے بھاری بھرکم بینک بیلنس کے سامنے اس وراثتی حصے کی بھلا کیا اہمیت ہوگی، مگر پھر بھی یہ ان کا حق ہے لے لیں اور ہمیں معاف کر دیں، بات تو رسوائی کی ہی ہے بیٹا، مگر بات سچ ہے کہ میں نے نہیں، انہوں نے مجھے چھوڑنے کی کوشش کی ہے، اگر یہ مجھ سے، اپنی ماں سے مشورہ کر لیتیں، تو کیا ہم اتنے ہی ظالم تھے کہ ان کی بات سمجھنے کی کوشش بھی نہ کرتے، مگر انہوں نے تو......!!!''

ماسٹر غلام دستگیر خان بھی اپنی جگہ درست لگ رہے تھے، موقف تو ان کا بھی ٹھیک ہی تھا کہ بات تو ساری اعتبار اور اعتماد کی ہی ہوتی ہے کسی انسان کی زندگی اپنوں کا اعتبار نکل جائے، اپنوں کا مان ختم ہو جائے تو جو دکھ اور تکلیف محسوس ہوتی ہے، ماسٹر صاحب اسی تکلیف سے گزر رہے تھے اور ان کی تکلیف کو محسوس کر کے تو ان سب کے دل بھی جیسے کر رلا سے گئے تھے۔

☆☆☆

اسٹوڈیو کا ماحول اس وقت قدرے ٹینس ہو رہا تھا، اریدہ اپنی جگہ چھوڑ کر اسٹیج سے قدرے فاصلے پر کھڑی تھی، اس کے پاس کھڑے پروڈیوسر، ڈائریکٹر اور استاد صاحب اسے کچھ سمجھا رہے تھے، جبکہ کرن خان ٹانگ پر ٹانگ رکھے اپنی جگہ پر بڑے کروفر سے بیٹھی ان کو دیکھ رہی تھی اور قبل اس کے کہ وہ اس شو اس سیٹ اور اس چینل، سب پر لعنت بھیجتے ہوئے واک آؤٹ کر جاتی، پھر بھلے ہی اسے کتنا بڑا ہرجانہ ادا کرنا پڑتا، یا کتنا بڑا اسکینڈل کھڑا ہو جاتا، اسے قطعاً پروانہ نہ ہوتی کہ اچانک اس کے سیل کی اسکرین چمکنے لگی۔

''ہیلو!'' بڑی بے زاری اور کوفت کے عالم میں اس نے نمبر دیکھے بغیر ہی کال ریسو کر لی تھی مگر......اب۔

''کرن خان! آج تم نے پھر اپنی لمٹ کراس کرنے کی کوشش کی ہے، میں نے تمہیں پہلے بھی وارن کیا تھا کہ اپنی حد میں رہنا سیکھو، منہ کھولنے سے پہلے سوچو اور پھر بات کرو، ہر کسی کو پبلک پراپرٹی کہنے والی تم کون ہوتی ہو، اگر سارے فنکار ہی پراپرٹیز ہیں، تو پھر تم بھی اسی زمرے میں آتی ہو اور کیا تم نہیں جانتی کہ پبلک میں ہر قسم کے لوگ ہوتے ہیں، وہ بھی جو دوسروں کی چھوٹی سی چھوٹی چیز کی بھی جی جان سے حفاظت کرتے ہیں اور وہ بھی جو...... خیر......اور اب اگر تمہیں اسی پبلک کے حوالے کر دیا جائے پراپرٹی بنا کر تو تم اچھی طرح سمجھ سکتی ہو کہ پھر تمہارا کیا ہوگا؟ یہ ہی پبلک اور یہ ہی میڈیا جس کا درد تمہارے دل میں بڑا اٹھ رہا ہے ناں، ذرا سا اشارہ کرنے کی دیر ہے دیکھنا ذرا پھر کیسے کیسے گڑے مردے اکھاڑتی ہے، تمہارے اگلے پچھلوں کے اور کیا حال کرتی ہے تمہارا، تم جانتی ہو ناں اچھی طرح جانتی ہو ناں، اب تمہارے لئے لاسٹ وارننگ ہے ہاٹ سیٹ پر واپس جاؤ اور پروگرام کو اچھے انداز میں مکمل کرواؤ، ذرا سی غلطی کی بھی گنجائش نہیں ہے، تمہارے پاس I think you better under stand- doit you understand? ناؤ گو آہیڈ؟'' جسے جسے کرن کمال سنتی جا رہی تھی، اس کے چودہ طبق روشن ہوئے جا رہے تھے، آج صحیح معنوں میں اسے اپنی سو کالڈ بولڈنیس اور اوور کانفیڈنس پر شدید جھنجلاہٹ اور غصہ آ رہا تھا، کیونکہ اب اس کے مقابل اریدہ خان نہیں آغا

تھا۔

آغا جو اسے اور اس جیسے کئی فنکاروں کو اس فیلڈ میں لایا تھا جس چینل پر وہ چند لمحے قبل لعنت بھیجنے کا سوچ رہی تھی، آغا وہ اور اس جیسے کئی چینلز کھڑے کھڑے خرید سکتا تھا، اس وقت سب سے زیادہ ریٹنگ دینے والے چینلز کی چین کا مالک، کامیاب ترین بزنس مین اور کامیاب ترین پروڈیوسر آغا جس کے ساتھ بنا کر رکھنے میں ہی سمجھداری تھی ورنہ وہ ماضی کے کئی فنکاروں کو جانتی تھی، جنہیں آج کوئی جانتا بھی نہیں تھا کیونکہ وہ آغا سے پنگا لے بیٹھے تھے۔

کرن کمال نے گہری سانس لے کر خود کو نارمل کیا، میک اپ آرٹسٹ کو اشارے سے پاس بلا کر اپنا میک اپ ٹھیک کروانے لگی، جسے دیکھ کر تومی نے قدرے سکون کا سانس لیا، ورنہ تو وہ اس فکر میں ہی مرا جا رہا تھا، اریدہ خان کو منانے کے بعد ابھی اسے کرن کمال کے نخرے بھی اٹھانے پڑیں گے، مگر بھلا ہو اس فون کال کا جسے سنتے ہی کرن کی چمک ماند پڑ گئی تھی۔

''جی ناظرین! ویلکم بیک، ہمیں یقین ہے کہ آپ ابھی تک ہمارے ساتھ ہی ہوں گے اور اپنی پسندیدہ گلوکارہ اریدہ خان کے ساتھ پروگرام انجوائے کر رہے ہوں گے، بریک سے پہلے ہمارے ساتھ تھیں اریدہ خان اور اب ناظرین، آپ کے لئے ہی ایک اور سرپرائز جی ہاں اس وقت ہمارے ساتھ اسٹوڈیو میں موجود ہیں میرے آپ کے اریدہ جی اور ہم سب کے بے حد پیارے محترم استاد دلاور خان صاحب آج ہم آپ کی ملاقات خان صاحب سے بھی کروائیں گے، جی تو خان صاحب، ویری ہارٹیسٹ ویلکم ٹو آور شو۔''

ایک طویل شارٹ بریک کے بعد بالآخر شو

ان ایئر ہو ہی گیا تھا، جیسا کہ آغا نے کہا تھا کہ Show must goon تو کرن کمال بڑی فنی مہارت سے اپنے دلی تاثرات چھپائے نجی سوالات سے پرہیز کرتے ہوئے فنی نوعیت کے سوالات تک محدود رہتے ہوئے پروگرام کو اختتام کی طرف لے جا رہی تھی، ریکارڈنگ روم میں دوسرے ممبران کے ساتھ بیٹھا آغا ہونٹوں پر مدھم سی مسکراہٹ لئے اسکرین کو دیکھ رہا تھا۔

کیا خبر تھی کہ ہمیں محبت ہو جائے گی محسن
ہمیں تو بس اس کا مسکرانا اچھا لگتا تھا

اور ایسا ہو جاتا ہے ناں کبھی کبھار کہ ایک نظر، صرف ایک نظر آپ کے دل کی دنیا کو تہہ و بالا کر دیتی ہے، آپ وہ نہیں رہتے جو آپ ہوتے ہیں، آپ کا دل، آپ کا ذہن کیا بدلتا ہے، زندگی کے سارے مفہوم، دنیا کے سارے مناظر تبدیل ہو کر رہ جاتے ہیں، یہ واردات قلبی اتنی اچانک اتنی حسین ہوتی ہے کہ آپ کو خود بھی یقین نہیں آتا۔

اور واقعی یقین تو ابھی تک مجھے بھی نہیں آیا کہ اس واردات قلبی کا شکار میں بھی ہو ہی چکا، میں غفران آغا ہمدانی، بزنس ٹائیکون اپنے ارب پتی والدین کی اکلوتی اولاد، جو محاورۃً نہیں حقیقتاً ہی سونے کا چمچ منہ میں لے کر پیدا ہوا، جس کی ہر خواہش بغیر کہے پوری ہوئی ہمیشہ، اتنی دولت، اتنی امارت اور اتنے لاڈ پیار کے باوجود میری شخصیت شروع سے ہی بڑی کمپوزڈ رہی تھی اور اس کی وجہ تھے میرے دادا، دادی، جنہوں نے اپنی قیمتی وقت کا لمحہ لمحہ مجھے دیا، میں رویا تو وہ میرے ساتھ روئے، میں ہنسا تو ان کے چہرے پر بھی مسکراہٹ آ گئی، ڈیڈ اور مام کو اپنی ایکٹیویٹیز سے فرصت کہاں تھی، جو مجھے سنوارتے، انہیں تو بس اپنا بزنس بڑھانا تھا اور پہلے سے چمکتے

مقدر کو مزید چمکانا تھا، سو مجھے دادا جان اور دادی کے حوالے کر کے مطمئن ہو گئے، پھر جب میں اپنی تعلیم مکمل کر چکا تو ان کی تربیت رنگ لائی، وہ تربیت جس نے مجھے منکسر المزاج اور فرمانبردار بیٹا بنا دیا تھا۔

ڈیڈ نے اپنے سرکل کی سب سے حسین طرحدار اور امیر ترین لڑکی کو اپنی بہو کے طور پر منتخب کیا اور میں نے ان کی پسند پر سر جھکا دیا، ہے ناں مزے کی بات، امیر، اکلوتا، ہینڈسم سمارٹ ہونے کے باوجود نہ ادھر ادھر تانکا جھانکی اور نہ ہی کوئی افیئر مگر کیا کریں، میں تھا ہی ایسا اور اب بھی ویسا ہی ہوں۔

ہالہ میری بیوی، میری زندگی میں محبت کا ہالہ تو نہ لا سکی، ہاں ڈیڈ کی دولت میں مزید اضافے کا سبب ضرور بنی، وہ کہتے ہیں ناں مایا کو ملے مایا کر کر لمبے ہاتھ، تو یہ معاملہ ادھر بھی تھا، وہ ہماری ایلیٹ کلاس کی لڑکیوں کی تمام خوبیوں کا مرقع تھی، کٹی پارٹیز، جم، شاپنگ، ہوٹلنگ، لانگ ڈرائیو، ایڈونچر، تھرل، کانسرٹس کی دلدادہ، جس وقت میری عموماً صبح ہوتی، وہ سونے کی تیاریوں میں مصروف ہوتی اور جب میں سارے دن کی مصروفیات کے بعد تھکا ہارا گھر آتا وہ نک سک سے ریڈی، پارٹی، شاپنگ ہوٹلنگ وغیرہ کے لئے جا رہی ہوتی، بہت کم ایسا ہوتا کہ ہم دونوں کو عام نارمل حالات میں مل بیٹھنے کا موقع ملتا اور یہ بھی سچ ہے کہ اگر سوشل سرکل اس کا بے حد وسیع تھا تو کاروباری مصروفیات میری بھی ان گنت تھیں، اگر اس کے اردگرد اس کے دوستوں کی بھیڑ لگی رہتی تھی تو تنہا میں بھی نہ تھا، میرے سب سے اچھے اور سچے دوست کو میرے دادا، دادی ہی تھے اور پھر جانے کیسے اس طرح کی دوڑتی بھاگتی زندگی گزارتے گزارتے ایک نئی خبر، بلکہ خوشی کی خبر نے ہماری زندگی میں وارد ہونے کی کوشش کی، جی کوشش کیونکہ ہالہ نے اس خوشی کی خبر کا ہی نہیں، اس خوشی کا بھی بڑی سفاکی سے گلا گھونٹ دیا۔

ہالہ کو جیسے ہی علم ہوا کہ وہ ماں بننے والی ہے تو اس نے آنے والے بچے اپنی آزادی کی راہ میں رکاوٹ سمجھتے ہوئے پہلی فرصت میں ابارشن کروا لیا اور پھر ڈاکٹر کی ہدایات کو نظر انداز کرتے ہوئے بجائے آرام اور مکمل علاج کروانے کے، وہ اپنی فرینڈز کے ساتھ آؤٹنگ اور شاپنگ کے لئے فرانس چلی گئی، اتنے لمبے سفر اور مسلسل بے آرامی کی وجہ سے وہاں اس کی حالت بگڑ گئی تو ہم پر یہ عندیہ کھلا کہ ہالہ بی بی نے ہمارے ساتھ کیسا ہاتھ کیا ہے، ہالہ کی اس حرکت کا افسوس تو ڈیڈ اور مام کو بھی بہت ہوا تھا، ظاہر ہے دادا، دادی بننے کی باری اب ان کی تھی اور انہیں اس کا ارمان بھی بہت تھا، مگر مجھے اور دادی کو جو صدمہ ہوا، وہ بیان سے باہر تھا، دادا، دادی کے زیادہ نزدیک رہنے کی وجہ سے میں اپنے مذہب کے بارے میں بھی اچھی طرح جانتا تھا، مجھے علم تھا کہ ابارشن بھی ایک طرح کا قتل ہی ہے، اللہ اور اس کے نبی آخر الزمان محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رزق تک کے خوف سے اپنی اولاد کو قتل کرنے سے منع کیا ہے تو...... یہاں تو ایسا کوئی مسئلہ تھا ہی نہیں، یقیناً ہالہ نے اپنی فٹنس اور سوکالڈ آزادی کے راستے میں اس معصوم کو رکاوٹ جان کر دنیا میں آنے سے قبل ہی قتل کر ڈالا تھا اور اب اس کی اپنی بے احتیاطی کی وجہ سے آگے بھی اس کے لئے مسائل ہی مسائل تھے، کیونکہ ڈاکٹرز کے مطابق آئندہ اس کے ماں بننے کے چانسز دس پرسینٹ سے بھی کم رہ گئے تھے، میں ان دنوں بے حد پریشان اور افسردہ رہنے لگا تھا، دادی جان مجھے

بہت پیار اور توجہ دے رہی تھیں، ان کا سارا وقت ابھی بھی صرف میرے لئے ہی تھا کہ دادا جان کی وفات کے بعد میں تو ان کا سب کچھ رہ گیا تھا۔
اس دن بھی میں ایسے ہی افسردہ سا بیٹھا تھا کہ دادی جان زبردستی مجھے اپنے ساتھ لے گئیں، الحمراء حال میں نیشنل لیول پر انٹر کالجیٹ مقابلہ برائے نعت خوانی ہو رہا تھا اور دادی جان اس کی مہمان خصوصی تھیں، میں ان کا دل رکھنے کے لئے ان کے ساتھ چلا تو گیا، مگر شاید سارا وقت اپنے ہی خیالوں میں گم رہتا کہ اچانک ایک بہت ہی مقدس اور میٹھی آواز نے میری توجہ اپنی طرف کھینچ لی، سامنے خوبصورت اور خوش رنگ پھولوں سے سجی اسٹیج پر پھولوں کے ڈھیر میں ہی چھپے ڈائس کے پیچھے ایک معصوم اور نوخیز لڑکی سفید لباس اور آسمانی دوپٹے میں ملبوس نہایت ادب و احترام اور عجز و انکسار کے ساتھ دعا گو تھی۔
کرم مانگتی ہوں عطا مانگتی ہوں
الٰہی میں تجھ سے دعا مانگتی ہوں
ایک تو میری ذہنی حالت اور پھر اس کلام کے الفاظ، میرے تو سچ مچ رونگھٹے کھڑے ہو گئے، دل جیسے پانی بن کر آنکھ سے بہنے کو بے تاب ہو گیا، شاید وہاں ہال میں موجود سب ہی لوگوں کی یہ ہی کیفیت رہی ہو گی، مگر مجھے اس وقت صرف اور صرف اپنے دل کی حالت کا علم تھا، جو ایک ہی جھٹکے میں دامن چھڑائے اپنے رب کے حضور سجدہ ریز ہو گیا۔
اور پھر اس کے بعد، اس کے بعد میری زندگی کا محور بھی بدل گیا، وہ نوعمر لڑکی عابدہ پروین بنت ماسٹر غلام دستگیر خان نہ صرف اس مقابلے کی فاتح قرار پائی، بلکہ میری دادی جان کی خاص الخاص منظور نظر بھی ٹھہری، دادی جان نے اس لڑکی کے حوالے سے کچھ اہم ذمے داریاں مجھے سونپ دی اور ان ہی ذمے داریوں کی وجہ تھی کہ آج دنیا عابدہ پروین کو اریدہ خان کے نام سے جانتی ہے۔

☆☆☆

''ماسٹر صاحب! آپ چاہیں تو ہر طرح کی تحقیق کروا سکتے ہیں، آپ کو پورا حق حاصل ہے، آخر آپ کی بیٹی کی پوری زندگی کا معاملہ ہے، کوئی ایک دو روز کی بات نہیں کہ بغیر دل کی تسلی کے فیصلے کر لئے جائیں، ہم اپنے پوتے کے لئے آپ کے جگر کے ٹکڑے کے سوالی بن کر آئے ہیں، اگر آپ چاہیں تو ہمیں ہماری کھوئی ہوئی خوشیاں لوٹا سکتے ہیں، آپ سوچ لیں، مشورہ کر لیں اور ہمارے بارے میں جس طرح چاہیں پتا کروا لیں، ہم آپ کے جواب کا انتظار کریں گے۔'' اور بالآخر دادی جان اپنا گوہر مقصود پانے کی چاہ میں ماسٹر صاحب کے در پر جھولی پھیلائے آ ہی گئیں۔
ماسٹر غلام دستگیر خان صاحب جو شاید ابھی تک عابدہ سے ناراض ہی تھے اس لئے تو اس کی کسی سرگرمی کے بارے میں بظاہر جاننے کی کوشش نہ کرتے تھے، انہیں نہ تو اس کی شہرت سے مطلب تھا اور نہ ہی اس کی بڑھتی ہوئی دولت سے مگر وہ تھی تو ان کی ہی بیٹی ناں، بظاہر وہ کتنے ہی لاتعلق رہتے اس سے مگر اس کے مستقبل کے حوالے سے دل ہی دل میں فکر مند رہتے تھے۔
ماسٹر صاحب نہیں چاہتے تھے کہ ان کی لاڈلی اور معصوم بیٹی امارت شہرت کے اس بلند و مینار پر جا چڑھے کہ ذرا سا پیر پھسلنے سے وہ خدانخواستہ کسی ایسی اندھی کھائی میں جا گرے کہ پھر اس کا ان اندھیروں سے نکلنا اور سنبھلنا ناممکن ہو جائے، اسی لئے وہ اس پر کبھی یہ ظاہر نہ کر پائے کہ جس طرح اس نے اتنی سی عمر میں اتنا نام

نما لیا اور جس طرح سمجھداری اور سنجیدگی سے صرف اپنے کام سے کام رکھتے ہوئے اپنی عزت اور ناموس پر آنچ نہ آنے دی، اس کے اس عمل نے ان کی نظر میں ان کی بیٹی کی قدر و منزلیت کتنی بڑھا دی تھی اور پھر سب سے بڑھ کر اس نے جو اتنا عرصہ ان کے کہنے پر میڈیا میں رہتے ہوئے اپن کا نام، ان کی پہچان کبھی کسی کو نہیں ہونے دی تھی، جس طرح انٹرویو اور رپوٹرز سے بچتی رہی تھی، اس نے ان کا مان بہت بڑھا دیا تھا اور ان کا یہ مان یہ بھروسہ ہی تو اریدہ خان کا اصل اثاثہ تھا۔

یہ ایک قسم کا امتحان تھا، جس میں ان کی عابدہ پوری طرح کامیاب رہی تھی، اب اگر اسے سارے زمانے کے سامنے اریدہ خان اور ماسٹر صاحب کو اریدہ خان کے والد، کی حیثیت سے متعارف کروا بھی دیا جاتا تو انہیں اس کی قطعاً پروا نہ تھی، کیونکہ وہ اچھی طرح جان گئے تھے کہ ان کی بیٹی آج بھی اتنی ہی سادہ، دل کی اتنی ہی صاف اور معصوم ہے، ورنہ غفران آغا ہمدانی جیسے بندے سے ڈنکے کی چوٹ پر راہ رسم بڑھا سکتی تھی، اس سے شادی کر سکتی تھی، مگر اس نے تو کبھی آنکھ اٹھا کر بھی آغا کی طرف نہیں دیکھا تھا، بلکہ اس کی طرف کیا اس نے کبھی غیر ضروری بات بھی نہیں کی تھی کسی سے، کیونکہ اس وقت چند اور فنکاروں کے علاوہ صرف وہ ہی تو تھی جس کا ایک بھی اسکینڈل نہیں بنا تھا اور یہ بات یقیناً ماسٹر صاحب کے لئے باعث فخر و انبساط ہی تھی۔

☆☆☆

آج میری زندگی کا سب سے خوبصورت دن ہے اور شاید سب سے زیادہ بڑا بھی، کیونکہ آج میں نے دنیا کی دولت کی جگہ دل کی دولت کا سودا کیا ہے، دادی جان شدید چاہت اور میری محبت باد آور ہوئی اور بالآخر ماسٹر صاحب مان ہی گئے، آج انہوں نے بڑی دھوم دھام کے ساتھ اپنی بیٹی عابدہ غلام دستگیر خان کا ہاتھ ہمیشہ کے لئے میرے ہاتھ میں دے دیا، اب کی بار ڈیڈ اور مام نے بھی دادی جان کے فیصلے پر خوشی خوشی سر جھکا دیا اور رہی ہالہ تو اسے کوئی فرق نہیں پڑتا، میں چاہے دو شادیاں کرتا یا چار، اسے واقعی کوئی فرق نہیں پڑتا، کیونکہ وہ شادی صرف شادی نہیں کانٹریکٹ بھی تھا، اسٹیٹس سے اسٹیٹس کا، دولت سے دولت کا اور پاور سے پاور کا اور پھر اب تو میں بذات خود اس پوزیشن میں ہوں کہ ہالہ کو جب چاہوں اس کے بھاری بھرکم مہر کے علاوہ اس کے حصے کی پراپرٹی بھی دے کر فارغ کر سکتا ہوں، اگر وہ چاہے تو۔

مگر وہ بھی اس ایلیٹ کلاس کی عورت ہے، وہ بھلا گھاٹے کا سودا کیوں کرے گی، لہٰذا اس دوسری شادی کی بڑے آرام سے اجازت دے دی اور خود اپنے جہیز کے بنگلے میں شفٹ ہوگئی، مگر میں بے ایمان نہیں ہوں، میں نے کہا ناں کہ میں شروع سے ہی کمپوزڈ اور کمیٹڈ بندہ ہوں، لہٰذا اپنی تمام کمٹمنٹس پوری کروں گا اور ہاں ایک بات

اریدہ نے بھی آج کے بعد صرف اور صرف میرے لئے، میرے چینلو میرے بینرز تلے بننے والے ڈراموں کے جنگلز اور تھیم سانگز ہی گائے کا اعلان کر دیا، حالانکہ میں اس کے اس فیصلے کے خلاف ہوں، میں نہیں چاہتا کہ اللہ نے اسے جو ہنر دیا ہے وہ اسے ضائع کر دے شاید میں اسے منا ہی لوں کہ اچھی اور معیاری کمپوزیشنز، غزلیں اور اچھا کلام وہ گاتی رہے، آخر اس میں حرج ہی کیا ہے، اگر وہ مان گئی تو ٹھیک، ورنہ پھر میرے پروڈکشن ہاؤسز تو ہیں ہی، کیوں آپ کا کیا خیال ہے میں نے ٹھیک فیصلہ کیا ہے ناں۔

☆☆☆

میرا شبستان

روشانے عبدالقیوم

''کیا واقعی؟'' نامیہ عزیز نے اپنی بڑی بڑی سحر انگیز آنکھیں پھیلا کر حیرت کا اظہار کیا۔

''تو اور کیا...... اسی لئے تو طیبہ آج کل گم صم سی رہنے لگی ہے، بھلا اس کیفیت کو اور کیا کہتے ہیں۔'' سمیرا نے قہقہہ لگاتے، طیبہ کو آنکھ ماری۔

طیبہ خواہ مخواہ اِدھر اُدھر دیکھنے لگی نا تردید کرنے کی کوشش کی ناں تائید علونیہ کو بھی اس کی حالت پر حیرت ہوئی۔

''ہونہہ تو یہ سچ ہے کہ طیبہ میڈم کو اپنے ڈرائیور سے محبت ہوگئی ہے اور بات منگنی تک جا پہنچی، جہاں تک میری معلومات ہیں، تم تو ایک اچھے کھاتے پیتے ویل آف فیملی سے تعلق رکھتی ہو؟'' نامیہ نے تمسخر سے کہتے طیبہ کو سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

''مجھے تو اس کے گھر والوں پہ حیرت ہوتی ہے، چلو اسے تو محبت نے اندھا کر دیا، اس کے ماں باپ کی کیا مجبوری ہے جو اس کی منگنی اک ڈرائیور سے کر رہے ہیں۔'' سمیرا اب کے سنجیدہ تھی تعجب سے بولی۔

''کیا ڈرائیور ڈرائیور لگا رکھا ہے، مت کرو اس قدر تحقیر سے اس کا ذکر، ڈگری یافتہ پڑھا لکھا انسان ہے وہ...... اچھی فیملی سے ہے، قسمت نے اسے آزمائش میں ڈال دیا تو یہ کوئی گناہ تو نہیں، میں مطمئن ہوں، تم لوگوں کو کیا مصیبت ہے۔'' طیبہ سے مزید برداشت ناں ہوا۔

اس کی بات پر علونیہ، سمیرا چپ کی چپ رہ گئیں جبکہ نامیہ عزیز کے لبوں پر دل جلانے والی مسکراہٹ در آئی۔

''کیا بات ہے ڈرائیور صاحب کے محبت کی، یعنی اب طیبہ احسان جیسی لڑکی ہمارے اوپر چڑھے گی، ہمیں آنکھیں دکھائے گی، اس ڈرائیور کو تو اپنی خوش قسمتی پر غبارے کی طرح پھول کر ہواؤں میں اڑنا چاہیے، واہ کیا قسمت پائی ہے کمینے نے۔'' نامیہ عزیز نے خاموش گم گو اور دب کر رہنے والی سادہ سی طیبہ کے تیور دیکھ کر چوٹ کی تھی۔

''زبان سنبھال کے نامیہ، میں کلاس فیلو ہونے کے ناطے تمہارا لحاظ کر رہی ہوں، اپنی حد میں رہو۔'' طیبہ بے حد غصے میں تھی۔

''تم مجھے میری حد بتاؤ گی؟ جسے خود اپنی حد کا پتہ نہیں، لحاظ کر رہی ہوں، مت کرو میرا لحاظ، مجھے تمہارے لحاظ کی پرواہ ہی کب ہے، اپنے ڈرائیور سے معاشقہ چلانے والی لڑکی اب مجھے میری حد بتائے گی۔

علونیہ اور سمیرا کو اس کی بات اچھی نہیں لگی تھی، مگر وہ نامیہ عزیز سے ٹکر لینے کا سوچ بھی نہیں سکتی تھیں، مغرور سی نامیہ تکبر سے جس کی گردن ہر وقت اکڑی رہتی، غصہ جس کی ناک پر دھرا رہتا، ہر کسی کو اپنے جوتے کی نوک پر رکھتی تھی، جتنی وہ خوبصورتی میں بے مثال تھی، اتنی ہی امیر ترین سمیرا اور علونیہ جیسی لڑکیوں کے تو اس کے ساتھ رہنے اور چمچہ گیری کرنے میں ہی اتنے مزے تھے وہ کیوں اس سے طیبہ کے لئے ٹکر لیتیں، یونیورسٹی کے تو ٹیچرز کی بھی ہمت ناں پڑتی نامیہ جیسی حسین ذہین و تیز طرار لڑکی کو کچھ کہنے کی۔

''سمیرا اسے سمجھاؤ مجھ سے ایسے بات ناں کرے، مجھے اس کے الفاظ تکلیف دے رہے ہیں۔'' طیبہ نے لوگوں کو ادھر متوجہ ہوتے دیکھ کر مصالحت آمیز لہجے میں کہا۔

''میں کیا کہہ سکتی ہوں، تمہیں تو نامیہ کے غصے کا پتہ ہے، مجھے تو دور ہی رکھو اپنے جھگڑے سے۔'' وہ گڑبڑا کے صاف دامن بچا گئی، طیبہ نے بے یقینی سے اسے دیکھا تھا، وہ نظریں چرا گئی۔

''ہوتی رہے تمہیں تکلیف، میں نے تم پر احسان کیا، دو دن تمہارے ساتھ کیا بیٹھ گئی، تم تو اپنی اوقات ہی بھول گئی، ایک ڈرائیور کے لئے تم مجھے میری حد بتاؤ گی چیپ گرل!'' نامیہ شیر ہوئی۔

''میں تمہارے منہ نہیں لگنا چاہتی۔'' وہ اٹھی اور اپنی چیزیں سمیٹنے لگی۔

''ہونہہ جاؤ اور اپنے اس ڈرائیور کے منہ لگو، تم جیسی لڑکی یہی ڈیزرو کرتی ہے۔'' وہ صاف مذاق اڑاتے طنزیہ بولی تھی۔

اس کا انداز نہایت سلگا دینے والا اور تحقیر آمیز تھا، طیبہ کی جگہ کوئی اور لڑکی ہوتی تو اس بات پر لازمی ایک چھانٹا تو بنتا تھا۔

''مجھے تو پھر بھی ایک ڈرائیور سے محبت ہوئی ہے جو کم از کم پڑھا لکھا مہذب انسان تو ہے، میری تمہیں بد دعا ہے کہ تمہیں نامیہ عزیز جیسی نک چڑھی حسین اور دولت مند لڑکی کو ایسے شخص سے محبت ہو جس کی محبت اس کے لئے ناسور بن جائے، ایسے نیچ شخص سے اسے محبت ہو کہ اس کے بارے میں کسی کو بتاتے بھی وہ شرم محسوس کرے، وہ محبت اس کے لئے ایسا کانٹا بن جائے جو ناں تو نگلا جائے ناں اگلا جائے، برانڈڈ اشیاء کو ایک بار پہن کر کچرے میں پھینک دینے والی نامیہ عزیز، کسی کو فخر سے اپنی محبت ناں دکھا سکے، محبت اس کے لئے ایسا شبستان بن جائے کہ وہ کبھی اس سے ناں نکل سکے اور تب وہ ایک بار ضرور یہ سوچ لے کہ اس نے کسی کا دل دکھایا تھا۔'' اس کی آنکھیں سرخ اور لہجہ زخمی تھا۔

علونیہ اور سمیرا شرمندہ شرمندہ خاموش بیٹھی تھیں اور نامیہ عزیز نے حقارت سے اس کی پشت پر نظریں گھاڑے مکھی ہاتھ سے اڑائی تھی۔

''اتنا گیا گزرا ٹیسٹ تمہارا ہی ہو سکتا ہے، ہونہہ بڑی آئی مجھے بد دعا دینے والی، میں نامیہ عزیز ہوں، طیبہ احسان نہیں۔'' اس کے گھمنڈ میں کوئی فرق ناں آیا تھا۔

☆☆☆

''کول ڈاؤن بیٹا، بس بھی کرو اب، اس دو ٹکے کی لڑکی کے لئے تم خود کو کیوں تھکا رہی ہو، اچھا ہے اس کی اوقات یاد دلا دی تم نے، آئندہ ایسی غلطی نہیں کرے گی۔'' شہرینہ عزیز نے کیوٹکس ٹھیک کرتے اپنی خوبصورت آنکھیں اک پل کو اس کے لال بھبھوکا چہرے پہ ٹکائیں۔

''آئندہ وہ ایسا تب کرے گی، اگر میں اسے اپنے آس پاس برداشت کروں، بھاڑ میں جائے وہ۔'' اس نے ریموٹ پکڑے چینل بدلہ۔

''ہونہہ نامیہ عزیز کیوں ایسے شخص سے محبت کرنے لگی جس کے بارے میں کسی کو بتاتے بھی شرم آئے، مجھے تو جب محبت ہو گی، اسے ساتھ لئے پوری دنیا گھوموں گی تاکہ سب کو معلوم ہو کہ نامیہ کو محبت ہو گئی ہے، میرے لئے کیوں میری محبت شبستان بنے۔'' شہرینہ عزیز رات کی پارٹی کے لئے خود کو تیار کر رہی تھی اور بیٹی کو سنتی بھی جا رہی تھیں۔

''میں نامیہ، جس کا ہر کام ارادے اور پلاننگ سے ہوتا ہے جسے شاپنگ بھی کرنی ہو تو مشہور پامسٹ سے مشورہ کر کے کرتی ہے کہ آیا آج اس کے لئے خریداری بہتر ہو گی یا نہیں اور یہ کہ کہاں سے شاپنگ کرنا آج بہتر رہے گا، جو دوست بناتے ہوئے سو بار سوچتی ہے کہ وہ کس خاندان اور کیسے اسٹیٹس سے تعلق رکھتا ہے، جس نے آج تک کسی کو دوست نہیں کہلوایا صرف اور صرف اس وجہ سے کہ اس کی ٹکر کا آج تک اسے کوئی ملا نہیں، اس کے گرد پروانوں کی طرح منڈلاتے لڑکے لڑکیاں، جس کے ساتھ وہ تھوڑا

سا ٹائم پاس کر لیتی ہے مگر وہ اپنی خوش قسمتی پر دنوں ناز کرتے ہیں کہ انہیں نامیہ عزیز کی کمپنی ملی تھی اس جیسی حسین اور دولت مند لڑکی کی تھوڑی سی توجہ جیسے سرشار رکھتی۔'' سمیرا اور علونیہ بھی اگر اس کے ساتھ تھیں تو سراسر خود اپنی وجہ سے کیونکہ نامیہ سے تعلق رکھنا ان کے اپنے لئے مفید تھا۔

☆☆☆

''میں ہر کام ارادے سے کرتی ہوں، محبت بھی بے سوچے سمجھے نہیں کروں گی، بلکہ پہلے ارادہ کروں گی اور جب دل کرے گا تو سوچ سمجھ کر اپنی ٹکر کے آدمی سے کروں گی، میں ان لوگوں میں سے نہیں جو محبت کر کے یہ رونا روتے ہیں کہ محبت تو اندھی ہوتی ہے، ایسے جملے مجھے بہت برے لگتے ہیں یہ صرف وہی لوگ کہہ سکتے ہیں جو بہت ست الوجود ہوں اور جو اپنے کل کے لئے پلاننگ نہ کریں، میں تو جس طرح ہر شے کی پلاننگ کرتی ہوں ایسے ہی محبت کی بھی پلاننگ کروں گی۔'' نامیہ نے بظاہر علونیہ، سمیرا اور ثنا سے کہا تھا مگر اونچی آواز میں کی یہ باتیں دراصل پاس سے گزرتی طیبہ کو سنانے کی غرض سے کہی گئیں تھیں۔

وہ لوگ لان میں بیٹھی گپ شپ لگا رہی تھیں کہ محبت کے موضوع پر نامیہ نے اپنا موقف بتایا، طیبہ اب ان سے دور دور رہتی تھی۔

''کتنی انوکھی اور منفرد سوچ ہے تمہاری، واہ تم کتنی مختلف ہو سب سے۔'' سمیرا تو ویسے بھی اس کی ہر بات پر انداز کی فین تھی جھٹ متاثر ہو کر بولی۔

''محبت اور پلاننگ سے کی جائے، نامیہ کچھ عجیب سی نہیں یہ بات؟'' علونیہ ڈرتے ڈرتے حیرانگی سے بولی۔

''کیوں؟'' وہ تیکھی نظروں سے اسے دیکھتے ناگواری سے بولی۔

''جب میں سونا، جاگنا، کھانا پینا، کہیں جانا، یونیورسٹی آنا ناں آنا پلاننگ کر سکتی ہوں تو محبت کیوں نہیں، میری ڈکشنری میں بغیر ارادے اور پلاننگ کے کوئی کام کرنا نہیں، میں جو سوچتی ہوں جو چاہتی ہوں پلان کرتی ہوں اور وہ ہو بھی جاتا ہے، بھلا جو لڑکی اپنا ایک ایک لمحہ کیلکولیٹ کرتی ہو، ہر بات میں نفع ونقصان کو مدنظر رکھتی ہو، وہ محبت کیسے بغیر پلان کئے کر سکتی ہے، میں عام لوگوں کی طرح کی گھسی پٹی ذہنیت نہیں رکھتی، ایسے بندے سے محبت کروں گی جو میرے مقابل چلے تو لوگ مڑ مڑ کر ہمیں دیکھے، جیسی میں ہوں ویسا ہی مجھے محبت کرنے لئے ایک پرفیکٹ شخص ملے اور دنیا دیکھتی رہ جائے۔'' وہ اک زعم سے بال جھٹکتے بولی۔

علونیہ کو وہ اپنے تکبر کے سبب پہاڑ کی بلندی پہ کھڑی نظر آئی، اس نے نامیہ کے گرنے کے خیال سے ہی جھرجھری لی تھی۔

''مگر تاریخ تو یہ بھی بتاتی ہے کہ بڑے بڑے بادشاہوں کو اپنی کنیزوں سے دھواں دار محبت ہوئی اور ان کی محبت میں وہ بے مثال لوگ اپنی جان اور مال تک سے بے پرواہ ہوئے۔'' علونیہ نے ایک اور نکتہ آزمایا، جسے نامیہ نے ناک پر مکھی کی طرح اڑایا، وہ اپنا سا منہ لے کر رہ گئی۔

''بہت ہی فارغ قسم کے لوگ ہوں گے وہ، دنیا پر بادشاہت کرتے تھے مگر گھر بیٹھے کنیزوں پر عاشق ہو جاتے، بھئی اتنی بڑی دنیا ہے، نکل کر اپنی ٹکر کی کوئی عورت ڈھونڈ لیتے۔'' وہ حقارت سے بولی۔

وہاں پر موجود تینوں لڑکیوں نے اس بے تحاشہ حسین مگر مغرور سی لڑکی کو بہت تاسف سے دیکھا تھا۔

لاکھ اس سے اختلاف سہی مگر کہنے کی جرأت کسی میں تھی، سوخاموشی میں ہی عافیت جانی۔

☆☆☆

دسمبر کی ایک خوبصورت نم سی صبح ہلکی ہلکی بارش میں وہ اپنی سرخ سپورٹس کار میں بیٹھی ٹھنڈی ٹھنڈی ہواؤں سے لطف اندوز ہوتی فل سپیڈ میں کار چلا رہی تھی کہ یکدم بریک لگا اور گاڑی اس سنسان سی سڑک پر رک گئی۔

اس نے بہت ہاتھ پیر چلائے مگر بے سود، مجبوراً اسے باہر نکلنا پڑا، ایڈونچرز طبیعت پر یہ بے وقت کی مصیبت بہت گراں گزری، آج موسم دیکھ کے صبح صبح اس کا موڈ کافی اچھا ہوا تھا اور وہ آسان رستے کے بجائے ذرا طویل راستوں سے گزرتی یونیورسٹی کے لئے نکلی تھی۔

ڈرائیور کو اس نے منع کر دیا تھا کیا پتہ تھا یہ نخریلی کار راستہ میں ہی ساتھ چھوڑ دے گی۔

نامیہ نے اِدھر اُدھر دیکھا کہیں کوئی دور دور تک نہ تھا، سڑک کے دونوں اطراف رہائشی بنگلے اور ساکت بھیگتے درخت ہی تھے جن سے مدد نہیں مانگی جا سکتی تھی اور ویسے بھی جتنی وہ انا پرست تھی کبھی کسی راہ چلتے اجنبی سے مدد نہ مانگتی۔

پہلی بار اس کے ساتھ ایسی صورتحال پیش آئی تھی، وہ پیدل چلنے لگی، ویسے بھی یونیورسٹی اب دس منٹ کی واک پر ہی تھی، اسے ٹھنڈے ٹھنڈے نم موسم میں یوں اکیلی سڑک پر چلنا بہت اچھا لگا، کچھ دیر پہلے والی کوفت اور بے زاری پل میں ہوا ہو گئی۔

وہ دسمبر کی صبح بارش کی ٹھنڈی بوندوں میں بھیگنے لگی، سخت سردی کی وجہ سے ناک ہونٹ اور آنکھیں گلابی ہو رہی تھیں۔

چلتے چلتے وہ ایریا ختم ہوا وہ دائیں طرف نکلی، وہاں کوئی بازار تھا لوگوں کا رش، دکانیں کھلنے اور کاروبار و پڑھائی کو جاتے لوگ، گاڑیوں کا شور صبح کی افراتفری مچی ہوئی تھی۔

وہ مارکیٹ کپڑوں یا دیگر اشیاء کی نہیں تھی بلکہ گروسری اور روزمرہ کے اشیاء کی دکانیں جا بجا سجی تھیں، اسے حیرت ہوئی، یہ لوگ اتنی سردی میں بھی صبح صبح گھروں سے نکل کیسے آتے ہیں، پھر وہ خود ہی ہنس دی، جب ہم جیسے محلوں میں رہنے والے نرم گرم بستروں سے اپنی ضرورتوں کے لئے نکل آتے ہیں تو یہ لوگ تو پھر زیادہ حقدار ہے، کیوں کہ سب کو اپنی روزی کمانی ہوتی ہے۔

وہ راستہ کے درمیان کھڑی جینز کی جیبوں میں ہاتھ دیئے، آتے جاتے لوگوں کو دیکھ رہی تھی کہ کوئی پیچھے سے آگے کو آتا جلدی میں اس سے ٹکرایا تھا۔

نامیہ کو اک طرف ہوتے دھکا سا لگا تھا مگر وہ گری نہیں جبکہ مقابل لڑکھڑایا تھا اور جیسے ہی وہ سیدھا ہوا اک اچٹتی سی سرسری سی نظر سے نامیہ کو دیکھا وہ جو خود کو کچھ سخت کہنے پر آمادہ کر چکی تھی، وہ ساکت تھی، بلکہ...... وہ سیدھا ہوا پلٹا اور پل پل اس سے دور ہوتا گیا۔

کوئی سوری کوئی معذرت کے الفاظ ادا کیے بغیر، نامیہ ایسی بدتمیزیاں برداشت کرنے کی عادی ناں تھی، مگر اسے ساکت کس چیز نے کیا تھا، اس کی بے نیازی یا اس کی بدتمیزی نے؟ نہیں اسے ایسے کسی جذبے نے ساکت نہیں کیا تھا، بلکہ مقابل کی بے تحاشہ خوبصورتی نے، ہاں وہ نامیہ سے بھی زیادہ خوبصورت اور وجیہہ تھا، مکمل بے تحاشہ مکمل، اس نے کبھی کسی مرد کو اتنا خوبصورت نہیں دیکھا تھا۔

سامنے لوگوں کا رش، شور شرابا، گاڑیوں کی پوں پاں، اب کوئی چیز بری نہیں لگ رہی تھی، وہ اتنا حسین تھا کہ وہاں موجود ہر شے حسین ہو گئی

تھی، ہر طرف حسن ہی حسن تھا، وہ ہوش میں نہیں تھی، جیسے ہوش و خرد سے بیگانہ ہو، اپنی پوزیشن یا کنڈیشن کا احساس تک ناں تھا اسے اس پل، وہ کیمل کلر کے شلوار قمیض میں ملبوس تھا سامنے دور بہت دور ہوتی اس کی پشت، کپڑے صاف تھے مگر زیادہ استعمال کی وجہ سے ان کی اصلی رنگت کھو چکی تھی۔

نامیہ کو کسی بات کا احساس ناں تھا، کہ وہ کس جگہ کس حال میں کھڑی تھی، یا مقابل کس حلیے میں کیسا انسان تھا؟

ہوش اسے تب آیا جب وہ حسین شخص نظروں سے اوجھل ہو گیا اس کا منظر سے ہٹنا تھا کہ ہر شے کی بدصورتی پھر سے ابھر آئی تھی۔

☆☆☆

اور نامیہ عزیز کو محبت ہو گئی، بغیر ارادے یا پلاننگ کے اسے محبت ہو گئی، بہت احتجاج کیا بہت دل کو جھٹلایا، لاکھ خود سے جنگ چھڑی مگر دل سے بھلا کون جیت پایا ہے؟ وہ بھی ناں جیت سکی، خود کو جھٹلانا دل کی نفی کرنا، خود سے بغاوت کچھ کام ناں آیا۔

اس نے پیروں کو بہت روکنے کی کوشش کی، دماغ قدموں کو پیچھے گھسیٹتا دل بغاوت پر آمادہ کر کے آگے کو سرکاتا، ہر بار وہاں جا کے اسے دیکھتی رہتی، پھر خود کو ملامت کرتی، خود سے نظریں چراتی واپس آ جاتی اور گھنٹوں کمرہ بند کیے پڑی رہتی۔

یونیورسٹی میں، گھر میں، ہر جگہ اس کی بدلتی کیفیت کو عجیب سی نظروں سے دیکھا جانے لگا، وہ اب پہلے کی طرح چہکتی ناں تھی، وہ قہقہے وہ جارحانہ انداز، وہ اونچی آواز میں باتیں کرنا، اب وہ پہلی سی رونق نہ تھی، جو لوگ اسے جانتے تھے کچھ سمجھ ناں سمجھتے، اس سے پوچھنے کی کسی میں ہمت ناں تھی، مگر پیٹھ پیچھے چہ مگوئیاں ہونے لگیں۔

نامیہ عزیز کو بھلا کیسی محبت ہوئی تھی، وہ تو ایسی چیزوں پر چپ رہنے والوں میں سے نہیں تھی، زمانے کو چلا چلا کر بتانے والوں میں سے تھی کہ نامیہ عزیز کو محبت ہو گئی، یہ کوئی چھپانے والی بات تھی بھلا؟

ایک قیدی کی سی محبت، جو نئے موسموں سے محبت کرتا ہے، دور دور سے انہیں دیکھتا، محسوس کرتا ہے، مگر ان کے درمیان نہیں رہتا، تمام لوگوں کی طرح مزے نہیں لیتا، وہ خود پر ترس کھانے کے سوا کچھ نہیں کر سکتا، وہ بارش میں بھیگ نہیں سکتا، بارش میں چائے کا کپ پکڑ کے برستی بارش کا نظارہ نہیں کر سکتا، خزاں کے موسم میں دور تک بکھرے زرد سرخ سرمئی پتوں پر چلنے کی حسرت ہی کر سکتا ہے، بکھرے پتوں کے نوحے نہیں سن سکتا۔

سردی کی حسین سنہری دھوپ اور اداس شاموں کی سرگوشیاں نہیں سن سکتا اور بہار میں زمین پر اگے رنگ برنگے پھولوں کو نیا جنم لیتے، ہر طرف سبزہ و ہریالی اور اس کی بھینی بھینی خوشبوں کو نا محسوس کر سکتا ہے اور ناں دیکھ سکتا ہے، اس نے خود اپنے لئے، اپنے ہاتھوں سے یہ محرومیاں چن لی ہوتی ہیں۔

☆☆☆

جب جب پت جھڑ میں
پیڑوں سے پیلے پیلے
پتے میرے لان میں آ کر
گرتے ہیں
رات کو چھت پر جا کر میں
آکاش کو دیکھتا رہتا ہوں
لگتا ہے کمزور سا پیلا

چاند بھی
پیپل کے سوکھے پتے سا
لہراتا لہراتا میرے لان
میں آکر اترے گا!

دسمبر کی سرد رات میں وہ بغیر کسی گرم کپڑے کے سردی سے بے نیاز لان میں کرسی پر دونوں پیر اوپر کیے بیٹھی تھی۔
کھلے بال ہوا سے پیچھے کی طرف اڑتے، بڑی بڑی گلابی آنکھیں، زرد چاند پر جمی تھیں۔
آج چاند بہت بڑا محسوس ہو رہا تھا، جیسے سورج نے اس سے معاہدہ کر کے اپنی ٹائمنگ بدل دی ہوں۔
شہرینہ عزیز ٹیرس سے اسے وہاں بیٹھا دیکھ کر تشویش سے تیز تیز چلتی آئی تھی۔
''نامیہ بیٹی! کیا کر رہی ہو بیمار ہو جاؤ گی، کیوں تم اتنی لاپرواہ ہوتی جا رہی ہو؟'' وہ پاس آ کر اس کی ٹھنڈی پیشانی پر محبت سے ہاتھ لگا کر بولی تھیں، اس نے خالی خالی بے تاثر نگاہیں شہرینہ پر ڈالیں اور دوبارہ زرد چاند کو دیکھنے لگی، وہ ماں تھیں، ان کے دل کو کچھ ہوا تھا۔
''کچھ مسئلہ ہے تو مجھ سے شیئر کرو؟'' ان کی آواز آنسوؤں میں ڈھل گئی۔
''درد تو بہت ہے مام! اتنا کہ برداشت نہیں ہوتا، میں پہلے جیسی ہونا چاہتی ہوں۔'' وہ دیکھ تو چاند کو رہی تھی مگر جیسے بہت دور بہت ہی دور کہیں پہنچی ہوئی ہو، آواز آنسوؤں سے بھاری تھی جیسے ابھی وہ دھاڑیں مار مار کر رونے لگے گی، آنکھوں میں پانی ٹھہر چکا تھا۔
''اداسی میرے دل کے گرد ایسے لپٹ چکی ہے جیسے اس چاند پر یہ زردی، ایسی ہی زرد اداسی کی لپیٹ میں ہے میرا دل...... مام...... میں محبت نہیں کرنا چاہتی، ہاں...... مگر کرنا بھی چاہتی ہوں، وہ بہت حسین ہے مام، اتنا کہ میں اس کی خوبصورتی کے آگے ماند پڑ جاتی ہوں، میں کیسے اس سے محبت کر سکتی ہوں، میں نے تو پلان کیا ہی نہیں تھا، بھلا میں کیسے اتنی لاپرواہ ہو سکتی ہوں، میں نے بہت روکا، بہت ڈانٹا، مگر میرے قدموں نے میری ہی بات ماننے سے انکار کر دیا، پھر میں نے ان کو سزا بھی دی، بہت مارا اور دو دن تک کمرے میں بند رکھا کہ کیوں میری بات ناں مانی اب سزا بھگتو۔'' وہ بچوں کی طرح کبھی روتے میں جبراً مسکرانے لگتی، کبھی خلاؤں میں کھو جاتی، کبھی بہت منت آمیز انداز میں شہرینہ کو دیکھتے اس کے دونوں بازوں پکڑ لیتی۔
''تمہیں محبت ہو گئی ہے؟'' شہرینہ جو اس کے ساتھ رو رہی تھیں ٹھٹکی تھیں، یہ خیال انہیں پہلے آیا تھا مگر یقین نہیں کیا بھلا نامیہ خود اپنے آپ کے علاوہ کیوں کسی کو سوچنے لگ سکتی ہے، پوری زندگی میں اس نے اپنی ذات کے سوا کسی کو اہمیت ناں دی تھی۔
''محبت......؟'' وہ پھر سے خلاؤں میں گھورتے کھو سی گئی۔
''مام اسے محبت نہیں پتہ جنون کہنا زیادہ مناسب ہوگا۔'' وہ اب کے نارمل لگی تھی، کہہ کر رونے لگی، شہرینہ کچھ دیر بہت دکھ سے اسے روتا دیکھتی رہی تھیں۔
''نامیہ! میری جان، بس بھی کرو، آخر کب تک تم یہ سوگ مناؤ گی؟ تمہارے بارے میں باتیں ہو رہی ہیں ہمارے سرکل میں، میں نہیں چاہتی جو لوگ پہلے تمہاری تعریفیں کرتے نہیں تھکتے تھے، آج عجیب عجیب سی باتیں کریں، تم میری اکلوتی اولاد ہو، میرے اور تمہارے ڈیڈ کے تمہارے لئے بہت اونچے اونچے خیالات ہیں، ہم نے تمہاری زندگی کے حوالے سے کچھ خواب

دیکھ رکھے ہیں، کیا ہے یہ سب، چھوڑ دو یہ بچپنا، سنبھالو خود کو، اگر تمہیں یہ محبت تکلیف دے رہی ہے تو چھوڑ دو، اس کے بارے میں سوچنا چھوڑ دو، گھومو پھرو اپنی لائف انجوائے کرو۔'' وہ بہت نرمی اور محبت سے کہہ رہی تھیں۔

''میں بھی وہی چاہتی ہوں مام۔'' وہ آنسو پونچھتی بے چارگی سے بولی۔

''میں نے کل کی اپائمنٹ لی ہے مشہور سائیکاٹرسٹ سے، میرے ساتھ چلنا، دیکھنا کچھ ہی دنوں میں تم بالکل ٹھیک ہو جاؤ گی۔'' وہ بچوں کی طرح اسے پچکارتے بولیں تھیں۔

''سائیکاٹرسٹ، کیا کہہ رہی ہیں آپ مام، میں پاگل نہیں ہوں، محبت کسی کو نفسیاتی کیس نہیں بناتی، ناں ہی یہ نفسیاتی لوگ کرتے ہیں، عام نارمل لوگ محبت کرتے ہیں، ہاں یہ اور بات کہ میری محبت نارمل کیس نہیں۔'' وہ صاف برا مان گئی، باقی کا سارا وقت شہرینہ کو اسے مناتے گزر گیا تھا۔

☆☆☆

محبت جو بعض لوگوں کے لئے
بھرپور خوشی
بعض کے لئے روگ
بعض کے لئے ملامت
بعض کے لئے رسوائی
اور بعض کے لئے شرمندگی
اور بعض کے لئے جوگ بن جاتی ہے

مگر نامیہ کے لئے محبت ان قسموں سے مبرا کوئی چیز تھی، بغیر پلان کیے بغیر ماہ و سال دیکھے، بغیر کسی کو چنے اچانک سے برپا ہونے والی قیامت تھی، مگر وہ نہیں جانتی تھی، ابھی عشق کے امتحان اور بھی تھے۔

اللہ اسے منہ کے بل گرانے کا تہیہ کر بیٹھا تھا، کیونکہ وہ متکبروں کی فہرست میں تھی اور متکبر لوگوں کی سزا بھی بہت عبرتناک ہوتی ہے، فرعون جس کو اللہ نے دریا میں غرق کرکے ہلاک کیا قارون جو خزانوں سمیت زمین میں دھنس گیا اور شداد جس کے لئے اس کی بنائی جنت ہلاکت و بربادی ثابت ہوئی۔

وہ اللہ کو جھٹلانے والوں میں سے نہیں تھی، مگر لوگوں کو اور اس اللہ کی مخلوق کو جھٹلانے والوں میں سے تو تھی اور اللہ اپنی مخلوق کے ساتھ کی گئی زیادتی کو زیادہ دیر برداشت نہیں کرتا، وہ نہ زمین میں دھنسنے والی تھی ناں دریا برد ہونے والی تھی بلکہ زندہ درگور ہونے والی تھی، ایک کڑی سزا کی حقدار ٹھہرائی گئی تھی۔

ہر ایک کو اپنے عمل سے اپنے لئے جنت یا دوزخ بنانا ہوتا ہے، مگر اس کے اعمال نے اسے شبستان کا حقدار ٹھہرایا تھا، ساری عمر کا اندھیرا جو اس کے دل کو جکڑنے والا تھا اور اپنی ساری بقیہ زندگی اس نے اپنے لئے چنے اس شبستان میں بتانی تھی، جس میں کوئی رنگ، کوئی خوشبو، کوئی روشنی نہ تھی، ذات کے اندھیارے تھے، خوبصورت، بے مثال حسن کی مالک نامیہ عزیز کے بدصورت اعمال کا سیاہ تاریک شبستان۔

☆☆☆

نامیہ عزیز متوحش سی گھر سے نکلی تھی، خود سے ہمیشہ کی طرح بہت جنگ کی، مگر وہ دل کے ہاتھوں مجبور ہوگئی اور رستے میں اس نے خواہش کی کہ کاش وہ اس حسین و جمیل انسان کو قریب سے دیکھ پاتی اور اس کی یہ پہلی اور آخری دعا قبول کر لی گئی تھی۔

وہ وہیں سے گزر کر باہر مارکیٹ کی طرف نکلنے لگی تھی کہ سلیپر آگے سے ٹوٹ گیا اور پاؤں سے نکل گیا، وہ بغیر پرواہ کیے وہی سلیپر ہاتھ میں

لے کر چلنے لگی۔
یہ وہی نخریلی اور نازک مزاج سی نامیہ تھی اگر کوئی اس حالت میں اسے دیکھ لیتا تو مر کر بھی یقین ناں کرتا، وہ مخصوص اکڑ اور طنطنہ اب ناپید تھا یہ تو کوئی معلوک الحال سی لڑکی معلوم ہوتی تھی۔
وہ سڑک سے گزر کر باہر گلی کی طرف آنکلی اور زمین کی طرف دھیان ہی کب تھا جو وہ وہاں پڑے کانچ کے باریک ٹکڑے پر توجہ دیتی، وہ کانچ اس کے پیر میں چبھ گیا تھا۔
درد سے اس کی زبان سے سسکی سی نکلی تھی، وہ وہیں دھول سے اٹی زمین پر پیر پکڑتی بیٹھ گئی، چپل ہاتھ سے نکل گیا تھا، آنکھوں میں موٹے موٹے آنسو آ گئے، اس میں اتنی ہمت بھی نہ تھی کہ شیشہ کھینچ کر نکال لیتی۔
وہاں سے گزرتا شخص اسے اس طرح زمین پر سر جھکائے بیٹھ دیکھ کے قریب آیا تھا اور اس کے خون آلود پیر پر نظر پڑتے ہی نیچے اکڑوں بیٹھا تھا۔
نامیہ نے سر اٹھایا اور پلک تک جھپکانا بھول گئی، دنیا و مافیہا کو بھول جانا، زماں و مکاں سے بے نیاز ہو جانا کسے کہتے ہیں یہ آج معلوم ہوا تھا۔
نامیہ کے چہرے سے مقابل کے چہرے تک کا فاصلہ انچ بھر کا تھا، وہ دور سے جتنا حسین دکھتا تھا قریب سے اس سے دس گناہ حسین تھا، اس نے اب تک نظر اٹھا کے نامیہ کو نہیں دیکھا تھا عجیب سی بے نیازی جیسے اس کی ذات کا حصہ تھی۔
اس شخص نے ہاتھ بڑھا کر نامیہ کے پیر میں پیوست کانچ کا ٹکڑا کھینچا اور نامیہ کو کسی درد یا تکلیف کا احساس تک ناں ہوا وہ یک ٹک اسے تکے جا رہی تھی، جیسے اس نے توجہ ہٹائی تو وہ کہیں غائب ہو جائے گا یا ہوا بن کر تحلیل ہو جائے گا۔
''تمہیں اس خوبصورتی اور بے نیازی کا واسطہ، مجھے آزاد کر دو، مجھے اس بے بسی اور اذیت سے نجات دلا دو، میں تمہیں سوچنا تک نہیں چاہتی، رحم کرو مجھ پہ۔'' وہ جیسے اذیت کی انتہا پر تھی، آنکھیں آنسوؤں سے بھری، التجا آمیز لہجہ، بے بس انداز، آواز میں دنیا جہاں کا منت سموئے وہ بے انتہا تڑپ کے سے انداز میں بولی تھی۔
اور مقابل وہ کانچ کے ٹکڑے کو اک طرف پھینکتا، ایک بے نیاز سی اچٹتی نظر اس پہ ڈالتا اٹھا اور وہ حق دق سی اس مغرور بندے کو دیکھتی رہ گئی۔
نامیہ نے اسے خود سے دور ہوتا دیکھا، جاتے جاتے وہ نامیہ کا ٹوٹا سلیپر اپنے ساتھ لے گیا تھا۔
وہ اب تک اپنی کیفیات سمجھ نہیں پا رہی تھی، اس کی بے رخی نے دل کو بہت چوٹ پہنچائی تھی، اتنی چھوٹ کے نازک دل گھائل ہو گیا تھا اور پھر اس کا نامیہ کا سلیپر لے جانا اسے خوش ہونا چاہیے تھا مگر وہ نہیں تھی، گم صم سے انداز میں وہ دیوار کا سہارا لیتی اٹھی اور محوِ انتظار ہو گئی۔
پانچ منٹ گزرے ہوں گے کہ ایک شخص اس کے پاس آیا، اس کے ہاتھ میں نامیہ کا سلیپر تھا جو اب صحیح شدہ حالت میں تھا، اس نے نو وارد کے حلیے پر توجہ نہیں دی تھی وگرنہ چونک جاتی، کیونکہ اس شخص کا حلیہ اس سے مشابہہ تھا۔
''دل آور نے اسے ٹھیک کر دیا ہے، اب کبھی دوبارہ یہ جوتا نہیں ٹوٹے گا، میم صاحب، ہمارے ایبٹ آباد میں لوگ کہتا تھا کہ اس کے ہاتھ میں جادو ہے کمال کا ہنر مند ایک بار جوتا مرمت کر لے وہ دوبارہ خراب نہیں ہوتا۔'' وہ کافی باتونی لگ رہا تھا اور لہجے و حلیے سے

دیہاتی۔

''وہ جو ابھی میرا جوتا لے گیا تھا، وہ کہاں ہے؟'' نامیہ نے اس کی بات کے جواب میں بے تابی سے پوچھا تھا۔

دنیا جیسے اس شخص پر آ کر ختم تھی، اس سے آگے یا پیچھے اور کچھ ناں تھا، جو نامیہ کو سنائی یا دکھائی دیتا۔

''اسی کا تو بولتا ہوں، دل آور، میرا چھوٹا بھائی، میرے ساتھ ہی موچی کا کام کرتا ہے۔'' وہ فخر سے مسکرایا، اس کی بات سن کر نامیہ کو لگا وہ بلند چوٹی سے منہ کے بل دھکا دے کے گرا دی گئی ہے، اسے حیرت تھی کہ وہ اپنے پیروں پہ کیسے کھڑی تھی۔

''اس نے...... میری...... بات کا...... جواب کیوں...... نہیں...... دیا؟'' وہ کسی موہوم سی امید کے سہارے بولی تھی، شاید اسے سننے میں غلطی ہوا ہو، شاید وہ شخص غلط فہمی میں ایسا کہہ گیا ہو۔

''او میم صاحب، تم بھی بھولی ہو، بھلا وہ کیسے جواب دے گا؟'' اس نے مزے سے کہتے سر پر ہاتھ مارا۔

''کک...... کیوں؟'' یہ ایک لفظ وہ بہت مشکلوں سے بولی تھی، دل جانے کیوں دھڑک گیا تھا۔

''دل آور پیدائش سے گونگا اور بہرہ ہے میم صاحب۔'' وہ یوں بولا جیسے یہ معمول کی کوئی بات ہو۔

دھڑا...... دھڑ...... دھڑا...... دھڑ...... اور نامیہ کو لگا کہ بلندی سے گرنے تک ہی کا قصہ نہ تھا بلکہ اس کے ریزہ ریزہ وجود پہ پہاڑ کے بڑے بڑے تودے لڑھک کے آ گرے ہوں امیدیں ان کے بوجھ تلے ہمیشہ کے لئے دفن ہو چکی ہو۔

''میم صاحب، اگر آپ کو جوتے صحیح کرنے ہو تو ادھر آ جانا، وہ وہاں پہ گوشت کی دکان کے باہر والے چبوترے پر ہماری جگہ ہے، قسم سے دل آور جیسا جوتا کوئی مرمت نہیں کر سکتا۔'' اس نے نامیہ کی حالت سے بے خبر مزید اسے متاثر کرنا چاہا اور سامنے اشارہ کر کے نشاندہی بھی کر دی تھی۔

سامنے دور کچھ فاصلے پہ، چبوترے پر سر جھکائے انہماک سے جوتا ٹھیک کرتا وہ، وہی حسین وجمیل انسان تھا، غلطی کی اب کوئی گنجائش ہی ناں رہی تھی، نامیہ کو اپنا دم گھٹتا محسوس ہوا۔

''موت کو تھکا دینے والی خوبصورتی ہے تمہارا بھائی میں!'' وہ دور بیٹھے اس شخص کو دیکھتے بولی تھی، جس کی مجبوری اور خامی کو اس نے بے نیازی اور غرور پر محمول کیا تھا۔

مقابل اس کی دھیمی آواز میں ہی بات کو سن تو چکا تھا مگر سمجھ ناں سکا تھا، وہ بہت ابتر حالت میں گھر آئی تھی۔

شہرینہ اسے دیکھ کے رونے لگی تھیں۔

''مام اسے یہاں سے دور بھیج دیں، بہت دور، میں اب مزید برداشت نہیں کر سکتی، یہ بے بسی یہ تکلیف یہ گلٹ مجھے مار دے گا، میرا دم گھٹتا ہے مام، میں اس سے محبت نہیں کرنا چاہتی، یہ کیسی بے بسی ہے۔'' اس کی دہائی دل کو چھیر دینے والی تھی، اس کا نوحہ کلیجے نوچ رہا تھا، شہرینہ دھاڑیں مار مار کر رونے لگیں، گھر کے سارے ملازمین وہاں جمع تھے اور رو رہے تھے۔

بھلا انہوں نے نامیہ عزیز کو اس حالت میں کب دیکھا تھا، اچانک اس کی طبیعت بگڑ گئی، اسے نروس بریک ڈاؤن ہوا تھا۔

☆☆☆

شہرینہ اس شخص کا سراغ لگا کر وہاں گئی تھیں، دل آور کے بھائی کو چیک دیا تھا، بلینک چیک میں جتنی رقم لکھوانا چاہتا ہے لکھ کے کیش کروالے، بدلے میں اسے وہ شہر وہ جگہ چھوڑنے کو کہا، وہاں سے دور جانے کو کہا، بھلے وہ اپنے دیہات چلا جائے یا دوسرے شہر زمینیں خریدنا چاہے یا کوئی کاروبار، مگر یہاں سے دور جا کر بہت دور جا کر یہ سب کرے۔

دل آور کے بھائی کو تو مجبوری نے بیوی بچوں سے دور کر رکھا تھا روزی کی تلاش نے مسافرت اختیار کروا رکھی تھی، ہاتھ آیا مفت کا خزانہ وہ کیوں ہاتھ سے جانے دیتا، اسے آم کھانے سے غرض تھی گٹھلیاں گننے والوں میں سے نہ تھا وہ، بغیر وجہ پوچھے اس نے وہ خزانہ دونوں ہاتھوں سے سمیٹ لیا تھا۔

☆☆☆

وہ صحت یاب ہو کر گھر آ گئی مگر زندگی کی طرف نہ لوٹ سکی، جو لوگ اس کی شخصیت کے چکا چوند سے متاثر اس کے اردگرد پروانوں کی طرح چکراتے انہوں نے اسے بالکل فراموش کر دیا وہ اب پہلے کی طرح نہ تھی۔

اپنے لباس پر توجہ دینا، آئے روز پارٹیاں کرنا اور اٹینڈ کرنا، موج مستی، میوزک ہوٹلنگ شاپنگ، وہ سب کچھ بھول چکی تھی، جیسے نئی پیدائش لے کے ایک نئی دنیا میں آ چکی ہو، اسے اب شور شرابے کے بجائے خاموشیاں بھاتی تھیں۔

خوشیوں کے بجائے اداسیاں اٹریکٹ کرتی، بہار اور طوفان کے بجائے خزاں کا موسم پسند تھا، زندگی کے بجائے اب موت زیادہ پسند تھی، خاموش خاموش تھی، تنہا تنہا سی، بالکل خزاں کے موسم سی۔

وہ آج بھی اس جگہ اس چبوترے تک جاتی، اس کی بے اختیاری اسے وہاں لے جاتی، مگر اب وہ آباد نہ تھی، ویران تھی، وہ وہاں جا کر گھنٹوں بیٹھی رہتی بظاہر وہاں کی چہل پہل شور شرابا دیکھتی مگر بباطن، اس حسین چہرے کو کھوجتی، جو جانے کہاں کھو چکا تھا۔

اسے یاد نہ تھا کہ اذیت کے ان لمحوں میں اس نے اپنی ماں سے التجا کی تھی اور ماں بھلا بچوں کو تکلیف میں کیسے دیکھ سکتی ہے، انہوں نے اسے تکلیف سے بچا لیا تھا، گلٹ سے بچا لیا تھا۔

سوگ جو ہمیشہ نہیں رہتا، غم جو وقت کے ساتھ ساتھ کم پڑتا ہے، ایک دن وہ بھی سنبھل جائے گی، مگر شبستان کے یہ اندھیرے اب مقدر تھے، جن سے رہائی یا فرار ممکن نہ تھا۔

اب اکثر اسے اتنے سال گزر جانے کے باوجود بھی طیبہ احسان کے آواز کی بازگشت سنائی دیتی تھی۔

کہ قدم رک جاتے اور پیر چلنا بھول جاتے، یا وہ سوتے میں ہڑبڑا کے اٹھ جاتی اور صبح تک سونا نصیب نہ ہوتا، جیسے نیند نے قسم کھالی ہو کہ آئندہ اس کے پاس کبھی نہ آئے گی۔

وہ بازگشت ہر جگہ اس کا تعاقب کرتی اور موقع دیکھ کے حملہ آور وہ جاتی۔

نامیہ عزیز جیسی نک چڑھی حسین اور دولت مند لڑکی کو ایسے شخص سے محبت ہو جائے، جس کی محبت اس کے لئے ناسور ہو، ایسے نیچ شخص سے محبت ہو کہ اس کے بارے میں کسی کو بتاتے بھی شرم محسوس کرے۔

برانڈڈ اشیاء کو ایک بار استعمال میں لا کر کچرے میں پھینک دینے والی۔

☆☆☆

ربط کے اُس پار کہیں

نایاب جیلانی

گیارہویں قسط کا خلاصہ

منگورہ میں ہیام عشیہ کو کسی اجنبی کے ساتھ بے تکلفانہ انداز میں گفتگو کرتے دیکھ کر ٹھنک جاتا ہے، عشیہ کو کسی اجنبی کے ہمراہ دیکھنا، ہیام کے لئے کسی دھچکے سے کم نہیں۔

امام ایک روزہ چھٹی پہ اچانک گھر واپس آجاتا ہے تو پورے گھر میں خوشی کی لہر دوڑ جاتی ہے لیکن ایک چھوٹی سی بات پر شانزے امام سے بدگمان ہو جاتی ہے۔

جہاندار کا نیل بر کے لئے کانشس ہونا اور پری گل کی ہمدردی کرنا سباخانہ کے مزاج پہ گراں گزرتا ہے، اس بات پہ سباخانہ اور جہاندار کی تکرار ہو جاتی ہے۔

بنُو خاندان کے قبرستان میں کھدائی کے دوران اسامہ کو ایک کتبہ ملتا ہے، جس پہ لکھے انتہائی اجنبی نام دیکھ کر رحمت دم بخود رہ جاتی ہے۔

نیل بر اپنے دل کی بدلتی کیفیت پہ حیران اور متعجب ہے، اندرونی تبدیلی سے گھبرا کر وہ غیر ارادتاً سرکاری بنگلے میں امام فریدے شاہ کی تلاش میں جاتی ہے تو پری گل کا باپ خان نیل بر کو بنگلے پہ دیکھ کر دھنگ رہ جاتا ہے۔

اب آپ آگے پڑھیے

بارہویں قسط

''دیکھنا کیسی آندھی آتی ہے، میرے جانے کی دیر ہے۔'' اسامہ کو جیسے پورا یقین تھا۔
''آندھی؟'' ہیام گھبرایا، کبھی طوفان کبھی آندھی؟

''تہس نہس کر دیں گی، مجھے پریشانی ہے۔'' اسامہ نے دو تین گلاس پانی کے چڑھائے تھے، شاید پریشانی کم کرنے کے لئے۔
''کس کو؟'' ہیام نے پھنسی پھنسی آواز میں پوچھا تھا، اسے اپنی جان کے لالے پڑ گئے تھے۔
''نشرہ کو۔'' اسامہ اپنی ہی جھونک میں تھا، روانی سے کہہ گیا۔
''کون نشرہ؟'' ہیام کو پوچھنا نہیں چاہیے تھا، پھر بھی ایسے ہی روانی میں منہ سے پھسل گیا تھا۔
''ہماری نشرہ، میری بہن، جس کی ولید سے منگنی ہوئی ہے۔'' وہ الجھا الجھا سا بول رہا تھا۔
''مجھے تب سے لے کر اب تک ایک ہی فکر ہے، امی اس منگنی کو قائم رہنے نہیں دیں گی۔'' اسامہ کی پریشان سی آواز باہر تک آ رہی تھی، دروازے کے پیچھے کھڑی نشرہ کے ہاتھ سے ٹرے گر گئی۔
گرم چائے کی پیالیاں ایک دوسرے کے ساتھ ٹکرا کر زمین بوس ہو گئی تھیں، یوں کہ ہیام اور اسامہ نہ صرف چونکے بلکہ بے اختیار دروازے کی طرف لپک کر آئے تھے، جہاں پہ نشرہ زمین پہ بیٹھی بری طرح سے رو رہی تھی اس کے دونوں پاؤں شدید جھلس گئے تھے۔

☆☆☆

وہ مایوس سا خالی کوریڈور کو دیکھتا واپس آ گیا تھا۔
اچانک لمحوں اور ساعتوں میں وہ کہاں چلی گئی تھی؟ آخر کہاں؟ اگر امام تھوڑی سی کوشش کرتا تو وہ اسے مل ہی جاتی، اتنی سی دیر میں وہ ہسپتال سے کہاں جا سکتی تھی؟ وہ اسی عمارت میں ہی تھی۔
پھر بھی امام پلٹ آیا تھا، اسے انجان لڑکی کا پیچھا کرنا بہت معیوب لگا تھا، پھر بھی وہ خود کو روک نہیں پایا تھا، وہ لڑکی، اس کے نقش، اس کا چہرہ، اس کی قد و قامت، وہ آنکھیں بند کرتا تو ہو بہو انہی جیسی مکمل ویسی ہی تصویر تصور کے پردے پر لہرا جاتی۔
اللہ! ایسی مشابہت؟ اس قدر مشابہت؟ امام کی آنکھوں کے سامنے سے اس کا چہرہ ہٹ نہیں رہا تھا، اس کے اندر باہر شدید قسم کی بے چینی لہروں کی مانند اٹھ رہی تھی، دل چاہ رہا تھا، کہیں سے اسے دوبارہ ڈھونڈ کر لائے، اس کے نقش کھوجے، اس سے وہ سب پوچھنے کے لئے بے قراری بڑھ رہی تھی جو اس کے اندر کسی طوفان کی طرح بگولوں کی صورت میں اڑ رہی تھی۔
''وہ کون تھی بھلا؟ اس جیسی کیوں تھی؟ کیا وہ وہی تھی، جسے سالوں سے تلاشا جا رہا تھا؟'' اس کی سوچ یہاں سے آگے جاتی نہیں تھی اور اس کی تصویر آنکھوں سے ہٹتی ہی نہیں تھی، دل کی اتنی بے چینی لاحق تھی کہ دل چاہ رہا تھا کہ واپس اسلام آباد چلا جائے۔
وہ انہی سوچوں میں گم تھا جب ایک نرس نے اسے کسی کے آنے کا بتایا تھا، معاً امام چونک گیا تھا، اس سے ملنے یہاں کون آ گیا تھا؟ اس کا یہاں ایسا کوئی جاننے والا تو تھا نہیں۔
کچھ ہی دیر بعد ایک شاندار پرسنالٹی والا خوش شکل نوجوان اندر آیا، اس کے چہرے پہ کھلی کھلی

کی شفاف مسکراہٹ تھی، امام کو بھی سابقہ سوچوں کو جھٹک کر خیر مقدمی مسکراہٹ لبوں تک لانا پڑی تھی۔
''کیسے ہو ڈپٹی سرویئر جنرل؟'' وہ اخلاقاً مسکرا رہا تھا یا اس کی مسکراہٹ خاص امام کے لئے تھی، امام سمجھا نہیں تھا پھر بھی مسکراتا ہوا بولا۔
''آپ کے سامنے ہوں، ویسے آپ کی تعریف؟'' امام کی آنکھوں میں الجھن تیر رہی تھی، جیسے وہ پہچان کا مرحلہ طے کر رہا تھا۔
''میں تعریف کے قابل کہاں، میری کیسی تعریف، خاکسار کو شاہوار بنو کہتے ہیں، سردار کبیر بنو کا نام تو سنا ہوگا؟ میں ان کا بھتیجا ہوں۔'' شاہوار نے خاصی انکساری سے تعارف کی رسم نبھائی تو امام بری طرح سے چونک گیا تھا۔
''صندیر خان کا بھائی؟'' وہ اس کے ٹھٹکنے پہ چونکا تھا۔
''صحیح پہچانا۔'' شاہوار کی مسکراہٹ میں کوئی فرق نہیں آیا تھا، تاہم صندیر کے حوالے کی وجہ سے امام تھوڑا ریزرو ہو گیا تھا، اسے صندیر کی دھمکیاں یاد آ گئی تھیں۔
''تم اب بہتر ہو نا؟'' شاہوار نے خاصی بے تکلفی سے پوچھا تھا تو امام کو بھی اپنے محسن کا احسان یاد آ گیا۔
''بہت بہتر ہوں، تم نے مجھے مرنے سے بچایا، اس لئے ایک شکریہ کا لفظ بول کر تمہارے خلوص کی توہین کرنا نہیں چاہتا۔'' کچھ دیر بعد امام بھی بہت بے تکلفانہ انداز میں شاہوار کا شکریہ ادا کر رہا تھا جس پر شاہوار نے نرمی سے کہا۔
''اب تم شرمندہ مت کرو، میری جگہ کوئی بھی ہوتا تو انسانیت کے تقاضے کو ضرور نبھاتا۔''
''لیکن ہر ایک میں انسانیت نہیں ہوتی۔'' امام کا اشارہ کس طرف تھا؟ شاہوار کچھ چونک گیا پھر ہلکے پھلکے لہجے میں بولا۔
''ابھی انسانوں میں رحم باقی ہے یار۔''
''تبھی تو دنیا کا نظام چل رہا ہے۔'' امام کا جواب برجستہ تھا۔
''تم نے ٹھیک کہا۔'' شاہوار نے اس سے ایگری کر لیا اور یہ امام کے لئے بڑے اچنبھے کی بات تھی، بنو خاندان کا فرد اور کسی سے متفق ہو جائے، اپنے کروفر کو ایک طرف رکھ کے بڑی حیرت کا مقام تھا۔
لیکن امام کو وہ صندیر سے بہت ہی مختلف لگ رہا تھا، کہاں تو صندیر خان کا کروفر اور دبدبہ اور کہاں شاہوار کی عاجزی و انکساری۔
کچھ ہی دیر میں وہ دونوں بے حد بے تکلفی سے بات چیت کر رہے تھے، کچھ دیر بعد امام نے ہسپتال کی مخصوص بو سے تنگ آ کر کہا۔
''مجھے یہاں سے جانے کی اجازت ہے؟ یہ لوگ مجھے جانے نہیں دے رہے، کہتے ہیں جب تک تم نہ کہو، کیا مجھے ادھر قید رہنا پڑے گا۔''
''ارے نہیں تو، تم اللہ کے فضل سے ٹھیک لگ رہے ہو، آؤ میں تمہیں بنگلے تک ڈراپ کرتا

ہوں۔" وہ بولتا ہوا اٹھا تو امام کی جیسے جان میں جان آئی تھی۔
پھر جب وہ دونوں آگے پیچھے گاڑی تک آئے تو ہسپتال کے احاطے سے ایک جیپ باہر نکلتی دکھائی دی تھی، اس جیپ کی پچھلی سیٹ پر وہی چونکا دینے والے نقوش، چہرے اور قدوقامت والی لڑکی تھی، امام جیسے لمحوں میں فریز ہو گیا تھا۔
وہ لڑکی جس نے کچھ دیر پہلے اسے سرتا پا منجمند کر دیا تھا، وہی لڑکی صندیر خان کی جیپ میں سوار تھی، آخر وہ لڑکی کون تھی؟
وہ بر فیلے تاثر کے ساتھ باہر نکلتی جیپ کو دیکھ رہا تھا جب شاہوار کی آواز نے امام کو چونکا دیا۔
"صندیر خان آیا ہے یا حیرت؟ اور حمت بھی اس کے ساتھ ہے، جانے کیا ہوا؟" شاہوار کی آواز سرگوشی سے ذرا بلند تھی، امام پوری جان سے جیسے شاہوار کی طرف متوجہ ہو گیا تھا، شاہوار اب صندیر خان کو کال کر رہا تھا جبکہ امام کے اردگرد صرف ایک آواز چکراتی تھی، کوئل بس ایک نغمہ گنگناتی تھی اور پوری برف سے ڈھکی وادی کے کونے کونے سے ایک ہی آواز آتی تھی۔
"حمت بھی اس کے ساتھ ہے۔"
تو اس دیکھی بھالی جانی پہچانی اور دل سے بہت قریب لگتی، مقناطیس کی کشش سے بھی بھاری ہوتی لڑکی کا نام حمت تھا؟ حمت خان، حمت یعنی حیاء والی؟

☆☆☆

اور اسے اندازہ ہی نہیں تھا اس کے معمولی ایکسیڈنٹ کی اطلاع اسلام آباد بھی پہنچ جائے گی، حالانکہ یہاں یہ اطلاع دینے والا کوئی بھی نہیں تھا، پھر جانے کس نے؟ اور جب اس نے پلوشہ خالہ سے یہی بات کی تو انہوں نے اسے ڈپٹ دیا تھا۔
"فون کے کانٹیکٹ سے بڑا کانٹیکٹ دل کا ہوتا ہے، جو اتنی تیزی سے اطلاع پہنچاتا ہے، ایسی تیزی نہ کسی تار میں ہو نہ موبائل فون میں۔"
"آہ، تو آپ کا دل کوئی اچھی اطلاع نہیں دے سکتا۔" امام نے خاصے چونچال لہجے میں پوچھا۔
"کیسی اچھی اطلاع؟ مثال کے طور پہ؟" وہ بھی اس کی خالہ تھیں، رگ رگ سے واقف، جانتی تھیں، جان بوجھ کر بات سے بات نکال رہا ہے، اصل بات کو ٹال رہا ہے۔
"میری منگنی کی، یا پھر ضلع دیامر میں میری اچانک ہو جانے والی شادی کی۔" وہ شرارت سے بولتا انہیں تنگ کر رہا تھا، پلوشہ کو ڈھیر سارا غصہ آ گیا۔
"اللہ نہ کرے، ایسی منحوس اطلاع مجھے ملے۔"
"میری شادی آپ کے لئے منحوس ہے؟" امام کی چیخ بڑی بے ساختہ تھی، پلوشہ کو تصحیح کرنا پڑی۔
"تمہاری شادی نہیں، دیامر میں شادی، خدا نہ کرے۔"
"آپ کو کیا پتا، دیامر میں کتنا حسن و جمال ہے۔" امام نے پھر سے آہ بھری تو پلوشہ گہرا سانس کھینچتی لمحہ بھر کے لئے گم صم ہو گئی تھیں۔

''بھلا مجھے کیسے دیامر کے حسن و جمال کا نہیں پتا؟'' ان کے اندر جیسے سناٹے سے اتر آئے تھے۔
''پتا ہے خالہ یہاں پہ میں نے کس کو دیکھا ہے۔'' امام بھی پلوشہ کو تفصیل بتانا چاہتا ہی تھا جب کومے نے پلوشہ کے ہاتھ سے اچانک فون چھین کر اپنے کان سے لگا لیا تھا، لیکن اس سے بھی پہلے ہمان نے فون جھپٹ لیا۔
''کوئی ہڈی پسلی بچی بھی ہے یا ساری تڑوا لیں؟'' ہمان کا احوال پوچھنے کا اسٹائل بھی اپنا ہی تھا، امام نے گہرا سانس بھرا اور ناک بھوں چڑھا کر جواب دیا۔
''یہ تم میری احوال پرسی کر رہے ہو؟'' وہ ڈپٹ کر بولا تھا۔
''یا پھر زخموں پر نمک چھڑک رہے ہو۔''
''جو بھی سمجھ لو، اپنا تو یہی اسٹائل ہے۔'' ہمان نے کالر جھاڑ کر بتایا۔
''بڑا آگ لگا دینے والا اسٹائل ہے۔'' امام نے گہرا طنز کیا، لیکن ہمان کو بھلا کیا پروا تھی۔
''چھوڑ و اپنے حال احوال کو، مجھے یہ بتاؤ، کوئی حسینہ، کوئی الہڑ مٹیار نہیں پھنسی؟'' اب کہ آواز اور لہجہ خاصا مدہم تھا، وہ کومے کی پہنچ سے تھوڑا دور ہو کر بڑی راز داری سے پوچھ رہا تھا۔
حسینہ اور الہڑ مٹیار سے اسے اچانک نیل بر کبیر بٹو کا خیال آیا تھا، لیکن یہ ایک خیال ہی تھا، ایک پرچھائی نما خیال، جو آیا اور گزر گیا، جس نے کوئی اثر نہیں چھوڑا تھا، حالانکہ نیل بر کبیر بٹو کی شخصیت ایسی تھی جو سالوں بھلائی نہ جاتی، وہ کوئی ساحرہ تھی، ایک جادوگرنی، لیکن اس کا سحر امام پہ نہیں چل سکا تھا، وہ اس کے سحر سے بچ بچا کر نکل آیا تھا۔
لیکن وہ اس ضلع دیامر میں ایک دلچسپ کردار ضرور تھا، اپنے ماحول سے قطعاً الگ، مختلف، منفرد اور الہڑ مٹیار سے اسے کھوئی کھوئی سی اس اجنبی لڑکی کا خیال آیا تھا، جس کے نقوش بہت جانے پہچانے تھے اور جس کے وجود سے لپٹ کر آنے والی نرم ہوا میں بھی اپنائیت کی مہک آتی تھی۔
وہ لڑکی کون تھی، انتہائی خوبصورت نام والی، انتہائی حیاء والی، دل کو مقناطیس کی طرح اپنے پہلو میں کھینچ لینے والی، امام کھڑے کھڑے جیسے بے خود سا ہو گیا تھا، یہاں تک کہ ہمان کو غرا کر اسے اپنی طرف متوجہ کرنا پڑا تھا۔
''میں نے تو ایک بات کی تھی، تو اپنی ساری شرافت کو آگ میں جھونک کر حسیناؤں کے تصور میں کھو گیا ہے۔'' ہمان کے ڈپٹنے پہ امام بری طرح گڑبڑا گیا تھا۔
''کمینے! مجھے تیری آواز نہیں آ رہی تھی۔'' امام نے بمشکل سنبھل کر جواب دیا تھا۔
''اور یہ اپر پنجاب نہیں ہے، یہاں یہ مٹیاریں نہیں گھومتیں، سنا تم نے۔''
''خانزادیاں تو گھومتی ہیں نا۔'' وہ بھی ہمان تھا، انتہا کا کمینہ۔
''اچھا؟ مجھے تو نہیں پتا۔'' امام صاف مکر گیا۔
''یہ بتا، جیسے میں تو جانتا ہی نہیں۔'' ہمان بھی اس سے کچھ اگلوا لینے کے چکر میں تھا۔
''کمینہ، تو مجھے ایسا سمجھتا ہے، بالکل اپنے جیسا۔'' امام نے گھرک کر کہا۔
''میری بات نہ کر، میرے جیسا شریف تجھے چراغ لے کر ڈھونڈنے سے بھی نہ ملے۔'' ہمان

اترانے لگا۔
''یہ چراغ کا زمانہ نہیں میری جان! سرچ لائٹ کا دور ہے، تو ابھی تک چراغوں میں گھوم رہا ہے۔'' امام نے اسے کھری کھری سنائیں۔
''مجھ پہ اپنی علمیت نہ جھاڑ، وہ بات بتا، جو بتانے کے لئے اتاؤلا ہو رہا ہے۔'' ہمان اسے گھما کر موضوع کی طرف لایا تو امام گم صم سا ہو گیا، یعنی ہمان کو کیسے پتا چلا؟
''کون سی بات؟'' وہ ہکا بکا رہ گیا۔
''وہ ہی جس نے تجھے سونے نہیں دیا۔'' ہمان اسے حیران در حیران کر رہا تھا۔
''لیکن تجھے کیسے پتا چلا، میں رات بھر سویا نہیں۔'' امام کو ایسا شاک لگا تھا کہ بالکل یقین نہیں آرہا تھا۔
''پیر پہ پٹی باندھ کے رات بھر لان میں کون ٹہلیں کرتا رہا ہے؟ امام فریدے نا، تو پھر اب جلدی سے پھوٹ۔'' ہمان کی سنجیدہ سی آواز نے امام کو تپا ڈالا تھا۔
''پہلے بتا، میرے بارے میں اتنی جامع رپورٹ کہاں سے لے رہا ہے؟'' امام جیسے منجمد سا ہو رہا تھا، آخر ہمان کو کس نے بتایا۔
''میرے موکل مجھے اطلاع دیتے ہیں۔'' ہمان کی اتراہٹ کے کیا ہی کہنے تھے۔
''اچھا، تو تمہارے موکل میرے بارے میں اور کیا کہتے ہیں؟''
''یہی کہ تو لائن سے اتر رہا ہے۔'' ہمان بھی بس اندھیرے میں تیر چھوڑ رہا تھا، جو عین نشانے پہ لگ رہے تھے، امام چونکا۔
''مطلب؟''
''تو آج کل کسی کو سوچ رہا ہے۔'' ہمان نے پھر سے اندھیرے میں تیر چھوڑا، جو واقعی نشانے پہ جا لگا، امام پچھلے کئی دن سے سوچ رہا تھا، واقعی ہی سوچ رہا تھا، حمت کو ہی سوچ رہا تھا، اس کے چہرے کو، اس کے انداز کو، حمت کے بھاگ کر چھپنے کو، ایک ایک بات کو، اس کا جانا پہچانا چہرہ واقعی اس کے تصور کی سلیٹ سے ہٹ نہیں رہا تھا، حمت کا چہرہ ایسے دماغ کی اسکرین سے چپک رہا تھا کہ اسے نیل بر کا حسن و جمال بھول ہی گیا، اس کا ساحرانہ انداز بھول ہی گیا، گو کہ نیل بر کے مقابلے میں حمت کچھ بھی نہیں تھی، پھر بھی وہ نیل بر کی بجائے حمت کو سوچ رہا تھا، کیونکہ حمت میں کچھ ایسا تھا، کچھ چونکا دینے والا تھا، آخر کیا آخر کیا؟ وہ اتنے دنوں سے اسی کشمکش میں مبتلا تھا۔
اور اس کا دل چاہ رہا تھا ایک مرتبہ حمت سے دوبارہ آمنا سامنا ہو، وہ ساری نزاکت بھلا کر حمت سے صرف ایک بات پوچھنا چاہتا تھا۔
''اس کے نقوش امام فریدے کی بہن کومے سے کیوں ملتے ہیں؟''

☆☆☆

اور نشرہ کو اندازہ ہی نہیں ہو سکا، اس کے پیروں کی جلن ختم گئی تھی، اس کا درد ہلکا ہو گیا اور اسے پورا دن دوبارہ جلن نہیں ہوئی، وہ بار بار مرہم لگی جلد کو دیکھتی اور حیران ہوتی تھی۔
زندگی میں پہلی مرتبہ کسی نے اتنے مہربان انداز میں زخموں پہ مرہم لگایا تھا کہ ایسا لگ رہا تھا

بھی کوئی تکلیف چھو کے نہیں گزری تھی اور پیروں پہ کوئی چھالا نہیں بنا تھا۔
اس نے اتنی ملائمت سے مرہم لگائی، بینڈ ایج کی اور اتنے نرم انداز میں تسلی دی کہ نشرہ کے بہتے آنسو آنکھوں میں ہی منجمد ہو کر سوکھ گئے تھے، وہ ٹکر ٹکر اس کی صورت دیکھتی رہ گئی۔
اتنا پیارا اور دلنشین چہرہ، گورا بے انتہا گورا، خوبصورت رنگ بدلتی آنکھیں، لبوں کی مسکراہٹ اور تسلی دینے والے انداز، ورنہ اسامہ تو اتنا بوکھلا رہا تھا، ابھرتے آبلوں کو دیکھ کر اس نے پورا گھر سر پہ اٹھا لیا تھا۔
''میرا قصور ہے سارا، میں نہ چائے بنواتا تم سے، نہ کچن میں بھیجتا، تم تو پہلے ہی ولید کے جانے کی وجہ سے دکھی تھی، میں بھی ان سنگ دلوں میں مل کر بے حس ہو گیا، تمہارے بھرے دل کا سوچا ہی نا، مجھے معاف کر دو نشرہ۔'' اسامہ کی پکار اور تقریر پر گردن موڑ کے ہیام کو دیکھنا ہی پڑا تھا۔
''اتنا ڈینجرس برن نہیں ہے، جتنا تم شور مچا رہے ہو، معمولی زخم ہے، ویسے محترمہ، لوگوں کے منگیتر تلاش معاش کے لئے بیرون ملک جاتے ہی ہیں، ایسی بھی کیا بے خیالی کہ غم میں خود کو جلا لیا۔'' ہیام کو کہنا ہی پڑا، آخر وہ ہیام تھا، سب سے الگ، پہلی ملاقات میں ہی اسامہ کی طرح آنکھوں میں جوتوں سمیت گھسنے والا، اسامہ کی طرح ہی بے تکلف، منہ پھٹ، بدلحاظ۔
اتنی بڑی بات پہلی ملاقات میں ہی منہ پہ دے ماری تھی، نشرہ تو ساری تکلیف بھلا کر ہکا بکا رہ گئی، گو کہ ہیام کا لہجہ انداز اب بھی بہت ملائم نرم اور اپنائیت بھرا تھا، لیکن الفاظ؟ نشرہ نے چاہا کہ اسے شرربار نگاہوں سے گھور کر دیکھے اور اسے کہے۔
''تمیز کے جامے میں رہو، اس گھر کے کرائے دار ہو۔'' مگر کچھ کہہ نہیں سکی تھی، اس کی آنکھوں میں کوٹ کوٹ کر شرارت بھری ہوئی تھی اور چہرے پہ اتنی اپنائیت تھی کہ نشرہ کا دل ٹھہر سا گیا، اس نے اپنی آنکھوں کو فوراً جھکا لیا اور پھر شرمندہ سی اٹھ کر ٹوٹے برتن اٹھانے لگی۔
ابھی نیچے جا کر تائی کی پیشی بھگتنی تھی، آخر نئے نکور دو کپ شہید ہوئے تھے، نشرہ کی جان چھوٹنے والی نہیں تھی، جیسے ہی وہ نیچے آئی تائی تخت سے کروٹ کے بل تھوڑا اونچا ہو کر چلائیں۔
''نامراد کیا توڑ کر لائی ہو؟''
''اپنا دل۔'' اس کا دل چاہا، چیخ کر جواب دے لیکن صبر سے خاموش رہی۔
''ارے بتاتی کیوں نہیں، نئے نکور سیٹ کو تباہ کر لائی ہو، آخر اس نواب صاحب کو نئے کپوں میں چائے ڈال کر دینے کی کیا ضرورت تھی، نواب کے نواب دوست آئے تھے کیا؟'' تائی کو ٹوٹے کپ دیکھ کر آگ لگ گئی تھی، وہ حلق کے بل چلائی تھیں۔
''نواب صاحب کے دوست نہیں آئے، نئے کرائے دار تشریف لائے ہیں۔'' نشرہ نے ٹوٹے کپ ڈسٹ بن میں ڈال کر جواب دیا تو تائی کا پارہ چڑھ گیا۔
''میں مر جاؤں، تم نے اس کرائے دار کے لئے تو نے نئے سیٹ کا کباڑہ کیا ہے، وہ کہیں کا صدر تھا یا وزیراعظم؟ تیرا دماغ خراب ہے نشرہ سویرے سویرے میرا بلڈ پریشر ہائی کر دیا۔'' تائی سینے پہ ہاتھ مار کر چیخی تھیں۔
''فکر نہ کریں تائی، ڈاکٹر بھی مفت کا ملا ہے، اس کے پاس اتنا بڑا باکس ہے، میڈیکل باکس،

دنیا جہاں کی دوائیوں کے آئٹمز سے بھرا، ابھی آپ کو بلڈ پریشر کی گولی ملے گی فوراً، ذرا اسامہ بھائی کی خدمات حاصل کریں، آتے ہی نئے کرائے دار سے پکا بہناپہ جوڑ لیا ہے، میرا مطلب ہے پکا والا دوستانہ۔'' نشرہ نے اپنے جلے پیروں کو دیکھتے ہوئے اطلاع دی تھی، تائی کا نزلہ اب اسامہ پہ گرنے لگا۔

''اس ذلیل نے میرے پہلے کرائے دار بھی بھگائے تھے۔'' تائی کے اتنے بڑے الزام پر اسامہ تڑپتا ہوا نیچے اتر آیا تھا۔

''ذرا میرے منہ پہ کہیں نا، کس نے بھگائے تھے؟ آپ کے لائق فائق نومی صاحب نے، کرائے داروں کی لڑکی پہ ڈورے ڈال کر، سنا آپ نے۔'' اسامہ کی ترنت جواب پہ تائی جز بز سی ہوگئی تھیں، لیکن ہار ماننے کا تو سوال ہی نہیں تھا۔

''میرے بچے پہ الزام مت رکھو۔''

''تو کس نے کرائے داروں کی لڑکی سے فلرٹ کرنے کی کوشش میں سب سے جوتے کھائے تھے؟ یاد کریں یا کروا دوں؟'' اسامہ بھی کیل کانٹوں سے لیس میدان جنگ میں اتر آیا تھا، تائی کا منہ بند ہو گیا۔

''میرے منہ نہ لگو، کمینے نہ ہو تو شرم نہیں آتی۔''

''آتی ہے، بہت آتی ہے، میرے جیسا شرمیلا مشرقی لڑکا ڈھونڈ کر دکھائیں تو مانوں۔'' اسامہ نے ٹھونک بجا کر کہا تھا، اوپر کمرے میں اپنا سامان الماریوں میں سیٹ کرتا ہیام مسلسل مسکرا رہا تھا۔

''اب لگ رہا ہے انسانوں کے درمیان ہوں، اس بھوت بنگلے سے جان چھوٹی، ایسے لگتا تھا چڑیلیں اور روحیں مجھے چپکے چپکے سے دیکھ رہی ہیں۔''

اس نے الماریوں میں اپنا سامان سیٹ کر کے ایک طویل اطمینان بخش سانس فضا کے سپرد کی تھی، اتنے عرصے کی طویل خواری کے بعد ایسی من پسند رہائش میسر آئی تھی، اس کے روم روم میں اطمینان کروٹیں لے رہا تھا، یہی وجہ تھی کہ نیچے سے آتی گولہ باری نما آوازیں بھی گراں نہیں گزر رہی تھیں۔

حالانکہ اس وقت خاتون خانہ صاف صاف ہیام کے بخیے ادھیڑ رہی تھیں، اس نے سر تکیے پہ گرا کر نیچے کی آوازوں پہ کان لگائے۔

''آج تو پہلا دن تھا، معاف کیا، آئندہ کے لئے کرائے دار کو سمجھا دو، اپنے کھانے کا بندوبست خود کریں، یا پھر الگ سے کھانے کا خرچہ ہر مہینے کے مہینے دیا کرے، یہاں پہ لنگر تھوڑی کھلا ہے۔''

''معاف کیجئے گا والدہ حضور! کرائے دار کو آپ نے اپائنٹ کیا ہے میں نے نہیں، یہ فرمان آپ بذات خود اس تک پہنچا دیں۔'' اسامہ نے صاف جھنڈی دکھائی تو تائی کا منہ بن گیا تھا۔

''نام کیا ہے بھلا اس کا۔'' انہوں نے بات بدلتے ہوئے پوچھا تو اسامہ نے اسی انداز میں جواب دیا۔

''ڈاکٹر ہیام۔''
''کیا ڈنگر ڈاکٹر ہے؟'' تائی نے بے تکے پن سے پوچھا تھا، اسامہ کو لامحالہ لاحول پڑھنی پڑی۔
''انسانوں کا ڈاکٹر ہے۔''
''اچھا۔'' تائی قدرے ڈھیلی پڑی تھیں، شاید اپنے مطلب کا بندہ جان کر، اب روز روز دوائیوں کے لئے ہسپتال میں جانا نہیں پڑے گا، وہ اسی انداز میں سوچ رہی تھیں۔
''اللہ خیر کرے، اس بے چارے کی شامت نہ آئے، امی تو اپنے پورے خاندان کا اس بے چارے سے علاج کروائیں گی۔'' اسامہ کی سرگوشی نما آواز نشرہ کے کانوں تک بھی پہنچ گئی تھی، اس نے بمشکل ہی اپنی مسکراہٹ کو چھپایا تھا۔
''تم نے کچھ کہا؟'' تائی نے چمک کر اسامہ سے پوچھا۔
''نہ جی، میری مجال ہے کیا۔'' اسامہ فوراً مکر گیا، نشرہ کی ہنسی چھوٹ گئی تھی، تائی نے اسے گھور کر دیکھا۔
''ہونہہ، جب سے منگنی ہوئی ہے بڑے دانت نکل رہے ہیں۔'' وہ اندر تک سلگ رہی تھیں۔

☆☆☆

آج بڑا ہی مبارک دن طلوع ہوا تھا۔
نیل بر نے صبح اٹھتے ہی سرکاری بنگلے میں فون گھما ڈالا، کسی ورکر نے کال ریسیو کی تھی، نیل بر نے امام فریدے کے بارے میں پوچھا تھا تو اسے اطلاع دی گئی تھی کہ امام واپس آ چکا ہے اور ساتھ اسے امام کے ایکسیڈنٹ کا بھی پتا چلا تھا۔
وہ تب سے لے کر اب تک بے قرار تھی، جائے تو کیسے جائے، اسے امام سے ملنا تھا، اس کی احوال پرسی کرنا تھی، اسے دیکھنا تھا۔
گو کہ گھر سے نکلنے میں کوئی قباحت نہیں تھی، اسے ہر طرح کی آزادی تھی، لیکن وہ پھر بھی نہیں چاہتی تھی کہ جہاندار کو بھنک بھی پڑے کہ نیل بر دوبارہ سرکاری بنگلے پہ گئی ہے۔
ڈرائیور کو ساتھ لے کر جانا سوائے رسک کے کچھ نہیں تھا، وہ کسی اور کو بتاتا یا نہ بتاتا جہاندار کو ضرور بتا دیتا۔
پھر اسے کیا کرنا چاہیے تھا؟ کیا وہ اکیلے جاتی؟ نہیں ہرگز نہیں، نیل بر نے اس آپشن کو خود ہی ریجیکٹ کر دیا تھا، پھر اچانک اسے خیال آیا۔
وہ ایک دم اٹھی اور تیزی سے سیڑھیاں اترتی، راہداریوں سے گزرتی، گھومتی اسٹڈی روم میں آ گئی تھی، اس کی توقع کے عین مطابق وہ اسٹڈی روم میں ہی تھی۔
''حمت؟'' نیل بر کی پکار پر کسی کتاب میں گم حمت لمحہ بھر کے لئے چونک گئی۔
''کیا مصروف ہو؟'' نیل بر کے انداز میں عجلت تھی۔
''کچھ خاص نہیں۔'' حمت نے مسکرا کر جواب دیا، نیل بر کو دیکھ کر اس نے کتاب بند کر دی تھی۔

''تو پھر میرے ساتھ چلو گی۔'' نیل بر نے لمحہ بھر کے لئے سوچا اور کہا۔
''کہاں جانا ہے؟'' حمت نے سر ہلا کر غیر ارادتا پوچھا، اس کے خیال میں تھا، نیل بر شاپنگ کے لئے جانا چاہتی ہے، کیونکہ اکثر وہ شاپنگ کے لئے جاتے ہوئے حمت کو ساتھ لے جاتی تھی۔
''کسی سے ملنا ہے؟'' نیل بر نے سرسری انداز اپنایا۔
''کس سے ملنا ہے؟'' حمت نے اتنا اہم سوال نہیں پوچھا تھا، بلکہ نیل بر کے حکم پر جانے کے لئے تیار ہو گئی تھی۔

نیل بر کی بات حمت کے لئے ''حکم'' کا درجہ رکھتی تھی۔
یہ کہیں بھی نہیں لکھا تھا کہ نیل بر، حمت سے کچھ کہے اور حمت انکار کر دے، اب بھی نیل بر کی خواہش پر لمحہ بھر کے لئے غور و فکر کرنے کے بعد حمت مان گئی تھی۔
لیکن جیسے ہی وہ ڈرائیو وے تک گئیں اچانک باغیچے سے بی جاناں نمودار ہو گئی تھیں اور یہ کوئی نیک شگون نہیں تھا، حمت دل ہی دل میں ''استغفار'' پڑھنے لگی، کیونکہ بی جاناں کے شر سے اس کا محفوظ رہنا ممکن ہی نہیں تھا۔
نیل بر بی جاناں کو دیکھ کر رک گئی تھی، یوں حمت کو بھی رکنا پڑا، تب تک بی جاناں قریب آ چکی تھیں۔
''کہاں کی تیاری ہے؟'' ان کا لہجہ روکھا سا تھا، نہ صرف حمت کے لئے بلکہ نیل بر کے لئے بھی ان کا لہجہ کرخت ہی رہتا تھا، یہ اور بات تھی کہ نیل بر پہ اپنی کرختگی کو اتنا ظاہر نہیں کر سکتی تھیں۔
''صدر تک جانا ہے۔'' وہ بھی نیل بر تھی، کمال بے نیازی سے بولی۔
''روزانہ صدر تک جانا ضروری ہے کیا؟'' ان کا لہجہ چبھتا ہوا تھا اور آنکھیں گول گول گھومتی ہوئی بار بار حمت کی طرف اٹھ رہی تھیں، حمت کو نگاہ چراتے ہی بنی، بی جاناں کی تیز نظر برداشت کرنا ممکن کہاں تھا۔
''کام ہے کچھ۔'' نیل بر نے نخوت سے کہا، جیسے یہ سوالنامہ اسے گراں گزر رہا تھا۔
''تو جہاندار سے کہتی۔'' وہ بھی عادت سے مجبور تھیں، مشورہ دینے سے باز نہ آئیں۔
''جو کام میں خود کر سکتی ہوں، اس کے لئے جہاندار کی مدد کیوں لوں؟'' نیل بر زچ سی ہو گئی۔
''تو جہاندار کس لئے ہے؟'' وہ بھی بحث کے موڈ میں نظر آئیں۔
''کم از کم میرے حواسوں پہ سوار ہونے کے لئے نہیں ہے۔'' نیل بر نے بل کھا کر کہا تو بائیں طرف کے باغیچے سے باہر آتا جہاندار لمحہ بھر کے لئے ٹھٹک کر رک گیا، نیل بر کے الفاظ نے اسے پوری طرح سے اپنی طرف متوجہ کر لیا تھا، پہلے اس نے نیل بر کی بات پہ غور کیا تھا پھر اچانک اس کے لبوں پہ معنی خیز قسم کی مسکراہٹ نمودار ہوئی تھی، جب تک وہ اس فقرے سے لطف اندوز ہوتا ڈرائیو وے تک آتا تب تک بی جاناں جلتی بھنتی اندر کی طرف بڑھ گئی تھیں، جہاندار گلا کھنکھارتا ان کے قریب آ گیا۔
''اچھا تو...... جہاندار آپ کے حواسوں پہ سوار ہونے کے لئے نہیں ہے تو پھر کس لئے ہے؟''

وہ بڑی معنی خیزی سے مسکراتے ہوئے پوچھ رہا تھا اور اس کے چہرے پہ مسکراہٹ خاصی بھلی لگ
"سارے کام میرے تمہارے متعلق ہیں، تم نہ ہو تو کوئی کام بھی نہیں ہوتا۔" وہ بے نیازی سے کہہ رہا تھا، نیل بر، حمت کے سامنے بل کھا کر رہ گئی تھی اور حمت نے بے ساختہ سر جھکا کر اپنی مسکراہٹ پہ قابو پایا تھا، آہ...... کوئی تو تھا جو نیل بر کی بولتی بند کروا دیتا تھا۔
"جہاندار...... تم۔" نیل بر کچھ بولتے بولتے لمحہ بھر کے لئے رک گئی تھی۔
"یہی کہ میں بہت اچھا ہوں، جو اپنا کام ایمانداری سے نباہتا ہوں، تمہاری فل ٹائم چوکیداری کرتا ہوں۔" جہاندار نے خاصی ادا سے کہا تھا، یعنی آج وہ خوب موڈ میں لگ رہا تھا، نیل بر لمحہ بھر کے لئے لب بھینچ کر رہ گئی۔
"تمہیں اپنے بارے میں خاصی خوش فہمیاں ہیں۔" وہ چاہ کر بھی اسے اس کی اوقات یاد نہیں دلا سکی تھی، کیونکہ وہ جہاندار تھا، بنو محل کا کوئی عام معمولی ملازم نہیں، اس کے باپ کا معتمد خاص تھا، نیل بر کو ہمیشہ جہاندار سے بات کرتے ہوئے محتاط ہو جانا پڑتا تھا۔
"خوش فہم نہیں، میں خود آگاہ ہوں، اپنے بارے میں بہت بہتر جانتا ہوں کہ میں کیا چیز ہوں۔" جہاندار نے چیز پہ بہت زور دیا تھا، گاہے بگاہے وہ حمت پہ بھی نگاہ ڈال لیتا تھا، جو لاتعلق سی کھڑی تھی، حمت کو دیکھتے ہوئے جہاندار کی آنکھوں کے رنگ بدل جاتے تھے اور شاید کسی نے بھی محسوس نہیں کیا تھا کیونکہ جہاندار حتی المقدور حمت کی طرف دیکھنے سے گریز برتتا تھا، وہ تو حمت کو مخاطب بھی بہت کم کرتا تھا، اس کے سامنے بھی کم کم آتا تھا، شاید اسی لئے جہاندار کی آنکھوں میں اتری نرمیاں کوئی دیکھ نہیں پاتا تھا۔
"اچھا تو بتا دو تم کیا چیز ہو؟" نیل بر جانے کیوں بحث کے موڈ میں نظر آئی تھی۔
"کبھی فرصت میں بتاؤں گا، اینی وے تم لوگ کہاں جا رہی ہو؟" وہ اچانک اپنے پرانے موڈ میں چلا گیا محتاط، لاتعلق اور روڈ سا ہو گیا، اس کے اچانک بات بدلنے پر نیل بر گڑبڑا سی گئی تھی۔
"کچھ شاپنگ کرنا تھی۔"
"حمت نے بھی؟" جانے وہ کیوں چونکا تھا۔
"ہاں۔" نیل بر نے جلدی سے جواب دیا تھا، مبادا وہ حمت کے باہر نکلنے پر کوئی بیان نہ جاری کر دے۔
"اچھا۔" اس کا اچھا بہت معنی خیز تھا۔
"ایسی مہربانی کیوں؟" اس کا انداز ایسا تھا جیسے کہہ رہا ہو "حمت پہ ایسی مہربانی کیوں؟" نیل بر کو اس کے لاجواب کر دینے والے انداز ایک آنکھ نہیں بھاتے تھے۔
"اس بات کا کیا مطلب ہوا؟" نیل بر نے تنک کر پوچھا۔
"وہی مطلب ہوا، جو میں سمجھ رہا ہوں، جو اتنے سالوں سے دیکھ رہا ہوں، اس مہربانی کی کوئی نہ کوئی وجہ تو ضرور ہو گی۔" وہ بال کی کھال اتارنے پہ تلا ہوا تھا، نیل بر کا پارہ اوپر کی طرف چڑھنے لگا، بلڈ پریشر ہائی ہونے لگا۔

''تم بہت شکی ہو، کم از کم حمت کے لئے اس گھر میں مجھ سے زیادہ کوئی مخلص نہیں ہوگا۔''
''یہ بات میں جانتا ہوں، آگے بولو۔'' وہ بھی سنجیدہ ہوا۔
''پھر جب بھی حمت کو میں کہیں لے کر جاتی ہوں، تم بیچ میں کیوں آ ٹپکتے ہو۔'' وہ غصے سے چیخی تھی، بات بڑھتی دیکھ کر حمت گھبرانے لگی تھی، وہ دونوں اس کی وجہ سے ایک لاحاصل بحث میں مبتلا ہو چکے تھے، وہ ان دونوں کو روک نہیں سکتی تھی۔
''کیونکہ میں نہیں چاہتا حمت تمہارے ساتھ جائے۔'' اس کے اگلے الفاظ نے نیل بر کو بھونچکا کر دیا تھا اور ٹھٹک تو حمت بھی گئی تھی، وہ ٹکر ٹکر ان دونوں کی صورت دیکھتی رہی۔
''کیوں نہ جائے؟'' نیل بر نے تڑخ کر پوچھا۔
''اس لئے کہ بی جاناں کو پسند نہیں۔'' اس نے اتنے سکون سے بات کو بدل دیا تھا کہ نیل بر کے ساتھ ساتھ حمت بھی حیران رہ گئی، صاف لگ رہا تھا، وہ نیل بر کو ٹال گیا ہے اور ساتھ نیل بر کا موڈ بھی آف کر گیا تھا۔
''جہاندار! تم نا...... میرے ہاتھ سے نہیں بچو گے۔'' نیل بر نے بل کھا کر دھمکی دی تھی اور حمت کا بازو دبوچ کر جیپ میں گھسی اور فراٹے سے اسٹیئرنگ گھماتی جہاندار کے قریب سے نکل گئی، جہاندار پرسوچ نگاہوں سے ڈرائیوے پر کھڑا جیپ کو اپنی نگاہوں سے اوجھل ہوتا دیکھتا رہا۔
''تمہارے ہاتھ سے بچا ہی کہاں ہوں؟ اور تمہارے شر سے اوف۔'' اس نے سر کو جھٹکا دیا اور ایک معنی خیز تبسم کے ساتھ آگے بڑھ گیا، اس کی آنکھوں میں ایک عجیب سی چمک تھی، جبکہ دوسری طرف جیپ دوڑاتی نیل بر کا پارہ نیچے آنے سے قاصر تھا، وہ ابھی تک تپ رہی تھی۔
''یہ سمجھتا کیا ہے خود کو، ایک دفعہ بابا سے شکایت کروں تو اسے اٹھا کر باہر پھینک دیں، بابا نے اس کو سر چڑھا رکھا ہے۔'' وہ اپنا غصہ جیپ کی اسپیڈ بڑھا کر نکال رہی تھی اور حمت خوف کے مارے چیخنے تک سے بھی قاصر تھی۔
''اور دیکھنا میں ایسا کر کے رہوں گی۔'' اس کے ارادے خاصے خطرناک تھے، حمت نے ڈرتے ڈرتے بمشکل لب کشائی کرنے کی کوشش کی تھی۔
''بابا اس کے بغیر سانس تک نہیں لیتے، وہ ان کا دست راست ہے۔'' حمت نے جہاندار کی اہمیت اسے بتانی چاہی۔
''اس رائٹ ہینڈ کو اکھاڑ نہ پھینکا تو نیل بر نام نہیں، میری زندگی پہ مسلط ہونا چاہتا ہے، کھاؤ پیو، سوؤ جاگو، باہر نکلو، اس کے پاس رجسٹر میں لکھو کر، اس کی مرضی سے، ہونہہ جیسے میری اپنی کوئی زندگی ہی نہیں۔'' اس کا غصہ ابل ابل کر باہر آ رہا تھا۔
''وہ خود سے تو کچھ نہیں کرتا، اسے تو بابا......'' حمت بولتے بولتے اس کی گھوری پہ ایک دم چپ کر گئی تھی۔
''تم اس کی اتنی حمایت کیوں کر رہی ہو؟''
''نن...... نہیں تو۔'' وہ ہکلائی۔
''اس کا کوئی پکا بندوبست کرنا پڑے گا۔'' نیل بر نے جیسے اپنا فیصلہ سنایا تھا، حمت سوچ میں گم

ہو گئی۔
''اب یہ کیا کرے گی؟ بے چارے جہاندار کو نکلوا دے گی، لیکن بابا ایسا نہیں کریں گے، جہاندار کے بغیر تو ان کا کوئی کام نہیں ہوتا۔'' حمت کو جیسے تسلی سی تھی، گو کہ جہاندار بھی اس سے زیادہ مخاطب نہیں ہوتا تھا، اس کا حال احوال بھی نہیں پوچھتا تھا، لیکن جانے کیوں حمت کو اس کی موجودگی سے ایک تحفظ کا احساس ہوتا تھا، ایک ڈھارس دل کو حصار میں لئے رکھتی تھی، وہ تو نیل بر کا محافظ تھا، لیکن حمت کو یوں لگتا تھا، وہ صرف نیل بر کا ہی نہیں اس کا بھی پہرہ دار تھا۔
وہ اس سے بولتا نہیں تھا، دیکھتا نہیں تھا، پھر بھی اس کو لگتا تھا جیسے نیل بر کے ساتھ ساتھ اس کی بھی حفاظت پہ وہ مامور ہے، اس کا بھی پہرہ دار ہے، نگہبان ہے، محافظ ہے اور اس وقت وہ دونوں مسلسل جہاندار کو سوچ رہی تھیں، ایک اچھے انداز میں ایک برے انداز میں، ان دونوں کی سوچوں کے تسلسل کو ایک دم بریک لگی تھی۔
جب جیپ ایک انجان بنگلے کے سامنے آ رکی، حمت کی آنکھوں میں تحیر اور نیل بر کی آنکھوں میں ہلکی سی سراسیمگی کی لہر تھی، جیسے وہ آ تو گئی تھی مگر اب تذبذب کا شکار تھی اور تذبذب اس مقام کا نام تھا جس میں نہ تو انسان آگے بڑھ سکتا تھا اور نہ پیچھے ہٹ سکتا تھا۔
نیل بر کا ازلی اعتماد ڈانواں ڈول ہوتا نظر آیا، وہ جیپ سے اتر کر بنگلے کے گیٹ کی طرف بڑھ تو گئی تھی لیکن اس کی چال متوازن نہیں تھی، یوں لگتا تھا وہ حمت کی طرح گھبراہٹ کا شکار ہے، کچھ ہی دیر بعد بنگلے سے ادھیڑ عمر پٹھان ملازم باہر آیا تو حمت پوری جان سے اس کی طرف متوجہ ہو گئی تھی۔
یہ تو پری گل کا باپ تھا، سرکاری بنگلے کا سرکاری ملازم، تو کیا یہ اس سروئیر آفیسر کا بنگلہ تھا جس آفیسر کے بارے میں اکثر ہال کمرے میں صندیر خان بابا سے بڑے الفاظ میں گفتگو کرتا تھا؟ حمت جیسے بھونچکی رہ گئی تھی، بھلا نیل بر کا یہاں کیا کام تھا؟ یہ یہاں کیوں آئی تھی؟ اس کی یہاں آمد کس لئے؟ حمت کا دماغ جیسے سن سا ہو گیا، نیل بر کا بنگلے میں آنا کس سلسلے کی کڑی تھا؟ وہ سوچتی جا رہی تھی اور نیل بر کو خان سے باتیں کرتے دیکھتی جا رہی تھی۔
پھر جیسے اس کے ذہن میں کلک سا ہوا، کیا خبر پری گل کے لئے یہاں آئی ہو؟ اس کے باپ سے کوئی بات کرنے، لیکن یہ خیال بوگس تھا، جسے اس نے خود ہی ریجیکٹ کر دیا تھا، کچھ دیر کے مذاکرات طویل ہونے لگے تھے معاً گیٹ کی سلاخوں سے کوئی تیز قدموں سے آتا دکھائی دیا تھا، حمت کا رواں رواں جیسے چونک اٹھا، آنے والا چہرہ دیکھا بھالا اور قدرے شناسا نظر آیا تھا۔
ابھی چند دن پہلے تو اسے دیکھا تھا، سرکاری ہسپتال میں اور اس کی نگاہوں میں کوندے جیسی عجیب لپک کو پا کر حمت کیسے کوریڈور میں بھاگتی ہوئی ایک کمرے میں روپوش ہو گئی تھی۔
تو کیا یہ وہی تھا؟ وہی؟ جس کا نام اکثر صندیر خان کی زبان پہ رہتا تھا۔
''امام فریدے شاہ؟'' وہ زیر لب بڑبڑائی تھی اور پھر دل ہی دل میں نیل بر کے جلدی واپس پلٹنے کی دعا کرنے لگی، اسے قدرے فاصلے سے ہی اندازہ ہو رہا تھا کہ امام اور نیل بر کے درمیانی گفتگو خوشگوار انداز میں نہیں ہو رہی، امام برہم تاثرات سے بول رہا تھا اور سدا کی نخرے باز نیل بر

بہت بجھی بجھی سی وضاحتیں دے رہی تھی۔
یوں لگ رہا تھا امام کو نیل بر کا آنا ناگوار گزرا ہے اور شاید بہت ہی ناگوار گزرا ہے، تبھی وہ اونچی آواز میں برہمی سے بات کر رہا تھا۔
''اور آئندہ یہاں آنے کی تکلیف مت کیجئے گا، مجھے یہاں رہنا بھی ہے اور اپنی نوکری بھی کرنی ہے اور اس کے ساتھ ساتھ مجھے اپنی زندگی بھی خاصی عزیز ہے۔'' امام کی سلگتی آواز حمت کے کانوں تک ٹکرائی تو وہ سرتا پا سن سی ہوگئی تھی۔
وہ نیل بر کو کیوں اس قدر کھری کھری سنا رہا تھا؟ اور نیل بر کیوں سن رہی تھی؟ بھلا اسے منہ توڑ جواب دے کر واپس آجاتی۔
اس کی سوچوں کو ایک دم بریک تب لگے تھے جب امام کی اچانک نگاہ جیپ کے اندر بیٹھی حمت پہ پڑی تھی، وہ ناگواری سے نیل بر کی کسی بات کا جواب دیتے دیتے اچانک رکا تھا، تھما تھا پھر لمحہ بھر کے لئے چپ سا کر گیا، اس کی آنکھوں میں اچانک ہی شناسائی کی رمق ابھری تھی، جیسے وہ ہسپتال میں دکھنے والی اس لڑکی کو پہچان گیا تھا۔
قدرے فاصلے پہ جیپ کے اندر موجود حمت دور سے بھی بیٹھے ہوئے بھی امام کے بدلتے تاثرات کو دیکھ کر ٹھٹک گئی تھی، کیونکہ امام کا انداز یک لخت ہی بدل گیا تھا۔
وہ جو نیل بر جیسی شعلہ نما قیامت کو منہ توڑ جواب دے کر شاید آئندہ بنگلے تک نہ آنے کی وارننگ دے رہا تھا لمحہ بھر کے لئے رک سا گیا۔
اور حمت کو اتنی دور بیٹھے بھی اس کی آنکھوں میں شناسائی اور نرماہٹ اترتی نظر آگئی تھی، اس کی نظروں میں جانے کیا تھا اور جانے واقعی ہی کیا تھا جس نے حمت کی چھٹی حس کو الرٹ کرنے کے ساتھ ساتھ اس کے دل کو دھڑکا دیا تھا، اس کا دل ایک عجیب ساز میں دھڑک اٹھا تھا، یہ ساز، یہ سوز بھلا کیا تھا؟ وہ قطعی طور پر سمجھ نہیں سکی تھی، لیکن اس کے دل پر بہت عجیب نہ سمجھ میں آنے والی کیفیات وارد ہو رہی تھیں، بہت انوکھی اور بہت عجیب۔
حمت خوفزدہ ہوگئی تھی، گھبرا گئی تھی، اس کا دل چاہ رہا تھا، وہ سر پہ پیر رکھ کر بھاگ جائے، اس کی آنکھوں کے سامنے سے اوجھل ہو جائے، کہیں دور چلی جائے، جہاں یہ ان نگاہوں کی تپش اور لپک نہ پہنچ سکے اور پھر حمت نے اپنی گنہ گار آنکھوں سے ایک عجیب منظر دیکھا تھا، وہی ناک چڑھا چڑھا کر جواب دیتا سردیئر آفیسر ایک دم گرگٹ کی طرح رنگ بدل گیا تھا، اب وہ نیل بر سے کیا کہہ رہا تھا؟ کیا آخر؟ حمت کو سننے میں قطعی طور پر دشواری نہیں ہوئی تھی۔
''میں آپ کے کام آسکوں، یہ اعزاز کی بات ہے میرے لئے، میں کوشش کروں گا، آپ کے گھریلو ملازم کو کسی سرکاری ملازمت میں اٹکا سکوں، ویسے یہ کام آپ کے سردار صندیر خان صاحب کے لئے بائیں ہاتھ کا کام تھا۔'' انتہائی بدلے انداز میں گفتگو کرتا وہ نیل بر کے مدعا کا جواب دے رہا تھا، تو کیا نیل بر کسی کام کے بہانے آئی تھی؟ لگ تو یہی رہا تھا، وہ کسی کام کا بہانہ بنا کر آئی تھی، ورنہ ''شوق ملاقات'' تو کچھ اور ہی لگ رہا تھا اور اندھوں کو بھی نظر آ رہا تھا، نیل بر اچانک اس کایا پلٹ پہ حیران رہ گئی تھی، کہاں تو وہ انگارے چبا رہا تھا اور کہاں اس وقت پھول برسا

رہا تھا۔
''صندیر لالہ کہاں چاہتے ہیں، ہمارے نوکر ترقی کر سکیں، اب میں کیا کہوں، مجھے لگ رہا تھا تم شیر خان کو ملازمت دلوا دو گے۔'' نیل بر نے ذرا اعتماد کا مظاہرہ کیا تھا، یہ اعتماد اس کے نرم لہجے کی بدولت تھا، ورنہ کچھ دیر پہلے تو صاف منمنا رہی تھی۔
''میں کوشش کروں گا۔'' بالآخر امام نے حامی بھر لی تھی، وہ گاہے بگاہے جیپ کی طرف بھی نگاہ دوڑا لیتا تھا، پھر اس نے اپنے ازلی بردبار لہجے میں پوچھا۔
''وہ تمہاری بہن ہے کیا؟'' اس کا انداز بڑا سرسری سا تھا، جیسے خیال آنے پر پوچھ لیا ہو۔
''نہیں...... کزن ہے، چچا کی بیٹی، یوں بہن بھی ہوئی۔'' نیل بر نے بڑے انداز میں مسکرا کر بتایا تھا، وہ ایسے سر ہلانے لگا جیسے سمجھ گیا ہو۔
''یہ حمت ہے، دیامر میں میری اکلوتی فرینڈ، باقی سب بیکار مال ہے ادھر کا۔'' نیل بر کا اعتماد لوٹ آیا تھا، اب وہ اپنے ازلی کھرے بااعتماد انداز میں جواب دے رہی تھی۔
''یعنی کہ......؟'' امام نے بات بڑھاتے ہوئے بڑی تہذیب کے ساتھ پوچھا۔
''یعنی کہ سبا خانہ، بی جاناں، صندیر خان...... ہونہہ۔'' نیل بر نے سر جھٹک کر کہا، امام بے ساختہ مسکرا دیا تھا۔
''یعنی یہ لوگ تمہاری گڈ بک میں شامل نہیں ہیں؟'' کچھ دیر بعد امام، نیل بر سے پوچھ رہا تھا، انتہائی نرم اور خوشگوار لہجے میں، جیسے برسوں سے ایک دوسرے کو جانتے ہوں، یا شناسا ہوں اور یہ کایا پلٹ کس لمحے کی عنایت تھی؟ حمت کو دیکھ لینے کے بعد کیا؟
''ہرگز نہیں۔'' اس نے نخوت سے جواب دیا۔
''اور حمت؟'' امام کی نگاہیں بے ساختہ جیپ کی طرف اٹھی تھیں، اس دفعہ نیل بر نے بھی اس کی نگاہوں کے تعاقب میں دیکھا تھا پھر اس نے نرم مسکراہٹ کے ساتھ بتایا۔
''حمت تو حمت ہے، سب سے جدا، سب سے الگ۔'' نیل بر کے لہجے میں سچائی تھی، نرماہٹ تھی اور شگفتگی تھی، امام نے اثبات میں سر ہلایا، اس کے لبوں پہ بھی مسکان تھی، انتہائی چمکیلی اور شفاف جیسے وہ حمت کی تعریف سمجھ گیا تھا۔
''اور حمت کو ایسے ہی ہونا چاہیے، سب سے الگ اور سب سے جدا۔'' امام نے اس کی بات کو آگے بڑھایا۔
''میں تم دونوں معزز خواتین کو ضرور ایک کافی کا کپ پلاتا اگر مجھے کافی بنانا آتی؟''
''کوئی بات نہیں، ہم چائے بھی پی لیتے ہیں۔'' نیل بر کی بات پہ وہ ذرا لاجواب ہوا تھا، یعنی وہ تو مروت نبھا رہا تھا جبکہ نیل بر تو۔
''آؤ حمت آ جاؤ، کہیں ڈپٹی سرویئر صاحب کا ارادہ نہ بدل جائے۔'' وہ حمت کو آواز دے رہی تھی اور حمت ہکا بکا سی خیر مقدمی مسکراہٹ لئے کھڑے امام فریدے کو دیکھ رہی تھی، جو واقعی ہی چائے پلانے پہ تیار نظر آ رہا تھا۔

☆☆☆

ہیام کے لئے ''احسان منزل'' میں قیام ایک خوشگوار تجربہ تھا۔
وہ دنوں میں ہی ان کے ماحول میں رچ بس گیا، کیونکہ ہیام کے گھر کا ماحول اور احسان منزل کے مکینوں کے مزاج ایک دوسرے سے بہت ملتے جلتے تھے۔
یہاں پہ نشرہ کی تائی تھیں، بالکل مورے کا پرتو، ہیام کی ماں جیسی، اکھڑ، بدمزاج اور نخریلی خاتون، ان کا سارا عتاب بے چاری نشرہ پہ اترتا تھا، کیونکہ نشرہ منگنی کروا چکنے کے گناہ میں مبتلا ہو گئی تھی، وہ بھی ایسی شخصیت سے جوان کا داماد بننے کی سعادت سے محروم ہو چکا تھا، ہیام نے اب تک کے دنوں میں اتنا اندازہ لگایا تھا کہ اس گھر میں نشرہ کا وجود قطعاً ان چاہا تھا، ہر کوئی نشرہ سے نالاں دکھائی دیتا تھا، گو کہ نشرہ اسے خاصی مظلوم کردار نظر آ رہی تھی، اس گھر میں صرف نشرہ کے دو ہی خیر خواہ تھے، ایک اسامہ اور دوسرا نومی۔
نومی بہت کم دکھائی دیتا تھا، اکثر آوارہ گردی میں دن گزارتا تھا، جبکہ اسامہ خاصی مصروف شخصیت تھی، ان دنوں چونکہ وہ چھٹی پہ تھا اس لئے سارا وقت اپنی امی حضور سے چونچ لڑاتا رہتا تھا یا پھر ہیام کے ہسپتال سے آ جانے کے بعد اوپر ہیام سے گپ لگانے آ جاتا۔
اس کی ہیام سے بہت اچھی دوستی ہو چکی تھی اور اسامہ کے توسط سے ہیام اس گھرانے کی پوری تاریخ جان چکا تھا، اس وقت بھی اسامہ نیچے سے پکوڑوں کی پلیٹ اڑا کر اوپر ہیام کے پاس آ گیا، وہ ہیام پہ ایسی مہربانیاں کرتا رہتا تھا اور پکوڑے کھاتے ہوئے وہ جلے دل کے پھپھولے پھوڑتا ایک ایسی بہو کی مثال پیش کر رہا تھا جو اپنی بدمزاج ساس سے ناک تک عاجز آ چکا تھا۔
''یہ ہمارے والد کی زوجہ محترمہ کسی سے خوش نہیں، شاید اپنے آپ سے بھی نہیں، بہت ہی ناشکری خاتون ہیں۔'' وہ پکوڑوں کو چٹنی میں ڈبو ڈبو کر کھاتا خاصا جلے انداز میں بول رہا تھا، ہیام اس کا اشارہ پا کر کارپٹ پہ بیٹھ گیا، پھر اس نے ایک پکوڑا اٹھا کر چکھا، ذائقہ لاجواب تھا، یعنی نشرہ کے ہاتھ کا کمال تھا۔
''اب کیا ہوا؟'' ہیام نے اس کی دکھتی رگ پہ ہاتھ رکھا تھا، دنوں میں ان کی بے تکلفی اور دوستی پروان چڑھی تھی، اب تو اسامہ ہر بات بلا جھجک ہیام سے کر لیتا تھا، دوسرے معنوں میں اپنی بھڑاس نکال لیتا تھا کیونکہ ہیام اچھا سامع ہونے کے ساتھ ساتھ اچھے مشوروں سے بھی نوازتا تھا۔
''میں اپنی تنخواہ کا چوتھا حصہ ان کو دیتا ہوں، تیسرا حصہ آدھا آدھا عینی اور نشرہ کے لئے ہوتا ہے، باقی میری اپنی ضروریات بھی بے شمار ہیں، مہینے کے آخر میں کنگلا ہو جاتا ہوں، پھر بھی میرے والد کی نصف بہتر مجھ سے خوش نہیں ہوتیں۔'' وہ کسل کسل کر پکوڑوں پہ غصہ نکال رہا تھا، یعنی بے دریغ کھا رہا تھا۔
''یہ تو غور طلب معاملہ ہے، مجھے تم سے پوری ہمدردی ہے۔'' ہیام نے تاسف کا مظاہرہ کیا۔
''انہیں مجھ سے ایک ہی گلہ ہے، میں عینی سے زیادہ نشرہ کے لئے پگھلتا ہوں۔'' اسامہ نے کوک کے ٹن کو کھول کر منہ سے لگایا۔
''یہ ٹھیک ہی گلہ ہے، تم خیال بھی کرتے بھی زیادہ نشرہ کا ہو۔'' ہیام نے جو دیکھا اسی کے مطابق جواب دیا۔

''تو نہ کروں؟ اس بے چاری کا میرے علاوہ کون پرسان حال ہے؟'' اسامہ نے گھور کر اسے دیکھا۔
''میرا خیال ہے، اب تمہاری ہمشیرہ ایک عدد منگیتر بھی رکھتی ہے۔'' ہیام نے اسے یاد دلایا تھا۔
''وہ منگیتر ہے شوہر نہیں، جب تک اس کی شادی نہیں ہو جاتی تب تک میں ہی اس کا سربراہ ہوں، باقی ہمارے بزرگوں سے تو کوئی توقع نہیں، اپنی اپنی بیویوں کے سخت کنٹرول میں ہیں۔'' اسامہ کو اپنے گھر کے بزرگوں سے لاتعداد گلے تھے، جن میں ایک یہ گلہ بھی سرفہرست تھا۔
''ہاں...... یہ تو ہے۔'' ہیام اب تک اس گھر کے مکینوں کو اچھی طرح سمجھ چکا تھا، اس کی ناقص عقل کے مطابق سب سے زیادہ مظلوم کردار بس نشرہ کا ہی تھا، وہ اوپر اور نیچے رہنے والوں کے زیر تسلط تھی اور خوب پس رہی تھی۔
''خیر چھوڑو، کوئی اور بات کرو۔'' اسامہ نے بات ہی بدل دی، تو ہیام کو اچانک خیال آیا۔
''اچھا تو ہمارے علاقے میں تمہیں کچھ مطلب کی چیز ملی؟'' ہیام کو اسامہ کے توسط سے پتا چلا تھا کہ اسامہ دیامر کے علاقوں اور وادیوں سے قیمتی نوادرات حاصل کرنے کی مہم پہ نکلا ہوا ہے، باقی پروفیشن ایک آرکیالوجسٹ ہے، سواسی حساب سے ہیام نے کچھ دلچسپی سے پوچھا۔
''ابھی ملا تو کچھ نہیں، محض بوسیدہ کھوپڑیوں، مجسموں اور پرانی تہذیب کی ننھی منی نشانیوں کے، یوں لگتا ہے، کوئی ڈھنگ کی چیز ملی نہ ملی لیکن تمہارے دیامر سے کوئی کہانی ضرور مل جائے گی۔'' اسامہ نے پرسوچ انداز میں جواب دیا تھا، تب ہیام نے تاسف سے سر ہلایا۔
''لیکن افسوس، کہانی تمہارے مطلب کی نہیں ہوگی کیونکہ تم ایک مصنف نہیں ہو۔''
''ہاں...... لیکن کیا پتا، بن جاؤں۔'' اسامہ کے ارادے جوان تھے، ہیام نے اسے تھپکی دی تھی۔
''تم سے ہر کام کی توقع کی جاسکتی ہے۔''
''آخر میں ہرفن مولا جو ہوں۔'' اسامہ نے مصنوعی کالر کھڑے کیے۔
''تو پھر کب نکل رہے ہو سفر کے لئے؟'' ہیام کو خیال آیا۔
''انشاء اللہ کل سویرے۔'' اسامہ نے آخری پکوڑا چٹ کیا اور پلیٹ بیڈ کے نیچے کھسکا دی تھی، اس کی حرکت پہ ہیام کو تاؤ چڑھا تھا، اس نے گھور کر اسامہ کو دیکھا۔
''یہ کیا بے ہودگی ہے؟'' اس کا اشارہ بیڈ کی طرف تھا۔
''صبح نشرہ اٹھالے گی، جب صفائی کرنے آئے گی، ابھی نیچے لے کر گیا تو امی حضور کھایا پیا اگلوا کے دم لیں گی، مزید ار پکوڑے ہضم نہیں ہونے دیں گی۔'' اسامہ کمینگی سے ہنسا تو ہیام کو بھی ہنسی آگئی، اس کی امی سے واقعی کچھ بعید نہیں تھا، مورے سے کچھ کم مگر بہت دبنگ خاتون تھیں۔
''خیال تو تمہارا ٹھیک ہے ہے۔'' ہیام نے اس کی عقل مندی کو سراہا تو وہ مسکراتا ہوا باہر نکل گیا تھا، جبکہ ہیام بھی اپنے لیپ ٹاپ کی طرف متوجہ ہو گیا۔

☆☆☆

اسامہ گنگناتے ہوئے اپنی پیکنگ میں مصروف تھا جب نشرہ دھلے ہوئے کپڑوں کو استری کرنے کے بعد تہیں لگا کر اندر لے آئی تھی، یہ اسامہ کے کپڑے تھے، جنہیں ہمیشہ کی طرح نشرہ نے ہی دھو کر پریس کیا تھا، اب اس کے حوالے کرنے آئی تھی، اسامہ نے اس کے ہاتھ سے کپڑے لے کر صوفے پہ رکھے اور مسکرا کر بولا۔

''جیو ہزاروں سال، ہمیشہ خوش وخرم اور آباد رہو۔'' اس کے دعائیہ کلمات پہ ایک پھیکی سی مسکراہٹ نشرہ کے ہونٹوں پہ نمودار ہوئی تھی۔

''اچھی دعا ہے، پتا نہیں، قبول کب ہو گی۔''

''قبول تو سمجھو ہو چکی، ولید کی صورت میں۔'' اسامہ نے ولید کے حوالے سے اسے چھیڑا تھا۔

''کون جانے؟'' نشرہ نے ایک آہ بھر کر کہا تو اسامہ نے قدرے چونک کر اسے دیکھا، وہ کچھ پژمردہ سی لگ رہی تھی، اسامہ تھوڑا سنجیدہ اور فکر مند ہوا۔

''کافی دن ہوئے، کوئی رابطہ نہیں۔'' وہ بے دلی سے بولی تھی، جیسے ایک دم بے آس ہو چکی تھی، ایسی مایوسی؟ اسامہ کا تفکر تو بنتا تھا، اس نے نشرہ کا چہرہ ٹٹولا، وہ اتنی بے یقین کیوں تھی؟ جیسے ولید کا فون نہ کرنا معمولی معاملہ نہ ہو، آخر وہ بزی بھی تو ہو سکتا تھا؟

''تو کر لے گا، کیا پتا مصروف ہو۔'' اسامہ نے ہلکے پھلکے انداز میں کہا۔

''ایسی بھی کیا مصروفیت، بندہ بتا تو سکتا ہے، ایک کال تو کر سکتا ہے۔'' نشرہ نے پھیکے لہجے میں بمشکل بات مکمل کی تھی، تب اسامہ نے اسے خاصا ڈپٹ دیا۔

''ضروری نہیں، وہ مصروف ہو، بیمار بھی تو ہو سکتا ہے۔'' اسامہ کے دوسرے رخ کی طرف گفتگو کو موڑنے پہ نشرہ بھی تھوڑا سا خفیف ہو گئی تھی، اس پہلو پہ تو نشرہ نے سوچا ہی نہیں تھا، وہ خواہ مخواہ لمحوں میں بدگمان ہو گئی تھی، دراصل اس کے اندر یقین کی جڑیں بہت کمزور تھیں، وہ کرتی بھی کیا؟ اسے تو اب تک بے یقینی کی کیفیت یقین کی حدود میں داخل نہیں ہونے دیتی تھی، اسے تو اب تک یقین نہیں آتا تھا کہ ولید اس کا ہو چکا ہے اور عنقریب وہ اس زندان سے بھی رہا ہو جائے گی۔

''دیکھو گڑیا! خواہ مخواہ پریشان مت ہوا کرو، اگر اس نے تعلق جوڑا ہے تو نبھائے گا بھی، اس پہ یقین رکھو، اس بے یقینی کی کیفیت سے نکل آؤ، جو تمہیں پورے دل سے خوش بھی نہیں ہونے دیتی۔'' اسامہ کے سمجھانے پہ نشرہ نم آنکھوں سے سر ہلانے لگی، جیسے اس کی بات اسے سمجھ آ گئی تھی، پھر کچھ ہی دیر میں اس کی یاسیت بھری کیفیت کا خاتمہ ہو گیا تھا، دراصل اسامہ کے چٹکلے ایسے نہیں تھے جو بندے کو سنجیدگی کے حصار میں رہنے دیتے، ایسے ہی باتوں کے دوران اسامہ کی پیکنگ مکمل ہو گئی تھی۔

پھر جب نشرہ باہر نکلنے لگی تو اسے اچانک یاد آیا، باہر جانے کا ارادہ موقوف کر کے وہ ایک مرتبہ پھر واپس آ گئی تھی۔

''اسامہ بھائی! مجھے آپ سے ایک بات کہنا تھی۔'' اس نے تھوڑا جھجکتے ہوئے کہا تو اسامہ ہمہ تن گوش ہو گیا تھا۔

''یہ آپ نا، اوپر والوں سے اتنا گاڑھا دوستانہ مت بنائیں۔'' اس کا اشارہ کس کی طرف تھا؟ پہلے تو اسامہ کچھ ہونق ہوا، یعنی وہ نوازش چچا کی فیملی کے بارے میں تو بات نہیں کر رہی تھی؟ پھر اسے خیال گزرا اور وہ جیسے سمجھ گیا، اوپر والوں سے مراد شاید نیا کرائے دار تھا۔

''کون سے اوپر والے؟ تم جانتی تو ہو، نوازش چچا کی فیملی سے میں کوسوں دور بھاگتا ہوں۔'' اسامہ نے سمجھ کر بھی تجاہل برتا تو نشرہ نے اسے گھورنے کی کوشش کی تھی۔

''میں ان کی بات نہیں کر رہی۔'' اس کے لہجے میں ہلکی سی خفگی کا عنصر تھا، اسامہ نے مسکراہٹ دبا کر بھولے پن سے پوچھا۔

''کرائے دار صاحب کی۔'' نشرہ نے چبا چبا کر لفظ ادا کیے تھے، یوں کہ اسامہ کی آنکھیں کھل گئی تھیں، یعنی کرائے دار صاحب؟

''تم ڈاکٹر صاحب بھی تو کہہ سکتی ہو؟'' اسامہ نے نچلا لب دبا کر جتلایا۔

''ڈاکٹر صاحب تو وہ ہوں گے آپ کے لئے، میں تو کرائے دار ہی کہوں گی۔'' نشرہ نے ناک چڑھائی تھی، یوں کہ اسامہ بے ساختہ ہنس پڑا۔

''اس بے چارے سے کیا گناہ سرزد ہوا؟'' اب وہ بڑی معصومیت سے پوچھ رہا تھا۔

''کوئی گناہ نہیں سرزد ہوا، بس آپ اس سے بہناپہ جوڑنے کے لئے اتنے ادھ موئے ہو جاتے ہیں کہ اپنے گھر کی ایک ایک بات ڈسکس کرنے سے گریز نہیں کرتے۔'' اس کے جتلانے پہ اسامہ اپنا سا منہ لے کر رہ گیا تھا، یعنی وہ چوری چوری ان کی باتیں سنتی تھی۔

''یار! وہ ڈاکٹر ہے، اس سے کچھ چھپایا نہیں جا سکتا۔'' اسامہ نے جلدی میں بے تکی بات بنائی تو نشرہ نے مسکراہٹ چھپا کر کہا۔

''وہ ڈاکٹر ہے، مگر ہم مریض نہیں ہیں، جس سے کچھ چھپایا نہ جا سکے اور ڈاکٹرز سے بس بیماری نہیں چھپانی چاہیے۔'' وہ مسلسل ہنسی ضبط کرنے کی کوشش کر رہی تھی، اسامہ کا منہ اتر گیا۔

''وہ میرا بہت اچھا دوست بن چکا ہے۔'' اسامہ کو جتلانا پڑا تھا۔

''اچھا۔'' نشرہ کا اچھا خاصا معنی خیز قسم کا تھا۔

''آپ کے اچھے دوست نے کبھی اپنے بارے میں بھی کچھ بتایا آپ کو؟''

اس کے سوال پہ اسامہ پہلی مرتبہ لاجواب ہوا تھا اور پھر اس کا منہ حیرت سے کھل گیا، واقعی نشرہ نے بہت پتے کا نکتہ اٹھایا تھا اور حیرت کی بات تھی، اسامہ نے کبھی ہیام سے پوچھا نہیں تھا، وہ دیامر کے کس علاقے سے تعلق رکھتا تھا اور نہ ہی ہیام نے اسے خود بتایا تھا اور یہ کتنا حیرت کا مقام تھا، اس قدر بے تکلفی ہونے کے باوجود بھی؟ وہ سوچوں کے تانوں بانوں میں الجھ گیا۔

☆☆☆

ہسپتال میں پورا دن بڑا ہی مصروف گزرا تھا۔

بھانت بھانت کے مریضوں کو بیماری کے درد سے ڈوبے قصے سن سن کر دل پہلے سے خاصا بوجھل تھا جب عشیہ کی کال نے اسے اچھا بھلا پریشان کر دیا۔

اس کیا اتنی جلدی واپس جانا ناممکن تھا، آج جمعہ کا دن تھا، آدھا دن گزر گیا، بینک اور ڈاک

خانے اگلے دو دن بھی بند تھے اور عشیہ کہہ رہی تھی اسے آج نہیں تو کل ہر صورت پیسے بھجوائے، پتا نہیں کہاں کہاں سے ادھار پکڑ رکھا تھا جو لوٹانا تھا، اوپر سے عمکیہ کی شادی بھی تیار کھڑی، ہیام نے گہرا سانس بھر کے اپنی خفیہ تجوری میں سے جمع جتھا نکالا تو قریباً پونے دو لاکھ روپے کی رقم نکل آئی تھی، پیسے گنتے ہوئے اس کے دل کو خوب تسلی ہو رہی تھی، پھر اسے تنخواہ بھی مل گئی تو اپنا خرچہ رکھ کر اس نے باقی رقم اکٹھی کر لی، اب مسئلہ یہ تھا، اتنی بڑی رقم کیسے بھجوائی جائے؟ بینک تو بند تھے اور عشیہ کو ارجنٹ ضرورت تھی، اب وہ کیا کرتا؟ یہاں پہ ایک منگورہ کی نرس کوثر کام تو کرتی تھی لیکن فی الحال اس کا واپس جانے کا کوئی ارادہ نہیں تھا، ہیام سخت پریشانی میں مبتلا ہو گیا، جب بھی وہ ایسی کیفیت کا شکار ہوتا تھا تو ہمیشہ سسٹر بیہ اسے مشکل سے نکالنے پہنچ جاتی تھی، اس وقت بھی سسٹر بیہ نے اپنی صورت دکھائی تو وہ جو پہلے سے بیزار تھا، ایک دم جھنجلا کر بولا۔

''فی الوقت میرا چغلیاں سننے کا کوئی موڈ نہیں، تم کسی اور کے ساتھ دکھ سکھ کر لو، میں جانتا ہوں تمہارے پیٹ میں غیبتیں دنگل مچا رہی ہیں۔'' ہیام نے بیزاری سے کہا تو بیہ ہکا بکا رہ گئی، آج ہیام کا موڈ آف تھا، ورنہ آف ٹائم میں وہ اس کی پوری روداد سن کر ہی اٹھتا تھا، کہ کس کس نے ہسپتال میں اسے تنگ کیا، کس نے اس کی غیبت کی اور کس کس نے اسے ایم ایس سے ڈانٹ پڑوائی، اس وقت بیہ ہیام کا برا منہ دیکھ کر بل کھا کر رہ گئی تھی۔

''اچھا تو جناب کا موڈ آف ہے اور جب موڈ اچھا ہو گا، تب بات کریں گے، دکھ سکھ بھی سنیں گے، یعنی لوگ اتنے احسان فراموش ہوتے ہیں، مطلب نکلوا کر آنکھیں ماتھے پہ رکھ لیتے ہیں۔'' بیہ نے اسے کھری کھری سنا کر اپنے احسان یاد کروائے تو ہیام پانی پانی ہو گیا، بیہ ہمیشہ آڑھے وقتوں میں اس کے کام آتی تھی اور اس نے ہیام پہ واقعی بہت احسان کیے تھے۔

''ایکچوئیلی بیہ میں پریشان تھا۔'' اس نے مارے شرمندگی کے بس اتنا ہی کہا، اس کی اتری صورت دیکھ کر بیہ فوراً میدان عمل میں کود پڑی تھی۔

''کیا ہوا؟'' اس نے ہمدردی سے پوچھا۔

''کچھ نہیں یار!'' وہ موبائل پہ مصروف سا بولا، بھلا کیا بتاتا؟ یہ مکان ڈھونڈنے کا معاملہ نہیں تھا جسے بیہ حل کر دیتی، وہ اسے کیا مشورہ دے سکتی تھی؟ کیا مدد کر سکتی تھی؟

''بتائیں تو سر! کیا خبر، میں کچھ حل نکال لوں۔'' بیہ نے اصرار کیا۔

''یار! تم کیا حل نکالو گی، تمہارے بس کی بات نہیں۔'' ہیام نے نفی میں سر ہلایا۔

''آپ بتائیں تو سہی۔''

''گھر پیسے بھجوانے تھے اور بینک بند ہیں، سمجھ نہیں آتی کیا کروں؟'' وہ خاصا لاچار نظر آیا تھا، بیہ بھی سوچ میں گم ہو گئی، اب بھلا وہ کیا مشورہ دیتی؟

''سوموار تو بینک کھلیں گے۔''

''تب تک انتظار نہیں کر سکتا۔'' ہیام نے نفی میں سر ہلایا۔

''تو آپ پھر خود جائیں گے؟'' بیہ نے پوچھا۔

''نہیں...... یہی تو سوچ رہا ہوں۔'' ہیام بے بس سا نظر آیا، یعنی پیسے بھجوانے کی سخت مجبوری

تھی، بیہ سوچ میں پڑ گئی تھی، اب تک تو اس نے سر کے بہت سے کام کیے تھے، اب یہ کام کیسے کرتی؟ بہت دیر تک وہ سوچتی رہی، گو کہ اسے آئیڈیاز ڈھونڈنے کی مشین سمجھا جاتا تھا، لیکن اس معاملے میں مشین ناکام ہوتی نظر آ رہی تھی، اب اس ناکامی کا کوئی حل تو ڈھونڈنا تھا، معاً سوچتے سوچتے وہ ایک دم اچھل پڑی تھی۔

''سر!...... سر!۔'' بیہ نے موبائل میں گم ہیام کو ہیجانی انداز میں مخاطب کرتے ہوئے کہا، ہیام بڑبڑا کر اس کی طرف متوجہ ہوا تھا۔

''کیا زلزلہ آ گیا ہے؟'' ہیام نے متفکر انداز میں پوچھا۔

''زلزلہ نہیں آئیڈیا آیا ہے۔'' بیہ بے حد پرجوش سی چہکی تھی۔

''کیسا آئیڈیا؟'' ہیام فوراً متوجہ ہوا، کیونکہ وہ جانتا تھا اگر بیہ کو آئیڈیا ملا ہے تو قطعاً جھٹلانے والا نہیں ہو گا۔

''وہ مالک مکان کا بیٹا ہے نا؟ آوارہ سا، مطلب آوارہ گرد سا، بوسیدہ کھوپڑیاں ڈھونڈنے والا، وہی آرکیالوجسٹ، جس کے بارے میں نشرہ کی تائی ہر وقت شعلے اگلتی ہے، بھلا سا لڑکا ہے بے چارہ، زبان گو کہ بہت لمبی ہے پر دل کا برا نہیں، وہ آپ کے علاقے میں ان دنوں آوارہ گردی پہ مامور ہے، مطلب اپنے کام کے سلسلے میں، وہ آج رات نکلے گا سفر پہ، آپ اسے رقم پکڑا دینا اور بے فکر ہو جانا، آپ کا پیسہ ضائع نہیں ہو گا۔'' بیہ نے اتنے جوش سے کہا تو ہیام بھی بری طرح اچھل پڑا۔

''اپنا اسامہ، وہی نیا نیا بنا دوست؟ ارے سامنے کی تو بات تھی، آج صبح اسامہ اپنے جانے کے متعلق بتا رہا تھا، ارے میں نے کیوں نہیں سوچا؟...... واہ...... یہ تو سمجھو کام ہو گیا، بیہ، جیو تم ہزاروں سال۔'' ہیام نے بے ساختہ بیہ کو سراہا تو وہ مصنوعی کالر کھڑے کرنے لگی، پھر اس نے کانوں کو ہاتھ لگا کر کہا۔

''ہزاروں سال جی کر میں نے کیا کرنا ہے، صرف سو سال ہی کافی ہیں۔'' اس کی عاجزی کے کیا ہی کہنے تھے۔

اسامہ کے بارے میں ایک واضح اشارہ دے کر بیہ نے واقعی اس کی بہت بڑی پرابلم سولو کر دی تھی، بیہ ہمیشہ مشکل وقت میں اس کے کام آتی تھی، وہ بھی اسامہ کے علاقے میں رہتی تھی، اسی نے ہیام کے لئے احسان منزل میں کمرہ کرائے پہ ڈھونڈا تھا۔

ہیام ایک تگڑا سا شکریہ ادا کرتا اٹھ گیا تھا، اسے جلد از جلد گھر یعنی احسان منزل پہنچنے کی جلدی تھی تاکہ اسامہ سے بات کر سکے، اسے یہ بھی ڈر تھا کہ اسامہ کہیں جا نہ چکا ہو، بقول اسامہ کے اکثر وہ اپنی والدہ سے جھگڑا کر کے بے وقت نکل جاتا تھا، گو کہ اس کی چھٹیاں ابھی باقی ہوتی تھیں۔

وہ بائیک اڑاتا احسان منزل پہنچا تو خارجی دروازے پہ ہی نشرہ سے ٹکرا ہو گیا، وہ لپک جھپک فرش دھونے میں مگن تھی، سردی سے بے نیاز، بغیر سوئیٹر کے، دھڑا دھڑ فرش دھو رہی تھی اور پائپ کو جب جھٹکا دیا تو ٹھنڈی پھوار اندر آتے ہیام کو اچھا خاصا بھگو گئی تھی اور وہ تھا بر فیلے علاقوں،

کا باسی، اتنا سا ٹھنڈا پانی اس کا کیا بگاڑ سکتا تھا؟ لیکن نشرہ بہت شرمندہ ہو گئی تھی، اس نے اتنی ٹھنڈ میں ہیام کو بھگو دیا تھا۔

''معافی چاہتی ہوں، مجھے پتا نہیں چلا۔'' وہ بہت شرمندہ تھی اور اس کے ہاتھوں میں واضح لرزش محسوس ہو سکتی تھی، اس نے اتنے جگمگاتے ڈاکٹر کو بھگو ڈالا تھا۔

''کس بات کی معافی؟'' ہیام کی رگ شرارت مچل اٹھی، وہ تو ہنسی مذاق میں نرسوں کو نہیں بخشتا تھا، ایسی ایسی لگاتا کہ بے چاریاں یا تو بل کھاتی رہتی تھیں یا بیہ جیسی محظوظ ہونے لگتیں اور قطعاً برا نہ مانتیں، اب نشرہ کا تعلق جانے کس کیٹگری سے تھا؟

''یہ جو میں نے بے خیالی میں......؟'' وہ شرمساری بات ادھوری چھوڑ گئی تھی۔

''تو خیال کدھر تھا؟'' ہیام نے دلچسپی سے نشرہ کے چہرے کو دیکھ کر کہا، نشرہ پہلے تو گھبرائی تھی، پھر اس بے تکلفی پر بوکھلائی اور پھر تھوڑا تنک کر بولی۔

''خیال جہاں بھی تھا، آپ سے مطلب؟'' اس کا انداز خاصا روکھا سا تھا۔

''کیا خیال دوبئی پرواز کر رہا تھا؟ ویسے اپنے خیال کی پرواز کو سمجھاؤ، اتنی اونچی اڑان نہ بھرے۔'' ہیام کے مخلصانہ مشورے پہ نشرہ کی پوری آنکھیں کھل گئی تھیں، وہ ہکا بکا رہ گئی، ایسی بے تکلفی؟ اتنا دیدہ دلیر؟ حد سی حد تھی، اس کا دماغ سنسنا اٹھا تھا۔

یعنی اسامہ نے اسے اتنی ڈھیل دے رکھی تھی؟ نشرہ کے چہرے پہ تاثرات بگڑتے گئے تھے، اس نے پہلے تو گہرا سانس کھینچ کر اعصاب ڈھیلے کیے، روکھے انداز پہ قابو پایا اور پھر بہت ناگواری سے جتلایا۔

''آپ ذرا اپنی حد میں رہیں۔'' وہ پائپ سمیٹنے کو جھکی تو ہیام نے بڑی فرصت سے اس کے ناگوار تیور کا جائزہ لیا، وہ خاصی اکھڑی اکھڑی لگ رہی تھی۔

''اور میری حد، کیا ہے؟'' ہیام نے بڑے انداز میں معصوم صورت بنا کر پوچھا تھا، نشرہ نے پائپ سمیٹ کر بیرونی سیڑھیوں کی طرف اشارہ کیا۔

''وہاں سے وہاں تک۔'' اس نے سیڑھیوں اور کمرے کی کھڑکی پہ غائبانہ دائرہ لگا کر جتلایا، ہیام اچھا بھلا خفیف ہو گیا تھا، یہ مظلوم اور گونگا کردار ایسا بھی مظلوم اور گونگا نہیں تھا، وہ بول سکتی تھی اور اچھا خاصا بول سکتی تھی، ہیام کو اس کا بولنا اچھا لگا تھا، ورنہ اسامہ نے تو اسے بہت کچھ بتایا تھا، اتنا کچھ کہ اگر نشرہ کو پتا چل جاتا تو شاید ہیام کو تو کچھ نہ کہتی، تاہم اسامہ کا کورٹ مارشل ضرور ہو جاتا۔

ہیام اسی خفیف انداز میں کان دبا کر آگے بڑھ گیا تھا، تاہم اس نے جاتے جاتے گردن موڑ کر نشرہ کو ضرور دیکھا تھا اور اسے سوچوں میں گم بہت اچھی لگی تھی، بالکل ویسی ہی، جب وہ اپنے پرانے کرائے کے مکان کی کھڑکی سے اسے دیکھ کر حیران اور متحیر ہوا تھا اور اس گلابی لمحے کی قید نے اسے اپنا اسیر کیا تھا، کیا وہ لمحاتی کیفیات تھیں؟ شاید ہاں؟ یا شاید نہیں، وہ سوچتا ہوا اوپر آتا چلا گیا تھا اور نیچے نشرہ سر پہ ہاتھ مار کر رہ گئی تھی۔

''او...... میری ماں! یہ آج جلدی کیسے آ گیا؟ اور میں نے تو کمرے کی صفائی بھی نہیں کی،

ابھی جب وہ نیچے آکر تائی کو بتائے گا تو تائی میری چٹنی بنا دیں گی۔'' نشرہ جلدی جلدی وائپر لگاتی سخت متوحش تھی، کیونکہ تائی کی پیشی بھگتنا آسان نہیں تھا۔
لیکن اگلے آدھے گھنٹے تک بھی نیچے اوپر سے کوئی آواز نہیں آئی تھی، تاہم جب نشرہ کسی کام سے اوپر آئی تو یہ دیکھ کر حیران رہ گئی، وہ جگمگاتا ہوا ڈاکٹر اپنے اعلیٰ سوٹ کی پرواہ کیے بغیر کمرے کی صفائی کرنے میں مگن تھا۔
''نفاست پسند نہ ہو تو، آدھا گھنٹہ بھی صبر نہیں ہوا، آ تو رہی تھی میں۔'' وہ جھنجھلاتی ہوئی اترنے لگی تھی جب ڈاکٹر کی آواز اس کے کانوں سے ٹکرائی تھی۔
''نشرہ!'' ایسی بے تکلفی، نشرہ کا دماغ سنسنا اٹھا تھا، وہ ایک جھٹکے سے مڑی تھی، ہیام کھڑکی میں کھڑا اپنی معصوم صورت پہ اور بھی معصومیت سجا کر بولا۔
''اسامہ کو بھیجنا پلیز۔'' اس ادا پہ کون نہ مر جاتا، نشرہ گرتے گرتے بچی تھی، اسامہ بھائی کے علاوہ آج تک کسی نے نشرہ کو اتنے دلار سے نہیں بلایا تھا، ولید نے بھی نہیں، اس کے انداز میں نرمی ہوتی تھی، ادا نہیں ہوتی تھی، ادائیں تو اسی فنکار میں تھیں جو چہرے کے ایک ایک نقش سے گفتگو کرتا تھا، ہونٹوں سے، آنکھوں سے، مسکراہٹوں سے، نشرہ جانے کیا کیا سوچتی رہی۔
''ویسے لاجواب ہے۔'' نشرہ کو ماننے ہی بنی، تسلیم کرتے ہی بنی، یقین کرتے ہی بنی۔
''اچھا۔'' وہ سر ہلا کر نیچے اترنے لگی تھی، اس کے باوجود نشرہ کو لگ رہا تھا، وہ بلا کا اداکار اسی کو گھور رہا ہے، لیکن ان گھوریوں میں چبھن نہیں تھی، تپش ضرور تھی۔
''نشرہ!'' پیچھے سے پھر پکار آئی تھی، نشرہ کا دل بری طرح دھڑک اٹھا تھا، اسے تسلیم کرنا پڑا، چہرے کے ایک ایک نقش سے گفتگو کرنے والے کی آواز میں بھی بلا کی مقناطیسیت تھی، ایک کھینچ لینے والی کشش تھی، نشرہ کو ایک مرتبہ پھر گردن موڑنا پڑی تھی، اس نے آنکھوں ہی آنکھوں میں سوال کیا۔
''کیا؟'' اس کے ہونٹ بے آواز بھی نہیں ہل سکے تھے۔
''کچھ نہیں۔'' ہیام ایک دم کھڑکی سے ہٹ گیا اور نشرہ جیسے ساکت رہ گئی تھی، اس ''کچھ نہیں'' میں ''اتنا کچھ'' ضرور تھا جس نے نشرہ کو محض ایک لمحے میں بہت کچھ سمجھا دیا تھا اور جیسے جیسے اسے سمجھ آتی گئی تھی، اس کا دل بری طرح سے سکڑتا گیا۔

☆☆☆

اسامہ نے سفری بیگ کندھے پہ ڈال کر ہیام کی پوری بات سنی تھی اور ایک بھاری پیکٹ بڑی احتیاط سے سنبھال کر بیگ کی خفیہ تہوں میں چھپا لیا تھا، اب وہ پورے پندرہ منٹ سے ہیام کے گھر کا ایڈریس سمجھ رہا تھا، لیکن اسامہ کے پلے کوئی بات نہیں پڑ رہی تھی، یہ دیامر کا علاقہ تھا، لاہور کا ماڈل ٹاؤن نہیں، جہاں پہ بلاک نمبر، اسٹریٹ نمبر اور مکان نمبر کے توسل سے فوراً مطلوبہ جگہ پہ پہنچ جایا جائے، ہیام اسے سمجھا سمجھا کے تھک گیا تھا، لیکن اسامہ کو کچھ سمجھ نہیں آیا۔
صدر کے لاری اڈے سے آگے کہاں جانا تھا؟ کس وادی میں، کس کھلیان میں؟ کس ندی کے پار؟ وہ ہونقوں کی طرح نفی میں سر ہلانے لگا۔

(جاری ہے)

خواب خواہش اور آرزو

فرح طاہر

دوسری قسط

اگلے روز آفس سے واپسی پر عظمیٰ کے ساتھ جا کر اس نے گھر پیسے بھجوائے اور باقی پیسوں سے اس نے اپنا اکاؤنٹ کھلوایا اور واپس گھر آ گئی۔

''یہ تم نے بہت اچھا کیا، کچھ رقم یہاں سیونگ کر لینا تاکہ کبھی مسئلہ ہو تو تمہارے بھی کچھ رقم موجود ہو اور اگر یہاں کام نہ بھی آئے تو جب اپنے گھر واپس جانے لگوں گی تو کافی رقم لے کر واپسی ہو گی۔'' عظمیٰ نے اس کے اقدام کو سراہا تھا۔

''ہاں بالکل یہی دو باتیں سوچ کر میں نے یہ فیصلہ کیا تھا۔'' اس نے کہا، وہ گھر میں داخل ہو رہی تھیں، عائزہ اوپر جانا چاہتی تھی جب عظمیٰ نے کہا۔

''آج کا کھانا میری طرف سے ہوگا تم بس فریش ہو کر نیچے آ جاؤ۔''

ناولٹ

''وہ کس خوشی میں؟'' اس کے بڑھتے قدم رک گئے۔

''بس ویسے ہی، تم فریش ہو کر آ جاؤ پھر باتیں کریں گے۔'' اس نے اسے آگے کی طرف دھکیلا اور خود اپنے پورشن کی طرف بڑھ گئی، وہ اکثر کچھ نہ کچھ بنا کر فریج میں رکھا کرتی تھی آج بھی کباب نکال کر تلے چکن قورمہ بنایا، جب تک عائزہ فریش ہو کر اس کے پاس چلی آئی۔

''چکن قورمہ کی زبردست خوشبو۔'' اس کے منہ میں پانی بھر آیا۔

''تم آٹا گوندھو جب تک میں یہ تیار کر لیتی ہوں، ابھی سلاد بھی بنانا باقی ہے۔'' کسی ماہر کک کی طرح وہ مسلسل ہاتھ چلا رہی تھی۔

پھر دونوں نے مل کر کھانا بنایا، ساتھ مل کر کھانا کھایا اور برتن دھو کر فارغ ہوتے کمرے میں آ گئے، عظمیٰ نے لیپ ٹاپ کھول کر اپنے سامنے رکھ لیا۔

''کام کرنے لگی ہو کیا؟''

''نہیں اس وقت میں اپنی فیملی سے باتیں کرتی ہوں۔''

''کیا فیس بک پر؟'' اس نے استفہامیہ دیکھا تھا۔

''ہاں آج ان سب کو میں نے گڈ نیوز دینی ہے، تمہیں بھی اس لئے بلایا ہے ساتھ میں تم کو بھی سنا دوں۔'' اس نے مسکرا کر کہا اور نظریں لیپ ٹاپ سکرین پر جما دی۔

''گڈ نیوز، اچھا سناؤ۔'' وہ متوجہ سی اس کے بتانے کا انتظار کرنے لگی، اس کی انگلیاں کی بورڈ پر تھر کنے لگی تھی۔

''عائزہ تم بھی فیس بک جوائن کرو ناں، فون سے زیادہ اچھا رابطہ تم گھر والوں سے یہاں کر سکتی ہو۔'' اس نے مشورہ دیا اور بات بدل دی۔

''ہاں میں فیس بک جوائن کروں گی، مگر پہلے میں بھی لیپ ٹاپ لے لوں اور گھر بھی بھیج دوں، کیونکہ گھر پر کمپیوٹر بھی نہیں ہے۔''

''او اچھا پھر واقعی ابھی تمہیں انتظار کرنا پڑے گا۔'' وہ ذرا سی مایوس ہوئی تھی۔

''اگلے مہینے تنخواہ ملے گی تو میں لیپ ٹاپ خرید لوں گی اور گھر بھی لے کر بھیجوں گی۔'' اس نے بتایا۔

''تم کو یہاں کا سسٹم سمجھ آ گیا ہو گا۔''

''اب تم خود بھی یہاں سروائیو کر سکتی ہو بنا کسی کے سہارے کے ہے نا۔'' اس نے نظریں اس کی۔

''ہاں کسی حد تک ایسا ہی ہے، مگر تم ایسے کیوں کہہ رہی ہو۔'' اسے الجھن ہونے لگی تھی۔

پتا نہیں وہ آج اسی طرح گھما پھرا کر بات کیوں کر رہی تھی، وہ لیپ ٹاپ سائیڈ پر کرتی اس کی طرف متوجہ ہوئی۔

''میں یہاں تین سال کے لئے آئی تھی، تین سال کا عرصہ اگلے مہینے مکمل ہو جائے گا، اس لئے میں اگلے مہینے واپس جا رہی ہوں۔'' اس نے بالآخر کہہ ہی دیا۔

''کیا یہ تم کیا کہہ رہی ہو۔'' وہ ایکدم اچھل پڑی تھی۔

''ہاں، مگر میں نے اچھی طرح سیٹل ہونے میں مدد کی ہے، رہائش کا جاب کا سب مسئلے حل ہو چکے ہیں، یہاں کا ہر طریقہ کار تم سمجھ گئی ہو، اب تمہیں زیادہ مشکل نہیں ہو گی۔'' اس نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں دبا لیا۔

اس ایک مہینے میں وہ اس کے ساتھ کی عادی ہو گئی تھی اور اب ایسے اچانک اس کے جانے کا سن کر اسے حقیقتاً دھچکا لگا تھا۔

''مگر میں اکیلی ہو جاؤں گی۔'' اس کی آواز بہت ہلکی تھی۔

''ہاں مگر تم اکیلی رہ سکتی ہو۔'' اس نے فوراً پچھلی کسی بات کا حوالہ دیا تھا۔

''اسی لئے کہا تھا اپنے ساتھی کا ساتھ مانگ لو، اکیلی رہنا مشکل ہے۔''

''جی نہیں، اس ساتھی کی ضرورت نہیں مجھے وہ تو بس میں ایک دوست کی تمہاری بات کی ہے۔'' اس نے فوراً خود کو سنبھالا تھا۔

وہ جب سے یہاں آئی تھی تب اگر احسان کا ساتھ تھا تو جب یہاں آ گئی تو عظمیٰ کا ساتھ تھا، تو اب یہاں رہے گی تو بھی کوئی نہ کوئی ساتھ مل ہی جائے گا، اس نے اپنی سوچ کو مضبوط کیا۔

''چلو پھر تو کوئی مسئلہ ہی نہیں ہے۔'' عظمیٰ ایکدم مسکرا دی، اس نے ایک بار پھر لیپ ٹاپ کی طرف رخ کرلیا تھا۔

وہ خود بھی یہی چاہتی تھی عائزہ اس کے جانے پر کمزور نہ پڑے اپنی اس کوشش میں وہ کسی حد تک کامیاب بھی رہی تھی۔

''مجھے بھولنا مت، مجھ سے رابطے میں رہنا۔'' اس نے نصیحت کی۔

''تم بھولنے والی چیز ہو کیا؟'' عائزہ مسکرا دی تھی۔

''ہاں یہ تو ہے۔'' اس نے مسکرا کر فرضی کالر کھڑے کیے تھے، عائزہ اٹھ کھڑی ہوئی تو اس نے استفہامیہ اس کو دیکھ کر پوچھا۔

''کیا ہوا؟''

''نیند آرہی ہے اب مجھے سونا چاہیے۔'' وہ اس کے گریز کو سمجھ رہی تھی اسی لئے اسے جانے کی اجازت دے دی۔

''ٹھیک ہے جاؤ سو جاؤ۔'' عائزہ شب بخیر کہتی وہاں سے نکل گئی، تو وہ مکمل طور پر لیپ ٹاپ کی طرف متوجہ ہوگئی۔

☆☆☆

دو دن بعد اس نے گھر فون کرکے پیسے مل جانے کا پوچھنا چاہا، جب فون فوزیہ نے اٹھایا تھا وہ اس قدر خوش تھی کہ اس کے سلام کے جواب میں خود شروع ہوگئی۔

''دیکھا عائزہ میں نہ کہتی تھی وہاں جا کر لاکھوں کمائے گی ہمارے حالات سدھر جائے گے، تو نے پچاس ہزار بھیجے، اتنے سارے پیسے وہ بھی اب ہر مہینے بھیجا کرے گی، تجھے پتا ہے ہم نے اتنے سارے کپڑے بنوائے ہیں سب کی فیسیں جمع ہوگئی ہیں اور مجھے پتا ہے پورے محلے والے ہم سے اتنا مرعوب ہو رہے تھے۔'' عائزہ

مسکراتی رہی اس کی باتیں سن رہی تھی، ان کی برسوں کی دبی خواہشات مکمل ہونے کے قریب تھی۔

اب ہر خواہش پوری ہو گی ہر آرزو کو کنارا ملے گا، پہلے کی طرح خواہشات خواب بن کر ادھوری نہیں رہے گی۔

''اور میں سونے کے گہنے بھی بنواؤں گی۔''

ایک اور حسرت کی تکمیل؟

''ہاں اماں جو دل کرے کرنا مگر سب سے پہلے ابا کو کسی اچھے ڈاکٹر سے چیک اپ کروائیں، پیسے کی فکر مت کرنا میں ہر مہینے بھیجوں گی۔'' اس نے کہا۔

''اللہ تجھے اور ہمت دے، تو نے تو ہماری زندگیاں ہی بدل دیں۔'' وہ واقعی بہت زیادہ خوش تھی۔

''تو بہت اچھی بیٹی ہے، خدا ہر ماں باپ کو تیرے جیسی اولاد سے نوازے۔'' خوشی سے ان کی آواز بھیگنے لگی تو وہ خود بھی بے آواز رو دی۔

ماں باپ کی دعائیں ہی تو اولاد کا حوصلہ ہوتی ہیں اور اس کے ساتھ یہ دعائیں تھیں۔

''ہاں صرف اس لئے کیونکہ تم کما کر پیسے بھیج رہی ہو۔'' نجانے دل کے کسی گوشے سرگوشی ابھری تھی۔

''شش بدتمیز، یہ میرا فرض ہے۔'' اس نے اسے لتاڑا کر رکھ دیا، وہ خاموش ہو گیا، پہلے کی طرح چپ، کبھی کبھی احساسات سرگوشیاں بن کر دل کے نہاں خانوں سے ابھرنے لگتی ہیں جنہیں خاموش کرانا مشکل ہو جاتا ہے۔

اس نے وقتی طور پر تو انہیں خاموش کرا دیا آگے نجانے کیا ہونا باقی تھا، اسی کال کے دوران اسے آسیہ کی کال آنا شروع ہو گئی۔

ایک بار، دو بار، تین بار، وہ مسلسل کال کر رہی تھی اسے حیرت ہونے لگی، آسیہ خود اسے کال کر رہی تھی وہ بھی اتنی مرتبہ مسلسل، بات مکمل کر کے اس نے فوزیہ کو اپنا خیال رکھنے کی تلقین کی اور خدا حافظ کہہ کر کال منقطع کر دی، ایک بار پھر آسیہ کی کال آنے لگی، اس نے فوراً اس کی کال پک کی تھی، دوسری طرف بنا کسی سلام دعا کے وہ اس پر برس پڑی۔

''میں کب سے تمہیں کال کر رہی ہوں تم کس سے بات کر رہی تھی؟''

''میں امی سے بات کر رہی تھی۔'' اس نے اس کے انداز کو اگنور کرتے ہوئے بڑے تحمل سے جواب دیا تھا جسے سن کر وہ ٹھنڈی پڑ گئی۔

''اچھا میں سمجھی کوئی نئی دوست بنا لی۔'' وہ ذرا سی کھسیا گئی۔

''لو میں نے یہاں کسے دوست بنانا ہے۔''

وہ جان بوجھ کر عظمٰی سے دوستی کا چھپا گئی، آسیہ کی شروع سے عادت تھی وہ اس کے ساتھ کسی کو برداشت نہیں کرتی تھی اور خود کسی مرضی سے دوستیاں گانٹھ لیا کرتی تھی، اس نے اس کی اس عادت پر کبھی اس کو ٹوکا نہیں تھا۔

''تم بتاؤ اس قدر بے چین کیوں تھی کیوں کال کر رہی تھی؟'' اس نے پوچھا۔

''میں...... کیوں کیا میں تمہیں کال نہیں کر سکتی۔'' اس کے انداز میں تیزی پھر سے لوٹ آئی تھی، عائزہ مسکرا دی، اتنی مہنگی کال آسیہ اسے کر رہی تھی تو ضرور کوئی بات تھی ورنہ آسیہ اس معاملے میں خاصی کنجوس واقعی ہوئی تھی۔

اور وہ یہ بھی جانتی تھی جب تک آسیہ خود اسے نہیں بتانا چاہے گی تو وہ لاکھ پوچھ لے مگر وہ نہیں بتائے گی اس لئے اس نے دوبارہ اس کے کال کرنے کا مقصد پوچھا ہی نہیں جانتی تھی اس کے پیٹ میں بات ہضم نہیں ہوتی وہ خود اگل

دے گی اور ہوا بھی کچھ ایسے ہی کچھ دیر بھی وہ خود اسے کہہ رہی تھی۔

''کل خالہ کو تم نے پچاس ہزار روپے بھیجے میرے لئے کچھ بھی نہیں بھیجا، اتنے پیسوں میں سے کچھ مجھے بھی بھیج دیتی تو کیا فرق پڑ جاتا تم تو اتنا کما رہی ہو، مجھے بہت دکھ ہوا۔'' عائزہ ایک دم شرمندہ ہوگئی، وہ خود اس سے امید لگائے بیٹھی تھی اور اس نے اس کی امید کو توڑ دیا تھا۔

''معاف کرنا عاصی مجھے خیال ہی نہیں رہا، تم بتاؤ تمہیں کیا چاہیے؟'' اس کا انداز معذرت خواہ تھا۔

''جو میں کہوں گی وہ بھیجو گی۔'' وہ فوراً مطلب کی بات پر اتر آئی۔

''ہاں بالکل تم کہو۔'' اس نے اجازت دی۔

''مجھے لیپ ٹاپ بھیجو، مجھے اسے استعمال کرنے کا بہت شوق ہے۔'' اس نے کہا۔

''لیپ ٹاپ۔'' گو کہ یہ تھوڑا مہنگا ہو جاتا مگر اس نے کچھ سوچ کر حامی بھرلی۔

''ٹھیک ہے تمہیں اگلے مہینے لیپ ٹاپ بھیجوادوں گی۔''

''پکا؟'' وہ تصدیق چاہتی تھی۔

''سو فیصد پکا۔'' وہ مسکرادی۔

ایک ہی تو دوست تھی وہ اسے کھونا نہیں چاہتی تھی، وہ ہمیشہ اس کی دوست رہے اس کے ساتھ رہے اس پر توجہ دیتی رہے اس کے لئے اسے جو بھی قیمت چکانی پڑتی وہ اس کے تیار تھی۔

اب اس سے رابطے میں رہنے کے لیئے وہ اتنا تو کر ہی سکتی تھی اور وہ یہ سب کرنے کو تیار تھی، آخر کو کما رہی تھی، وہ کچھ بھی کر سکتی تھی کچھ بھی خرید سکتی تھی۔

☆☆☆

اگلے پورے مہینے اوور ٹائم جاب کرنے کے بعد اس کے پاس اتنے پیسے تو ہو گئے تھے جن سے وہ تین لیپ ٹاپ خرید سکتی تھی، تنخواہ ملنے پر سب سے پہلے اس نے لیپ ٹاپ خریدے ایک خود رکھا دو لیپ ٹاپ اور پیسے عظمیٰ کے ہاتھ گھر بھجوادیے۔

اتنی مہنگی برانڈ کا خوبصورت سا لیپ ٹاپ پا کر معید کی خوشی کا کوئی عالم ہی نہیں تھا، ایک اور خواہش پایہ تکمیل تک پہنچی تھی، ان کے دلوں میں اس کی قدر و قیمت اور بڑھنے لگی تھی، گفتگو کے دوران فوزیہ نے ناگواری سے کہا۔

''عائزہ یہ تم نے آسیہ کو لیپ ٹاپ کیوں بھیجا، اس پر اتنے پیسے ضائع کرنے کی کیا ضرورت تھی۔'' تو اس نے بڑی سہولت سے انہیں سمجھایا۔

''کوئی بات نہیں اماں وہ میری دوست ہے اس نے فرمائش کی تھی اس لئے میں نے بھیج دیا، میں اتنا کما رہی ہوں کسی کی مدد کر دوں گی تو ثواب ہی ملے گا، آپ کے پاس بھی اگر بھی ضرورت مند آجائے تو خالی ہاتھ مت لوٹائیں گا۔''

''یہ تو ملانی کب سے بن گئی؟'' اس کے ماتھے کا بل ابھی بھی برقرار تھا۔

''ہاہا اماں اب ایسی بھی کوئی بات نہیں ہے۔''

''مگر میری بات دھیان میں رکھیئے گا۔'' اس نے ہنس کر ماحول کی کشیدگی کو کم کیا، فوزیہ اونہہ کر کے رہ گئی۔

زندگی کے شب و روز اسی طرح گزر رہے تھے، عظمیٰ پاکستان واپس جا چکی تھی، اس وقت وہ اس کے سامنے بہادر بنی مسکراتی رہی مگر اب اس کے بعد صحیح معنوں میں اسے اپنے اکیلے پن کا

احساس ہوا تھا۔

وہ جب تک اس کے ساتھ رہی کبھی احساس نہ ہوا وہ اپنے ملک سے دور اس دیار غیر میں ہے، مگر اب اسے ائیر پورٹ پر چھوڑنے کے بعد وہ گھر آئی تو پہلے ہی مرحلے پر اس کے پورشن میں لگے بڑے سے تالے نے اس کے قدم من بھر کے کر دیئے تھے، کتنی ہی دیر وہ ایک ہی جگہ کھڑی رہی، اس نے نظر اٹھا کر اوپر جاتی سیڑھیوں کی طرف دیکھا وہاں کوئی اس کا منتظر نہیں تھا اور نہ ہی روز ہوتا تھا، مگر روز کبھی یا تو عظمیٰ اوپر چلی آتی تھی یا وہ نیچے آ جایا کرتی تھی اور اب اسے اکیلے اوپر جانا تھا۔

وہ وہاں بالکل اکیلی ہو گی نیچے بھی کوئی نہیں ہو گا، اسے ایک دم خوف کا احساس ہوا۔

یہ احساس شاید اسے نہ ہوتا مگر عظمیٰ کی کہی باتیں اسے یہ احساس دلانے پر مجبور کر رہی تھی، اس اتنے بڑے گھر میں، میں اکیلی رہو گی، اکیلے رہنے کے خیال سے ہی اسے ڈر لگنے لگا تھا۔

''آج نہیں تو کل تمہیں کسی کے ساتھ کی ضرورت محسوس ہو گی۔'' عظمیٰ کی کہی بات اس کی سماعتوں کے پردے پر تھرکی تھی۔

''میں ایسے ہی قنوطیت کا شکار ہو رہی ہوں، دو مہینے کا ساتھ تھا بس اس لئے ایسا محسوس کر رہی ہوں۔'' سر جھٹکتے ہوئے اس نے اوپر کی طرف قدم بڑھا دیئے۔

پاکستان سے یہاں آتے سے تمہارے ساتھ احسان تھا تمہارا ساتھی جس کے ساتھ اکیلے پن کی فکر سے آزاد تم یہاں آئی تھی، اس نے چھوڑ دیا تو عظمیٰ کا ساتھ مل گیا، مگر اب، تم مان لو تم اکیلی ہو۔

''اکیلی اکیلی ایکدم اکیلی۔'' اس کے دل کی آوازیں اس کے کانوں پر ہتھوڑے برسانے لگی تو وہ تیزی سے سٹیپ پھلانگتی اوپر آ گئی دروازے بند کیے وہ کمرے میں آ کر بیڈ پر بیٹھ گئی، بیگ اور دوپٹہ اتار کر اس نے بے ترتیب سا بیڈ پر ڈال دیا، سامنے شیشے میں نظر آتے اپنے عکس پر نظر جمائے وہ کتنی ہی دیر خود کو دیکھتی رہی۔

''کیا میں اکیلی نہیں رہ سکتی؟ کیا یہ ضروری ہے میرے ساتھ کوئی دوسرا بھی ہو؟'' اس نے خود سے سوال کیا۔

''میں یہاں کسی کا ساتھ پانے تو نہیں آئی، جو ساتھ تھا وہ یہاں تک لانے کا ذریعہ تھا بس، اب مجھے کمانا ہے اور خواب کو خواہش، خواہش کو آرزو بننے سے روکنا ہے۔''

''اب سے مجھے اپنے لئے نہیں اپنے سے جڑے لوگوں کے لئے سوچنا ہے، احسان بھی تو تمہارے ساتھ جڑا ہے۔'' ایک آواز ابھری تھی۔

''ہرگز نہیں، بس اس کا نام مجھ سے جڑا ہے اور نام کے جڑنے سے کچھ نہیں ہوتا۔''

وہ ایک عورت تھی جس کا دل جذبات سے بھرا تھا مگر اس وقت اس نے اپنے ہر جذبات کا سر کچلا تھا، ہر ابھرتی آواز کا گلا گھونٹا تھا، کچھ دیر اسی طرح بیٹھے رہنے کے بعد وہ خود کو اچھی طرح باور کراتی اٹھ کھڑی ہوئی، اب آگے کا سفر اسے تنہا ہی طے کرنا تھا۔

☆☆☆

اس نے فیس بک جوائن کر لی تھی، اب وہ فون سے زیادہ فیس بک پر اسکائپ کی سہولت کی بدولت اپنوں سے لائیو بات کیا کرتی تھی، گھر والوں کے علاوہ وہ آسیہ اور عظمیٰ سے بھی رابطے میں تھی۔

اس نے زندگی سے سمجھوتہ کر لیا تھا، دن کا کافی حصہ جاب میں گزار کر وہ گھر آتی اپنے لئے

کھانا بناتی گھر والوں سے باتیں کرتی اور سو جاتی، اس کی بندھی روٹین سے وہ مطمئن ہونے لگی تھی جب اس کا دل ایک بار پھر بے چینیوں سے بھر گیا۔

چھٹی کا دن تھا وہ جلدی اٹھ جانے کی عادی تھی، آج بھی وہ جلدی بیدار ہوگئی، عظمیٰ کی یہاں موجودگی کے زمانے میں وہ دونوں چھٹی کا دن ایک ساتھ گزارا کرتی تھیں، گزرے دن یاد آنے لگے تو پچھلی طرف کی کھڑکی کھول کر نیچے جھانکنے لگی۔

ابھی تک نچلے پورشن میں کسی نے رہائش نہیں اختیار کی تھی، ہر طرف ویرانیاں تھیں پھول شاخوں پر مرجھانے لگے تھے، اس کے دل میں اداسی چھانے لگی، تو وہ کھڑکی بند کر کے پیچھے ہٹ گئی۔

اس کے کمرے میں اس کے علاوہ دو کھڑکیاں اور بھی تھیں ایک روڈ کی طرف کھلتی تھی جبکہ تیسری کھڑکی اس نے کبھی کھولنے کی زحمت نہیں کی تھی، آج جب وہ فارغ تھی وقت گزارنے کو کچھ پاس نہیں تھا جب ہی اس نے آج وہ کھڑکی کھول کر اس کی طرف کا جائزہ لینے کا فیصلہ کیا۔

کھڑکی پر پڑا بھاری پردہ سرکا کر جیسے ہی اس نے کھڑکی کے دونوں پٹ وا کیے تیز ہوا کا جھونکا، اس کے منہ سے ٹکرایا، ٹھنڈ کی ایک شدید لہر اس کے جسم میں کپکپی دوڑا گئی، اپنے گرد چادر اچھی طرح لپیٹ کر اس نے باہر جھانکا اس کی نظر سامنے اٹھی اور اٹھی کی اٹھی رہ گئی، اس کی نظروں کے سامنے احسان کے گھر کا لان تھا گو کہ درمیان میں کافی گھر موجود تھے مگر او نچائی پر ہونے کی وجہ سے وہ آسانی سے اس کا گھر دیکھ سکتی تھی۔

وہ یہ بات جانتی تھی وہ احسان کے گھر سے زیادہ دور نہیں رہتی مگر اس نے یہ تو سوچا ہی نہیں تھا وہ یہاں سے بھی اسے دیکھ سکتی ہے، اب جب کہ وہ اپنی زندگی کے اس باب کو بند کرنے جا رہی تھی سب کچھ بھولنے کی کوشش کرنے لگی تھی تو زندگی نے ایک بار پھر اسے پہلے والے مقام پر لا کھڑا کیا تھا، وہ اسی طرح بے جان کھڑی سامنے دیکھ رہی تھی جب اس کی نظر ایک سائیڈ پر ٹینس کھیلتے احسان پر پڑی، اس کے ساتھ راضیہ بھی تھی، وہ ٹک ٹکی باندھے انہیں دیکھنے لگی، اتنی دور سے بھی اسے ان کے چہروں پر جمی آسودگی دیکھائی دے رہی تھی، اردگرد سے بے نیاز وہ دونوں اپنے کھیل میں مگن تھے، ان کے دونوں بچے سامنے پڑی کین کی کرسیوں پر بیٹھے ماں باپ کے کھیل سے لطف اندوز ہو رہے تھے، وہ خود کو وہاں محسوس کرنے لگی تھی اسی لئے اتنی محویت سے انہیں دیکھنے لگی۔

وہ کھڑکی کے پٹ پر کہنیاں ٹکائے ہاتھوں کے پیالوں میں چہرہ رکھے ان پر نظر جمائے ہوئے تھی۔

ہر طرح سے مکمل فیملی کسی دوسرے کی مداخلت کی قطعی ضرورت نہیں تھی، اس کی سوچیں سلگنے لگی۔

اس کی سوچ کی طرح موسم نے بھی انگڑائی لی ایک دم تیز ہوائیں چلنے لگی، ایسا لگتا تھا ہوا شاید غصے میں اپنے ساتھ سب کچھ اڑا کر لے جائے گی، ایسے شدید موسم میں بھی ڈھیٹ بنی وہیں کھڑی رہی نظریں سامنے جمائے ہوئے تھی جب اس نے دیکھا۔

ہوا کی شدت سے گھبرا کر احسان تیزی سے راضیہ کے پاس آیا اور تیزی سے اس کو اپنی بانہوں میں لئے گھبرائے بچوں کا ہاتھ پکڑے انہیں اپنے مضبوط سائبان تلے لئے اندر چلا گیا۔

سامنے کا منظر صاف تھا، وہ وہاں موجود نہیں تھا سب گھروں کی کھڑکیاں بند تھیں مگر وہ اسی طرح بے حس کھڑی سامنے دیکھتی رہی ہوا کے ساتھ اڑتی مٹی کے ننھے ننھے ذرے اس کی آنکھوں میں گھس کر سامنے کا منظر دھندلا کرنے لگے تو وہ کھڑکی بند کرتی دیوار سے ٹیک لگائے وہیں زمین پر بیٹھ گئی، اسے اس موسم سے ہمیشہ سے خوف محسوس ہوا کرتا تھا اور اب ایسے موسم میں اپنے اکیلے پن کا احساس زیادہ شدت سے ہونے لگا، اس پر چانچہ یہ کہ کچھ دیر پہلے کا منظر اس کی نظروں کے سامنے سے ہٹ کے ہی نہیں دے رہا تھا، اس نے سختی سے آنکھیں میچ لیں، ہوا کے تھپیڑے کھڑکیوں پر دستک دے کر اس کے خوف میں مزید اضافہ کرنے لگے، اس کے پاس کوئی نہیں تھا وہ چاہنے کے باوجود اس وقت کسی کو اپنے پاس نہیں بلا سکتی تھی۔

''احسان میں بھی تمہاری بیوی ہوں اس وقت مجھے تمہاری پناہ کی ضرورت ہے، مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے احسان۔'' بے بسی کے شدید احساس تلے دب کر وہ چلا اٹھی تھی۔

اپنے اندر کے شور کو وہ باہر نکال دینا چاہتی تھی تا کہ باہر کا موسم اسے ڈرائے ناں، اپنے ڈر سے مجبور ہو کر وہ آج اکیلے میں اس بے وفا کے نام کو پکار رہی تھی جس نے اسے اکیلا کر دیا تھا۔

''مجھے کیوں اکیلا کر دیا احسان، تمہیں اس وقت میرا خیال کیوں نہیں آ رہا، میں بھی تو اکیلی ہوں مجھے بھی تو ڈر لگ رہا ہے، مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے احسان۔'' وہ رو دی، گھٹنوں میں سر دیئے وہ بری طرح سسک پڑی تھی۔

''سب نے مجھے استعمال کیا، میری ذات کو اتنا روندا کے میرے ہونے کا احساس تک مٹا دیا، مگر اب میں کیا کروں میری اپنی ذات کا احساس مجھے جینے نہیں دے رہا۔'' فضا میں تحلیل ہونے لگی تھی۔

''سب اپنی اپنی زندگی میں خوش ہیں، کوئی میرا کیوں نہیں سوچتا؟'' اس کے اندر کا غبار باہر نکل رہا تھا، وہ مسلسل بڑبڑائے جا رہی تھی مگر یہاں اسے سننے والا کوئی نہیں تھا۔

وہ خود ہی کہتی رہی خود ہی سنتی رہی اور جب تھک گئی تو خاموشی اختیار کر لی، ہوا بھی شاید اعتدال پر آ گئی تھی باہر ہوتی دستکیں رک چکی تھیں اتنا زیادہ رونے کی وجہ سے اس کی آنکھیں سوج گئی تھیں، جیسے ہی وہ بیٹھے سے دراز قد ہوئی اس کی نظریں سامنے شیشے میں نظر آتے اپنے عکس پر ٹھہر سی گئی۔

اس نے کبھی خود کو غور سے دیکھنے کی ضرورت محسوس نہیں کی تھی مگر نجانے کیوں اس کا دل چاہا وہ خود کو دیکھے۔

چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی شیشے کے سامنے آن رکی، اس کے سامنے وہ خود تھی سانولی رنگت، موٹے موٹے نین نقش، اس نے ہاتھ بڑھا کر اپنے نقش چھونا شروع کر دیئے، چھوٹی پھیلی ناک، موٹے موٹے ہونٹ اور گول آنکھیں، بھرا بھرا جسم، کچھ بھی تو خاص نہیں تھا، تو اس لئے آج تک کسی کی خاص نظر مجھ پر نہیں ٹھہری، یہ میرا اکیلا پن تو میری ہی ذات کا حصہ ہے، اسے خود پر شدید تاؤ آنے لگا۔

''اسی لئے مجھ پر ایک نظر کے بعد دوبارہ نگاہ نہیں کرتے، راضیہ مجھ سے اتنی خوبصورت ہے، اگر میں خوبصورت ہوتی تو احسان میرے متعلق سوچنے پر مجبور ہو جاتا۔'' اس کی سوچ کا زاویہ بدلنے لگا تھا۔

خود اپنا مذاق اڑاتی وہ شیشے کے سامنے سے ہٹ گئی، اس کے اندر احساس کمتری جاگ اٹھا تھا

اور جب احساس کمتری انسانی سوچ میں جگہ بنا لے تو پھر کسی پوزیٹو سوچ کی گنجائش ہی باقی نہیں رہتی، وہ بے مقصد ہی کچھ دیر کمرے میں ٹہلتی رہی، پھر فریش ہو کر وہ ایک بار پھر شیشے کے سامنے تھی۔

اس نے کبھی خود کو سجانے کے لئے مصنوعی چیزوں کا سہارا نہیں لیا تھا یا شاید اپنے اوپر پڑی ذمہ داریوں نے کبھی اس کو اپنی طرف سوچنے کا موقع ہی نہیں دیا تھا، ڈریسنگ ٹیبل پر عظمیٰ کی لائی طرح طرح کی کریمیں بجی تھی انہی میں سے ایک کریم اٹھا کر اس نے اپنے سلونے چہرے پر لگائی، مگر کچھ خاص فرق محسوس نہ ہوا۔

کریم کے اوپر اس نے ایک دوسری کریم لگا لی، سفید کریم کا مکسچر چہرے پر چمکنے لگا تو چہرہ اور بھی عجیب لگنے لگا، کریم کی بوتلوں کو ہاتھ سے نیچے گرانی وہ اٹھی اور منہ دھو کر واپس آ گئی، اس کی ذہنی رو مسلسل بھٹک رہی تھی، اس کے سر میں شدید درد ہونے لگا، گھر کی تنہائی آسیب بن کر اس کے حواسوں پر چھانے لگی تھی، جب تنگ آ کر وہ بیگ اٹھاتی گردوسری کرنے کی نیت سے گھر سے باہر نکل آئی۔

باہر آ کر بھی اس کی حالت میں کوئی فرق نہیں پڑا تھا، ہر مسکراتا چہرہ اسے اپنا مذاق اڑاتا محسوس ہو رہا تھا، ہنستے مسکراتے لوگوں کو دیکھ کر اسے وحشت ہونے لگی وہ اپنے دل میں ان کے لئے شدید جلن محسوس کرنے لگی تھی، کافی دیر وہ اسی طرح بے مقصد گردوسری کی چیزیں خریدتی رہی اور جب تھکنے لگی تو گھر واپس آ گئی، درد حد سے سوا ہونے لگا تو اس نے درد کی گولی لی۔

حالات سے فرار کا اس کے پاس کوئی دوسرا راستہ نہیں تھا جب اس نے آج کے سامان میں لائی سلیپنگ پلز میں سے گولی نکالی اور کھا کر سونے کے لئے لیٹ گئی۔

آج اس کا دل کسی سے بھی بات کرنے کا نہیں تھا، کچھ دیر اسی طرح اپنی سلگتی سوچوں کے ہمراہ پڑی سوچتی رہی جب گولی نے اثر کیا تو ہر سوچ سے بے خبر سو گئی، مگر سونے سے قبل جو آخری سوچ اس کے ذہن میں گردش کر رہی تھی وہ یہی تھی۔

''اپنے حصے کی خوشیاں میں زندگی سے خود وصولوں گی۔'' وہ خود بھی نہیں جانتی تھی وہ ایسا کیسے کرے گی مگر اس نے پھر بھی ایسا سوچا تھا۔

☆☆☆

اگلی صبح وہ بیدار ہوئی تو کل کی نسبت تھوڑا بہتر تھی مگر مصنوعی نیند لینے کے لئے وہ گولی اس نے استعمال کی تھی اس کا اثر ابھی تک حواسوں پر طاری تھا، یہی وجہ تھی نیند سے بیدار ہونے کے باوجود سوئی سوئی کیفیت میں تھی، کچھ دیر اسی طرح لیٹی رہنے کے بعد اس نے گھڑی میں ٹائم دیکھا، آفس جانے میں بس تھوڑا ہی وقت بچا تھا، ہمت مجتمع کرتی وہ بستر سے نکلی ٹھنڈے پانی سے شاور لینے کے بعد حواس تھوڑے بحال ہوئے، بنا ناشتہ کیے وہ آفس کے لئے نکل گئی۔

معمول کی طرح کام کرنے کے بعد لنچ آور میں کینٹین روم میں بیٹھی وہ کافی کا مگ ہاتھ میں پکڑے گہری سوچ میں گم تھی جب اس کے کیبن کا ایک لڑکا اس کے قریب کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گیا، وہ اپنی سوچ میں اس قدر ڈوبی تھی کہ اس کی طرف متوجہ ہی نہیں ہوئی۔

اس نے چند پل اس کے متوجہ ہونے کا انتظار کیا تھا، مگر جب وہ اس کی توجہ پانے میں ناکام رہا تو اس کو پکار کر اس کی توجہ حاصل کرنا چاہی مگر بے سود، جب اس نے ٹیبل بجا کر اسے اپنی طرف متوجہ کرنا چاہا اس بار اس کی کوشش

رائیگاں نہیں گئی تھی وہ چونک کر اس کی طرف متوجہ ہوئی تھی، اس وقت اس کی نظروں میں اس کے لئے شناسائی کی کوئی رمق دیکھائی نہیں دی تھی، تب اس نے خود مسکرا کر اپنا تعارف پیش کیا تھا۔

''میں ابراہیم ہوں آپ کے ساتھ کام کرتا ہوں شاید آپ نے مجھے پہچانا نہیں۔'' وہ واقعی اسے پہچان نہیں پائی تھی اس لئے اب بھی خاموش رہی۔

اسے یہاں جاب کرتے تین مہینے ہوئے تھے مگر ان تین مہینوں میں ابھی تک اس نے کسی سے کوئی مراسم نہیں بڑھائے تھے، اپنے آفس میں وہ زیادہ لوگوں کو نہیں جانتی تھی، اسی لئے اسے پہچان نہیں پا رہی تھی، وہ لڑکا مزید کہہ رہا تھا۔

''میں نوٹ کر رہا تھا جب سے آپ کی دوست عظمیٰ گئی ہے آپ نے کسی کی طرف دوستی کا ہاتھ نہیں بڑھایا خود اکیلی یہاں بیٹھ کر چائے کافی پیتی رہتی ہیں، آج آپ کو اکیلے دیکھ کر میں خود کو یہاں تک آنے سے روک نہیں پایا، آپ اس قدر خاموش کیوں رہتی ہیں؟'' اس نے بڑی سادگی سے سوال کیا تھا، اس سے پہلے وہ جواب میں کچھ کہتی اس نے اگلا سوال کر دیا۔

''تنہائی پسند ہونا کوئی بری بات ہیں ہے مگر آپ کا اور تنہائی کا تو جیسے بہت گہرا تعلق لگتا ہے۔'' اپنے سادہ انداز میں اس نے بڑی گہری بات کی تھی، وہ ایکدم چونک کر اس کی طرف دیکھنے لگی۔

ناگواری کی چند سلوٹیں اس کی پیشانی پر ابھر آئی تھیں، اسے لگا وہ خواہ مخواہ اس کی ذات میں دلچسپی لے رہا ہے۔

''میں خواہ مخواہ آپ کی ذات میں دلچسپی نہیں لے رہا۔'' مسکراہٹ لبوں میں دبائے اس نے جیسے اس کی سوچ کو پڑھا تھا، وہ بری طرح حیران ہوئی تھی۔

''اتنی حیران مت ہو، دراصل آپ بھی پاکستانی ہیں اور میں بھی، پہلے آپ عظمیٰ کے ساتھ نظر آتی تھیں، مگر عظمیٰ کے جانے کے بعد سے لے کر اب تک کے تمام عرصے میں، میں نے آپ کو افسردہ اور اکیلے دیکھا میں بس اس لئے آپ کی طرف چلا آیا۔'' اس نے وضاحت پیش کی۔

''اکیلی، تنہائی۔''

''کب سے اپنا فلسفہ پیش کیے جا رہے ہو آپ، میں مر نہیں جاؤں گی اکیلی رہ کر، میری فکر میں گھلنے کی ضرورت نہیں آپ کو سمجھے آپ۔'' اس نے غصے سے کہا اور کافی کا کپ ٹیبل پر پٹختی کرسی کھسکا کر وہاں سے چلی گئی۔

ابراہیم کتنی ہی دیر اس راستے کو دیکھتا رہا جہاں سے وہ گئی تھی، اس میں کچھ بھی خاص نہیں تھا مگر نجانے کیوں اس کے قدم اس کی طرف بڑھے تھے، یا شاید یہ اس کی فطرت تھی جس سے مجبور ہو کر وہ اس میں دلچسپی لے رہا تھا، ہونٹوں پر انگلی رکھے وہ سوچ رہا تھا۔

''روز کی نسبت یہ آج زیادہ افسردہ دیکھائی دے رہی تھی نجانے ایسی کیا بات ہوئی ہے جو یہ اس قدر بھڑک رہی تھی۔''

☆☆☆

رات میں جب وہ اسکائپ پر آسیہ کے ساتھ آن لائن ہوئی تو اس نے اپنا گھر دیکھانے کی فرمائش کر دی، وہ اس کی فرمائش پر کافی حیران ہوئی تھی۔

''گھر دیکھ کر کیا کرو گی؟'' اس نے پوچھا۔

''کیوں میں کیا نظر لگا دوں گی تمہارے گھر کو؟'' اس کا انداز خاصا عجیب تھا، تب اس نے

لیپ ٹاپ ہاتھ میں لئے اپنا پورشن اسے دیکھایا۔
پورا گھر دیکھا کر وہ دوبارہ اس کے سامنے بیٹھ گئی۔
''تمہارا گھر تو بہت پیارا ہے، سامان بھی کافی قیمتی لگ رہا ہے لگتا ہے احسان بھائی نے ہر آسائش دے رکھی ہے تمہیں، خود ساتھ نہیں ہے تو کیا ہوا، یہ اتنا کچھ تو دے ہی رکھا ہے۔'' اس نے ہمیشہ کی طرح اس بار بھی اپنا آپ اس سے شیئر کیا تھا جسے سن کر اسے کوئی خاص فرق نہیں پڑا تھا اس کے نزدیک یہ کوئی اہم بات نہیں تھی اہم یہ تھا کہ وہ یہاں پہنچ گئی کمانے لگ گئی اور رہنے کو تو اتنا خوبصورت گھر مل گیا، اس کے نزدیک بس یہی زندگی تھی؟ زندگی کا مفہوم کیا بس یہی ہوتا ہے؟
''ہاں زندگی کا مفہوم یہی ہے خوب سارا پیسہ اور جینے کے لئے ہر آسائش۔'' اس کی تو اپنی سوچ بدل گئی تھی وہ اس سے کیا اختلاف کرتی۔
''یہ تم کیا کہہ رہی ہو؟'' اس نے حیرت کا بھرپور مظاہرہ کیا تھا۔
''ہاں بالکل، پیسے میں اتنی طاقت ہے ہم کچھ بھی خرید سکتے ہیں، کسی کا دل، کسی کی خوشیاں، اور شاید سکون بھی۔'' اس نے کہا تھا، آسیہ ایکدم ہی چپ ہوگئی۔
یہ بات اسے بھی محسوس ہو رہی تھی آسیہ روز کی نسبت آج چپ چپ سی تھی، اس نے سوچا تھا وہ خود اسے بتا دے گی مگر آج نجانے کیوں وہ بتا کر نہیں دے رہی تھی، تب بالآخر عائزہ نے خود اس سے پوچھ لیا۔
''کوئی مسئلہ ہے کیا آسیہ، تم آج کافی پریشان دیکھائی دے رہی ہو؟''
''ہاں پریشان تو ہوں۔'' بنا کسی رود کد کے اس نے اعتراف کرلیا۔
''تو بتاؤ کس وجہ سے پریشان ہو؟'' وہ استفہامیہ اسے دیکھنے لگی، آسیہ چند ثانیے خاموش رہنے کے بعد گویا ہوئی۔
''امی کی نظر بہت کمزور ہوگئی ہے ڈاکٹر نے امی کی آنکھوں کا آپریشن کروانے کا کہہ دیا ہے۔''
''اوہ تو تم لوگ آنٹی کا علاج کرواؤ ناں۔'' وہ خود بھی پریشان ہو اٹھی تھی۔
''کہاں سے علاج کروائیں ڈاکٹر اتنے پیسے مانگ رہا ہے۔'' وہ کہہ کر پھر ایکدم چپ ہو گئی، عائزہ بھی خاموشی سے اسے دیکھنے لگی جب آسیہ نے ایکدم نظر اٹھا کر اسے کہا۔
''تم مجھے پیسے بھیجو، تمہاری دوست ہوں تمہارا حق بنتا ہے ضرورت کے وقت میری مدد کرو۔''
''میں۔'' وہ اٹک کر بولی تھی۔
''میں اتنے پیسے کہاں سے بھیجوں گی آسیہ تمہیں معلوم ہے میں آدھے پیسے گھر بھیج دیتی ہوں باقی آدھے یہاں استعمال ہو جاتے ہیں، بہت کم پیسے بچتے ہیں، آنٹی کے علاج کے لئے تو کم از کم پچاس ہزار کی ضرورت ہوگی۔''
''ظرف کی بات ہے اگر تم چاہو تو مجھے پیسے بھیج سکتی ہو۔'' آسیہ نے تیزی سے کہا تھا۔
''آسیہ میں جتنا کماتی ہوں اس کا حساب تم خود بھی جانتی ہو۔'' اس نے اسے سمجھانا چاہا تھا۔
''تمہیں نہیں دینے تو صاف انکار کر دو، ورنہ یہ لیپ ٹاپ بھی تو بھیجا تھا، جس طرح آور ٹائم جاب کر کے پیسے جمع کیے تھے تم اس بار بھی ایسا کر سکتی ہو، تم چاہو تو مجھے پیسے بھیج سکتی ہو۔'' اس کے سامنے آور ٹائم جاب کا سجیشن رکھ کر وہ آس بھری نظروں سے اسے دیکھنے لگی، عائزہ نے انکار نہیں کیا تو اقرار بھی نہیں کیا۔
جب تو آفس میں کام کا برڈن زیادہ تھا عظمیٰ کی جگہ پر اس نے کام کر کے آور ٹائم لگا لیا تھا، مگر

اب عظمیٰ کی جگہ دوسرے ورکر کو رکھ لیا گیا تھا وہ اور ٹائم کیسے لگا سکتی تھی۔

اسے خاموش دیکھ کر آسیہ نے غصے میں لیپ ٹاپ آف کرکے رابطہ منقطع کرلیا، عائزہ ایکدم بوکھلا گئی۔

آسیہ اس کی کمزوری سے واقف تھی وہ اس کے بنا نہیں رہ سکتی تھی جیسے بھی صحیح مگر اس سے رابطے میں رہ کر وہ اپنی ہر بات اس سے ڈسکس کیا کرتی تھی، آسیہ جب بھی ناراض ہوتی وہ اسے منالیتی تھی۔

اس کا شمار ان لوگوں میں ہوتا تھا جو دوستوں کو اپنی زندگی کی سب سے بڑی کمزوری بنالیتے ہیں، جن کے بغیر رہ کر خود کو ادھورا سمجھتے ہیں، آسیہ اسی لئے غصے میں واک آؤٹ کر گئی تھی جانتی تھی وہ اس کو منانے بھی آئے گی اور اس کا مطالبہ بھی پورا کرے گی۔

اور ہوا بھی ایسا ہی تھا، اس کے ناراض ہونے پر اس نے واقعی اور ٹائم جاب کرنے کا فیصلہ کرلیا تھا، مگر اس کے لئے اسے پارٹ ٹائم جاب ڈھونڈنی تھی، اس نے جو فیصلہ کیا تھا اسے امید تھی آسیہ کا مسئلہ حل ہو جائے گا، تو وہ دوبارہ اس کے ساتھ ہو گی، وہ مطمئن ہو کر لیپ ٹاپ آف کرتی اٹھ کھڑی ہوئی۔

بستر پر جانے سے ذرا پہلے وہ یوں ہی کھڑکی کھول کر سامنے دیکھنے لگی اس نے بلا مقصد ہی کھڑکی کھولی تھی مگر اس کے سامنے ایک بار پھر احسان اور راضیہ تھے، باہر تاریکی کا عالم تھا مگر لان میں لگی مصنوعی روشنیوں کی بدولت وہ انہیں آسانی سے دیکھ سکتی تھی وہ دونوں ہاتھوں میں ہاتھ ڈالے واک کر رہے تھے۔

جتنی دیر وہ واک کرتے رہے اتنی دیر وہ خاموش کھڑی انہیں دیکھتی رہی، ایک بار پھر اس کی سوچیں سلگنے لگی تھی۔

اپنے اکیلے ہونے کا احساس ستانے لگا تو اسے ابراہیم سے ہوئی مختصر سی ملاقات یاد آ گئی۔

''ہر کوئی میرا مذاق اڑاتا ہے۔'' اس نے لب بھینچ کر سامنے دیکھا تھا، وہ دونوں اب اندر کی طرف بڑھ رہے تھے۔

اس کو بے سکون کر کے وہ بڑے سکون سے وہاں سے جا چکے تھے، ان کے جانے کے کتنی ہی دیر بعد تک وہ وہاں کھڑی سلگتی رہی رات بڑھنے لگی تو کھڑکی بند کیے آ کر بستر پر گر سی گئی۔

''سب نے مجھے چھوڑ دیا، آسیہ بھی مجھے چھوڑ گئی ہے، میں آسیہ کو خود کو چھوڑنے نہیں دوں گی۔'' اس نے دل میں مصمم ارادہ کیا تھا۔

پھر جب تک وہ جاگتی رہی اسی بات کو سوچتی رہی اور جب نیند نے اسے اپنی آغوش میں لیا تو بے خبر سو گئی۔

☆☆☆

اگلے روز وقت مقررہ پر اس نے آسیہ کے آن لائن ہونے کا انتظار کیا تھا مگر وہ اس سے شدید ناراض تھی نہ تو وہ آن لائن ہوئی نہ ہی اس کی کال پک کی، اس نے کتنے ہی میسج اسے کیے کہ وہ پارٹ ٹائم جاب کرنے کے لئے تیار ہے مگر آسیہ کا سرد رویہ جوں کا توں تھا۔

آسیہ کا یہ رویہ اسے بہت پریشان کر رہا تھا، سوچ سوچ کر اسے آدھے سر میں درد ہونے لگا تھا۔

تب وہ وقت گزارنے کو وہ فیس بک پر چلی آئی وہاں جا کر وہ کافی حیران ہوئی آسیہ وہاں آن لائن تھی، اس نے فوراً اسے میسج کیے مگر آسیہ نے اس کے کسی پیغام کا کسی کمنٹ کا کوئی رسپانس نہیں دیا وہ اسے اگنور کیے اپنی دوسری دوستوں سے باتیں کرتی رہی۔

اس کا یہ رویہ اسے بری طرح پریشان رہا تھا، اس کی دوست اسی کے سامنے دوسروں کو اس کے حصے کا وقت دے رہی تھی، اپنے نظر انداز کیے جانے اس کے اندر غم و غصہ بھر دیا شاید اشتعال میں مٹھیاں بھینچے وہ بری طرح جل بھن رہی تھی۔

''پیسوں کی خاطر تم میرے ساتھ اس طرح کر رہی ہو، دوں گی جہاں سے بھی دوں تمہیں پیسے دوں گی۔'' بے بسی کے شدید اشتعال تلے دب کر وہ کبھی روتی تو کبھی ہنس دیتی۔

''کوئی خوبصورتی کی وجہ سے مجھ پر کسی کو فوقیت دیتا ہے تو کوئی پیسوں کی وجہ سے۔''

''خوبصورتی نہ سہی مگر پیسہ تو ہے، میں اب کسی کو خود کو رد کرنے نہیں دوں گی۔''، اپنے رد کیے جانے کی توہین اسے پاگل کیے دے رہی تھی۔

جب وہ کسی بھی طرح آسیہ کی توجہ حاصل کرنے میں ناکام رہی تو فیس بک آف کر کے اٹھ کھڑی ہوئی اور کھڑکی میں آ کر کھڑی ہوئی۔

وہ جانتی تھی راضیہ اور احسان کو ایک ساتھ دیکھ کر اسے تکلیف ہوتی ہے مگر نجانے کیوں خود کو اذیت دینے کے لئے وہ آج پھر ان کو دیکھ رہی تھی، دیکھ رہی تھی اور سلگ رہی تھی۔

جب انسان کی برداشت کی حد ختم ہو جائے تو وہ ہر احساس سے عاری ہو جاتا ہے شاید وہ جلن اور حسد میں اس حد تک آگے بڑھ گئی تھی کہ خود اذیتی میں مبتلا ہونے لگی تھی، وہ جان بوجھ کر ان کو دیکھنے لگی تھی۔

تھوڑی سی تگ و دو کے بعد بالآخر تیسرے روز وہ اپنے آفس سے ذرا فاصلے پر ایک پھولوں کی شاپ پر پارٹ ٹائم جاب پانے میں کامیاب ہو گئی یہاں سے وہ اتنا کما سکتی تھی کہ آسیہ کو اس کی ماں کے علاج کے لئے پیسہ بھیج سکتی تھی، نوکری ملتے ہی اس نے یہ خوشخبری آسیہ کو دی تھی، اس نے ایک ٹیکسٹ کے بدلے آسیہ تمام ناراضگی بھلائے خود اسے کال کر رہی تھی اس کی کال پک کرتے وقت اس کے لبوں پر بڑی طنزیہ مگر پرسکون مسکراہٹ تھی۔

بالآخر اس نے خود سے دور جاتی آسیہ کو دور جانے سے روک لیا تھا، آسیہ بہت خوش تھی، مگر وہ اپنے رویے پر ذرا سا بھی نادم نہیں تھی اسے لگا اس کا ناراض ہونا درست تھا، وہ ناراض نہ ہوتی تو عائزہ کبھی بھی اتنا سنجیدہ ہو کر جاب کا نہ سوچتی۔

اس کی بات کسی حد تک سچ بھی تھی، دو ٹائم جاب کرنے کی وجہ سے وہ پہلے سے کہیں زیادہ مصروف ہو گئی تھی، رات تھکی ہاری آنے کے باوجود بھی وہ اپنے گھر والوں، آسیہ اور عظمٰی سے بات ضرور کیا کرتی تھی، ان سے بات کرنے کے علاوہ اس نے اپنے معمول میں ایک اور مصروفیت کا اضافہ کیا تھا اور وہ تھا روز رات احسان اور راضیہ کو واک کرتے دیکھنا، وہ جتنی دیر دکھائی دیتے وہ انہیں دیکھتی رہتی۔

اس کے آدھے سر میں اب ہر وقت درد رہنے لگا تھا پہلے سے کہیں زیادہ وہ خود سے لاپرواہ ہو گئی تھی، نیند کی کمی کی وجہ سے اس کی آنکھوں کے گرد سیاہ حلقے واضح ہونے لگے تھے، وہ پہلے سے کہیں زیادہ بدصورت لگنے لگی تھی۔

ابراہیم کے ساتھ اس کا رویہ پہلے دن کی طرح تھا جب سے اس نے پھولوں کی شاپ پر جاب شروع کی تھی ابراہیم وہاں چکر ضرور لگایا کرتا تھا، وہ اس سے بولتی نہیں تھی مگر اسے وہاں آنے سے روکتی بھی نہیں تھی، آج بھی وہ کاؤنٹر پر بیٹھی تھی جبکہ ابراہیم ایک طرف کھڑا نیوز پیپر کا مطالعہ کر رہا تھا، جب ایک انگریز نوجوان جوڑا بانہوں میں بانہیں ڈالے اندر داخل ہوا۔

عائزہ ایک دم سیدھی ہوئی تھی اب اس کی سوچ کا یہ عالم ہو گیا تھا جو بھی مسکراتا چہرہ دیکھائی دیتا اسے لگتا وہ اس کا مذاق اڑا رہے ہیں، اس کا بس نہیں چلتا تھا وہ ان کا مسکراتا چہرہ نوچ لے، اس کے حسد کا یہ عالم تھا کوئی بھی خوش دیکھائی دیتا تو اس کا دل چاہتا وہ خود ان کے درمیان آ جائے۔

''جب انسان کے اندر ضرورت سے زیادہ سیاہی بھر جائے تو وہ سیاہی اس کے چہرے سے چھلکنے لگتی ہے، آسیہ کے دل کی سیاہی حسد کی صورت اس کے چہرے پر صاف دیکھائی دے رہی تھی۔'' اس کی پیشانی پر سلوٹیں دور سے بھی دیکھائی دے رہی تھیں، ابراہیم بڑی خاموشی سے اس کے چہرے کے اتار چڑھاؤ کا جائزہ لے رہا تھا۔

اس کی نگاہیں اس جوڑے پر جمی تھی جو بڑے خوشگوار موڈ میں سرخ گلابوں کا معائنہ کر رہے تھے۔

لڑکے نے اس لڑکی کی طرف جھک کر سرگوشی میں نجانے کیا کہا تھا جس کی بدولت اس کا چہرہ پھولوں کی طرح سرخ ہوا تھا۔

ذرا دور کھڑی عائزہ کا بس نہ چل رہا تھا اس لڑکی کی جگہ خود کھڑی ہو جائے کوئی اس پر توجہ دے۔

پھولوں کا معائنہ کرنے کے بعد وہ جوڑا اب اس کی طرف بڑھ رہا تھا وہ ابھی بھی انہی تاثرات کے ساتھ انہیں گھورتی نگاہوں سے دیکھ رہی تھی جب وہ جوڑا اس کے قریب آیا اس لڑکے نے شستہ انگریزی میں اس سے کہا۔

''مجھے اس شاپ کے سارے گلاب چاہیے۔''

''گلاب نہیں ہے۔'' اس نے انگریزی میں اسے پھول دینے سے انکار کیا۔

''نہیں ہے مطلب؟ یہ اتنے سارے پھول پھر کس لئے ہیں؟'' وہ ازحد حیران دیکھائی دے رہا تھا اس کی ساتھی کی آنکھوں سے بھی حیرت نمایاں تھی۔

''کہا ہے نا نہیں ہے، گیٹ آؤٹ جاؤ یہاں سے۔'' وہ اونچی آواز میں چلائی۔

''جاؤ ورنہ دھکے مار کے باہر نکال دوں گی، ان پھولوں میں سے ایک پھول بھی تم لوگوں کو نہیں دوں گی۔'' جارحانہ عزائم لئے بڑے خطرناک موڈ سمیت وہ کاؤنٹر سے باہر آ رہی تھی۔

ابراہیم کو ایک دم خطرے کا احساس ہوا تو وہ فوراً آگے بڑھا ان دونوں کو بڑے احترام کے ساتھ یہاں سے چلے جانے کی التجاء کی، وہ دونوں اس کے اس طرح اچانک بگڑنے کی وجہ سے ایکدم بالکل انجان تھے اور خاصا حیران دیکھائی دے رہے تھے۔

''انہیں لگا وہ پاگل ہے۔'' اور اس وقت وہ واقعی پاگل ہو رہی تھی ان پر جھپٹنے کو تیار، وہ دونوں اسے اپنی طرف بڑھتے دیکھ کر تیزی سے دوکان سے باہر نکل گئے، ابراہیم نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

''عائزہ!''

''عائزہ تمہاری طبیعت خراب ہے کیا؟''

اسے اس وقت اس سے کافی ہمدردی محسوس ہو رہی تھی، وہ اسی پر پھٹ پڑی۔

''تمہیں کیوں بتاؤں، کون ہو تم میرے؟ ہر جگہ میرا تماشا دیکھنے چلے آتے ہو، جانتے ہو ناں میں اکیلی ہوں، پاگل ہو گئی ہوں میں نہیں برداشت ہوتا مجھ سے یہ سب، صرف مجھے ہی کیوں ٹھکرایا جاتا ہے۔'' وہ سسک پڑی۔

ابراہیم گھبرایا نہیں تھا وہ ایک سائیکا ٹرسٹ

تھا عائزہ کے تاثرات سے اس کے اس ردعمل سے اس کی دلی کیفیت سمجھ سکتا تھا۔

وہ کافی عرصے سے اس کا خاموش جائزہ لے رہا تھا، جو حالت اس کی تھی اگر اس کو روکا نہ جاتا تو وہ اپنے حسد میں اس حد تک بڑھ جاتی کہ وہ بنا کسی بیماری کے ختم ہو جاتی مر جاتی۔

ابراہیم اسے مرنے دینا نہیں چاہتا تھا، اس نے بارہا بار چاہا وہ اس سے اپنا آپ شیئر کرے مگر عائزہ کبھی اس سے بات نہیں کرتی تھی، اسی لئے وہ اب تک خاموش رہا تھا، مگر آج کے واقعہ کے بعد جو حالت اس کی دکھائی دے رہی تھی معلوم ہوتا تھا آج اسے سہارے کی اشد ضرورت ہے جس کی توجہ ملنے پر وہ اپنا دکھ اپنا آپ اس سے شیئر کرے گی، ابراہیم نے اس کے چلانے کا برا مانے بنا اس کا ہاتھ اسی طرح پکڑے رکھا اس کے رونے میں مزید اضافہ ہو رہا تھا۔

وہ اس کا ہاتھ پکڑے سامنے بڑھا اسے سامنے پڑی کرسی پر بیٹھا کر خود بھی اس کے ساتھ کرسی پر بیٹھ گیا، جگ سے پانی گلاس میں انڈیل کر گلاس اس کی طرف بڑھایا۔

''پانی پیو۔'' اس کا انداز حلاوت لئے ہوئے تھا۔

وہ چاہ کر بھی انکار نہیں کر پائی اور خاموشی سے گلاس اس کے ہاتھ سے لے کر دو گھونٹ پانی پیا اور گلاس ہاتھ میں پکڑ کر بیٹھ گئی، اس کے بہتے آنسو اب بھی بہہ رہے تھے۔

ابراہیم نے بڑی سمجھداری سے اس کے اندر کا حال اس کی زبان سے اگلوانا چاہا تھا تا کہ اس کا بوجھ کم ہو جائے وہ اندر سے ہلکی ہو جائے، اس کی حالت میں بہتری آ جائے، اس نے پوچھا۔

''تمہیں ان دونوں کو دیکھ کر بہت غصہ آیا ناں؟''

''ہاں۔'' اس کا جواب مختصر مگر سچائی پر مبنی تھا، ابراہیم نے گہرا سانس بھرا وہ آج بولی تو سہی۔

''اچھا...... مگر ان کی کس بات نے تمہیں اس حد تک غصہ دلایا؟'' اس کا انداز بڑا سرسری تھا مگر اس کی ساری توجہ کا ارتکاز اس کی طرف تھا۔

کچھ پل کو وہ خاموش رہی اور جب بولی تو اس کے چہرے پر غصہ ایک بار پھر ابھرنے لگا تھا۔

''تم نے دیکھا نہیں وہ کس طرح اندر داخل ہوئے تھے، ہاتھوں میں ہاتھ ڈالے۔'' وہ ٹرانس کی سی کیفیت میں بتا گئی تھی۔

''تو تمہیں ان کا ہاتھوں میں ہاتھ ڈالنا برا لگا؟'' اس کا انداز بالکل بھی کریدتا ہوا نہیں تھا۔

''ہاں...... نہیں شاید ان کے مسکراتے چہرے، وہ مسکرا رہے تھے کتنی بے فکر مسکراہٹ تھی ان کی، ایک دوسرے کی سنگت میں کس قدر خوش دکھائی دے رہے تھے وہ، سب خوش ہیں، مگر میں خوش کیوں نہیں ہوں؟'' وہ الجھن بھری نگاہوں سے اس کو دیکھنے لگی، وہ جانتی نہیں تھی مگر اس سے استفسار کر رہی تھی۔

''شاید اس لئے کہ آپ خوش رہنا ہی نہیں چاہتی۔'' اس نے بڑا نپا تلا جواب دیا تھا جس کا نتیجہ فوراً برآمد ہوا تھا۔

''میں؟ میں خوش رہنا نہیں چاہتی؟ میں خوش رہنا چاہتی ہوں ابراہیم مگر میں کیسے خوش رہوں میں تو بالکل اکیلی ہوں۔'' اس کا انداز معصومانہ تھا۔

''یہ تو بہت غلط بات ہے سب کو آپ کو اکیلا نہیں کرنا چاہیے تھا۔'' اس نے جان بوجھ کر ہمدردی ظاہر کی تھی۔

''ہاں ابراہیم، تمہیں پتا ہے سب مجھ سے بس مانگتے ہیں مجھے کوئی بھی نہیں دیتا اور میں نہ دوں تو سب مجھ سے دور ہونے لگتے ہیں، میں بس ضرورت کی ساتھی بن گئی ہوں، مجھے بہت ڈر لگتا ہے اس وقت سے جب میں کسی کی بھی ضرورتیں پوری کرنے کے قابل نہیں رہوں گی سب مجھے چھوڑ دیں گے تب میرا کیا ہوگا؟'' اس کا خوف اس کی آنکھوں سے عیاں تھا، ابراہیم کو دکھ ہونے لگا، وہ اپنوں کی ستائی ہوئی تھی وہ اپنے جن کا ساتھ بے ریاں ہوتا ہے مگر انہی اپنوں نے اس کی سوچ کو ہی بدل دیا تھا۔

''مگر میں وہ وقت کبھی آنے نہیں دوں گی میں سب کو دوں گی چاہے مجھے کچھ بھی کرنا پڑے، تم دیکھنا پھر سب میرے اردگرد رہیں گے میں کبھی اکیلی نہیں ہوں گی۔'' اس کے چہرے پر بڑی شاطرانہ مسکراہٹ آن جمی تھی۔

''مگر یہ بہت غلط بات ہے عائزہ۔'' ابراہیم نے اس کو سمجھانا چاہا۔

''کسی کی توجہ حاصل کرنے کا یہ طریقہ بہت غلط ہے۔'' وہ ابھی پاگل نہیں ہوئی تھی، مگر اس طرح کی باتیں سوچ سوچ کر اس نے ضرور پاگل ہو جانا تھا، ابراہیم نے اسے ابھی اسی مقام پر روکنا چاہا۔

''عائزہ آپ غیروں کی توجہ کیوں حاصل کرنا چاہتی ہو، آپ شادی کرلو، اپنا گھر بار ہوگا تو آپ اس طرح نہیں سوچو گی، نہ دوسروں کی بے توجہی آپ کو اس قدر کھلے گی۔'' اس کی بات پر اس نے ایکدم چونک کر اس کی طرف دیکھا تھا۔

''اپنا گھر بار۔'' وہ بہت زور سے ہنسی تھی، کتنی ہی دیر وہ ہنستی رہی اس کے لبوں پہ ہنسی تھی اور آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔

کتنا دشوار لگتا ہے ناں کسی کو اس حالت میں دیکھنا جب اس کا دکھ اسے ہنسا بھی رہا ہو اور بیک وقت رونے پر بھی مجبور کر رہا ہو، اس نے کچھ نہیں کہا تھا وہ خاموش ہی رہا۔

البتہ آج پتھر میں جونک لگ چکی تھی وہ بتا رہی تھی، خود اپنی زندگی کے چھپے گوشوں پر پڑے پردوں کو اٹھا رہی تھی، اس نے سب کچھ اسے بتا دیا۔

گھر والوں کی خودغرض سوچ سے لے کر احسان کے چھوڑ دینے تک، اپنی اکلوتی دوست آسیہ کا رویہ تک اس کے گوش گزار کیا تھا وہ بڑی خاموشی سے اسے سن رہا تھا۔

''مجھے بہت دکھ ہوتا ہے جب احسان کو راضیہ کے ساتھ دیکھتی ہوں، مگر میں پھر بھی انہیں دیکھتی ہوں یہاں اندر تک آگ سلگ رہی ہوتی ہے مگر میں کیا کروں۔'' وہ لب بھینچے خود سے سوال کر رہی تھی۔

''مجھے لگتا ہے ہر چہرہ میرا مذاق اڑا رہا ہے جیسے سب کو معلوم ہو گیا ہو مجھے میرے گھر والوں نے میرے شوہر نے چھوڑ دیا ہے، ہر چہرے پر مجھے اپنے لئے تضحیک دکھائی دیتی ہے۔'' وہ ایک بار پھر رونے لگی تھی۔

بہتے آنسو جب اس کے ہاتھ کی پشت پر گرے تو اس نے ان آنسوؤں کو دیکھا اور اسی ہاتھ کی پشت سے اپنے رخسار رگڑ ڈالے۔

''میں اتنا کماؤں گی ہر چہرے کی مسکراہٹ خرید لوں گی، جب میں چاہوں گی تب لوگ مسکرائیں گے، سب کو خرید لوں گی میں۔'' اس کا انداز بڑا عجیب سا تھا۔

حسد، جلن، کم مائیگی کا دکھ سب کچھ اس کے انداز سے اس کی حالت سے عیاں ہو رہا تھا، وہ تنہائی کی ڈسی ہوئی تھی، کسی کی محبت اور توجہ کی منتظر تھی، ابراہیم نے کچھ سوچ کر اس کے ہاتھ پر

اپنا ہاتھ رکھ دیا۔

''عائزہ ہر چیز پیسوں سے خریدی نہیں جاتی ہے، مگر میں آپ کے ساتھ مل کر آپ کو وہ سب خرید دوں گا جس کی آپ کو طلب ہو گی۔'' اس کو اپنے دل میں اس کے لئے نرم گوشہ محسوس ہوا تھا، اس کے ہاتھ میں دبے اپنے ہاتھ کو محسوس کر کے وہ ایکدم اس خود فراموش کیفیت سے باہر آئی تھی، ابھی کچھ دیر پہلے اس اجنبی شخص سے اس نے اپنے دل کا تمام حال بیان کیا تھا، اپنا ہر دکھ اپنی ہر سوچ اس کو کہہ ڈالی تھی، اس نے ایکدم اس کے ہاتھ میں دبے اپنے ہاتھ کو کھینچا اور اس سے نظر چراتی وہاں سے اٹھ کر تیزی سے کاؤنٹر کی طرف بڑھ گئی، ابراہیم مسکرا دیا۔

سب کچھ تو وہ اسے بتا گئی تھی کچھ بھی تو اب اس سے چھپا نہیں رہا تھا، اب وہ اس کے متعلق سب جان گیا تھا، آج تو اس نے اس سے نظر چرائی تھی مگر کب تک نظریں چراتی رہے گی۔

''وہ اسے اس کیفیت سے آزاد کرا لے گا۔'' ابراہیم کی سوچ بڑی پرعزم تھی۔

پارٹ ٹائم جاب کی وجہ سے وہ اب گھر والوں کو ٹھیک طرح وقت نہیں دے پا رہی تھی، سعدیہ نے اس سے اس کی مصروفیت کا پوچھا بھی تو اس نے کام کے بڑھ جانے کا بہانہ کر کے اسے مطمئن کر دیا اور سعدیہ نے اس بات کا یقین کر بھی لیا تھا۔

وہ اس کی سگی بہن تھی مگر اس نے کبھی اس کی حالت کو دیکھ کر کچھ محسوس نہیں کیا تھا نہ ہی اس نے اور گھر والوں نے کبھی اس کے اکیلے پن کو محسوس کیا تھا انہوں نے کبھی اس سے کہا ہی نہیں کہ اس کے ساتھ احسان کبھی ان سے بات کیوں نہیں کرتا، اس بات کو وہ اپنے حق میں بہتر سمجھتی تھی ورنہ اگر انہوں نے پوچھ لیا ہوتا تو وہ ان کو کیا جواب دیتی۔

آج کافی دن بعد وہ فیس بک پر آئی تھی آسیہ وہاں پہلے سے آن لائن تھی اسے شدید حیرت ہوئی، آسیہ کا فیس بک پر صرف اس سے رابطہ تھا مگر جب وہ خود وہاں موجود نہیں تھی تو آسیہ یہاں کس سے بات کر رہی تھی، اس نے آسیہ کی ''وال'' فیس بک پر جا کر دیکھا، وہ وہاں نجانے اپنی کتنی دوستوں سے باتیں کر رہی تھی، ہنستی مسکراتی، آہستہ آہستہ، اس کی حیرت غم و غصے میں بدلنے لگی۔

غصے کی شدت بڑھی تو اس کے چہرے سے گرم گرم شعاعیں نکلنے لگی۔

''میں اس کی خاطر دن رات محنت کر رہی ہوں اور یہ یہاں اوروں کے ساتھ موج مستیاں کر رہی تھی، یعنی کہ اس کو کوئی پرواہ ہی نہیں۔'' اس نے تیزی سے اس کی وال سے ہٹ کر اس کی فرینڈ لسٹ چیک کی جو کافی تعداد میں آسیہ کی دوستیں ظاہر کر رہی تھی۔

''میں اسے وقت نہیں دے پائی تو اس نے دوستوں کی آخر ضرورت ہی کیا ہے، ایسی دوستیں جنہیں تمہارا خیال تک نہیں جن کو بس تمہارے

پیسے سے مطلب ہے وہ اگر ناراض ہوتی ہیں تمہیں چھوڑ جاتی ہیں تو چھوڑ جانے دو، بس اب تمہیں اور کسی کی ضرورت نہیں ہونی چاہیے سمجھی تم۔'' اس نے تیز لہجے میں اسے کہا تھا۔

''اور ویسے بھی تم دیکھنا اگر تم ان کو اس طرح پیسے اور چیزیں دینے سے ہاتھ کھینچ لوگی تو بھی وہ تمہیں چھوڑیں گی نہیں۔''

''اور عائزہ کمال دنیا میں دوسروں کی توجہ پا لینا ہی سبھی کچھ نہیں ہوتا ہے، پہلے تم خود اپنی اہمیت کو سمجھو جبھی تو لوگ تمہیں اہمیت دیں گے، ورنہ دنیا تمہیں قدموں تلے روندتی ہوئی آگے گزر جائے گی اور تم کچھ بھی نہ کر پاؤں گی کہ روندے ہوئے لوگ کہاں کچھ کرنے کے قابل رہتے ہیں۔''

''اگر تم انہیں منع کر بھی دو گی تو دیکھنا وہ تم سے ذرا دیر کو ناراض ضرور ہوں گی مگر ان کی غرض بہت جلد انہیں تم تک پھر کھینچ لائیں گی، میری بات کا یقین نہ ہو تو تم آزما کر دیکھ سکتی ہو۔''

عائزہ خاموشی سے اسے سن رہی تھی، اس نے ایسے ہی ساتھی کی تو چاہ کی تھی جو اس کی پرواہ کرے اس سے اسی کی خاطر جھگڑے، ایسے ہی ساتھی کی چاہ تو کی تھی اس نے، ساتھی کی یا دوست کی؟

ابھی یہ طے نہیں ہوا تھا مگر طے ہو جانا ممکن بھی تو ہو سکتا تھا؟ وہ توجہ کی بھوکی تھی اور توجہ کے بھوکے لوگ دیوانہ وار اس طرف لپکتے ہیں جہاں سے انہیں معمولی سی بھی توجہ ملنے کا امکان نظر آتا ہے اور یہ توجہ اسے ابراہیم سے مل رہی تھی۔

وہ اس کا کچھ بھی نہیں تھا مگر اس سے وہ اسے اپنا سبھی کچھ محسوس ہو رہا تھا اس نے اس کی دیکھنے میں ضائع نہیں کیے تھے، تھی ناں حیرت

بات مان لینے کا فیصلہ کر لیا۔

''ٹھیک ہے جیسا تم کہو گے میں ویسا ہی کروں گی۔''

''ٹھیک ہے۔''

''مگر اب سے تم یاد رکھنا تم نے مجھ سے دوستی کا رشتہ جوڑا ہے۔'' اس نے اس کے اقرار کا یقین چاہا تھا۔

''یاد بھی رکھوں گا اور انشاء اللہ نبھاؤں گا بھی، بس تم اپنا پیسہ اس طرح لوٹانا بند کرو اور کم از کم اپنے لئے تو اپنا خیال رکھو۔''

جیسا اس نے چاہا ابراہیم نے ویسا ہی یقین اس کے ہاتھ میں تھما دیا تھا، عائزہ ہر پریشانی بھلا کر مسکرا دی۔

''تم بہت اچھے ہو ابراہیم۔'' اس نے سادہ سے انداز میں اس کی تعریف بیان کی تھی۔

''تم خود بھی اچھی ہو اگر تم سمجھ لو تو۔'' اس نے مسکرا کر جواب دیا تھا پھر فوراً بولا۔

''اور اب ساری الٹی سیدھی سوچیں ذہن سے نکال کر تھوڑی سی نیند لے لو دیکھنا صبح بہت فریش اٹھو گی۔'' اسے اپنا خیال رکھنے کی تلقین کرتا اس نے اس سے اجازت لی اور کال منقطع کر دی۔

عائزہ اس سے بات کر کے بہت سکون محسوس کر رہی تھی، کتنی ہی دیر وہ ایک جگہ بیٹھی مسکراتی ہوئی نجانے کیا کیا سوچتی رہی، پھر اٹھی اور بیڈ پر آ گئی، ذہن کو سکون ملا تو آنکھوں میں نیند اترنے لگی، تکیہ سیدھا کرتی وہ بیڈ پر دراز ہو گئی۔

آج پہلی بار ایسا ہوا تھا اس نے اپنے معمولات میں تبدیلی کی تھی اس نے اپنے کئی گھنٹے کھڑکی میں کھڑے ہو کر احسان اور راضیہ کو

اتنی دوستیں بنالی۔" اسے مزید غصہ آنے لگا تھا پہلے سے جذبات عود کر آئے تھے، اس نے ایک بار پھر آسیہ اور اس کی دوستوں کے کیے کمنٹس پڑھنے شروع کیے ہر کمنٹ میں شوخی تھی شرارت تھی، تمام کمنٹس ان کی آپس میں بڑھتی بے تکلفی اور گہری دوستی کو ظاہر کر رہے تھے۔

"بے وفا لڑکی۔"

"مطلبی دھوکے باز۔" اس کی کنپٹیاں غصے سے سلگنے لگی تھیں، اسی جذباتی کیفیت میں اس نے آسیہ کی کافی دوستوں کو فرینڈ ریکوئسٹ کر دی، اس کی دوستوں کے علاوہ بھی اس نے اور بھی نجانے کتنی لڑکیوں کو فرینڈ ریکوئسٹ سینڈ کی تھی۔

وہ کب سے وہاں آن لائن تھی مگر آسیہ نے ایک بار بھی اس سے بات نہیں کی تھی، شاید وہ وہاں اس کی موجودگی سے بے خبر تھی، اس نے خود ہی اسے میسج سینڈ کیا جس پر آسیہ نے کافی دیر بعد اسے جواب بھیجا تھا۔

"او سوئیٹ ہارٹ تم آج فیس بک پر۔"

"میں تو کب سے یہاں ہوں مگر تمہیں اپنی باقی دوستوں سے فرصت ملے تو ہی تم میری طرف دیکھو گی ناں۔" اس کا انداز طنز سے بھرا تھا، آسیہ نے مسکراہٹ کا آئی کون ایڈ کر کے بڑی لگاوٹ کا مظاہرہ کیا تھا۔

"تم تو فری ہوتی نہیں اب کسی کے ساتھ تو وقت گزارنا ہی ہے ناں۔"

"میں بھی تمہاری ہی وجہ سے اتنی مشقت کر رہی ہوں۔" اس نے فوراً جواب دیا تھا۔

"اب کر رہی ہو تو جتاؤ تو مت۔" آسیہ نے منہ بنایا تھا، عائزہ کا دل بری طرح خراب ہونے لگا تھا، اس کے دل میں یہ بات گڑھ سی گئی تھی آسیہ اسے دھوکہ دے رہی ہے۔

"اس کی دوست ہو کر دوسروں سے دوستیاں گانٹھ رہی ہے۔" جبکہ وہ چاہتی تھی آسیہ بس اس کی دوست رہے اور آسیہ چاہتی تھی اس کی خود کی دوستی سارے جہاں سے ہو جائے۔

مخالف سوچوں کے ساتھ ان دونوں کا ساتھ کب تک چل سکتا تھا وہ خود بھی نہیں جانتی تھی۔

اگلے روز گو کہ وہ کافی تھکی ہوئی گھر آئی تھی مگر پھر بھی اس نے معمولات کے تمام کام سر انجام دینے کے بعد سونے سے پہلے اپنی فیس بک چیک کی تھی کل اس نے جتنے لوگوں کو ریکوئسٹ سینڈ کی تھی ان میں سے کافی لوگوں نے اس کی ریکوئسٹ کو ایکسپٹ کر لیا تھا، اس نے ان میں سے ان فرینڈز کو چیک کیا جو آسیہ کی فرینڈز تھیں ان فرینڈز کو اس نے پرائیویٹ میسج سینڈ کیا ان میں سے جو اس وقت آن لائن تھیں اس نے ان سے چیٹنگ بھی کی، اس نے ان سے سوال کیا تھا۔

"آسیہ آپ کی کیسی فرینڈ ہے؟۔"

"آسیہ میری بیسٹ فرینڈ ہے۔" عقیلہ کے جواب نے اسے طیش میں مبتلا کر دیا تھا۔

"آسیہ میری اچھی فرینڈ ہے۔" مائرہ کا جواب بھی لفظوں کے ہیر پھیر کے ساتھ عقیلہ کے جواب سے ملتا جلتا تھا۔

اتنے سے وقت میں آسیہ نے انہیں اپنا اتنا اچھا دوست بنالیا، وہ تو مجھے بھول ہی جائے گی، اسے خطرہ لاحق ہونے لگا۔

"اور یہ لڑکیاں؟" اس نے کچھ سوچ کر انہیں ٹیکسٹ کیا۔

"آسیہ کی بیسٹ فرینڈ میں ہوں، وہ میرے گھر کے پاس رہتی ہے ہم بچپن کی سہیلیاں ہیں مگر پھر شادی کے بعد میں یو کے آ گئی تو ہم دور ہو گئے مگر دوری نے ہماری دوستی میں فرق پیدا

نہیں کیا، ہم آج بھی ایک ساتھ ہیں، میں یہاں جاب کرتی ہوں میری تنخواہ ایک لاکھ روپے ہے اور پتا ہے اپنی پہلی تنخواہ میں سے میں نے آسیہ کو لیپ ٹاپ گفٹ کیا تھا، آسیہ صرف مجھ سے رابطے میں رہنے کے لئے فیس بک پر آئی تھی، اس کو کچھ رقم کی ضرورت تھی اسی کی خاطر میں پارٹ ٹائم جاب کر کے اسے پیسے بھیج رہی ہوں، اسی لئے میں اسے وقت نہیں دے پاتی تبھی اس نے وقت گزاری کے لئے آپ لوگوں سے اس نے دوستی کر لی۔'' وہ کہہ رہی تھی۔

''بس وقت گزاری کے لئے آپ لوگوں سے دوستی کی ہے۔''

وہ آسیہ کی بیسٹ فرینڈ ہونے کا دعویٰ بھی کر رہی تھی مگر ساتھ ہی اس کی پرسنل باتیں انہیں بتا کر ان پر کچھ جتا بھی رہی تھی۔

عقیلہ لالچی طبیعت کی مالک لڑکی تھی اس کی کہیں باتوں میں سے اس نے کسی بات پر توجہ دی ہو نہ ہو مگر لیپ ٹاپ اور پیسے بھیجنے کا سن کر اس کی رال ٹپکنے لگی تھی، اس نے فوراً اپنا لہجہ بدلہ تھا۔

''اگر آپ آسیہ کی دوست ہو تو آپ میری بھی دوست ہو اب تو ہم بھی رابطے میں رہیں گے ہے ناں، آپ اپنی دوست کا اتنا خیال رکھتی ہیں ایسے لوگ دنیا میں بہت کم ہوتے ہیں۔'' عائزہ اس کا ٹیکسٹ پڑھ کر مسکرا دی۔

عقیلہ کا تعلق لاہور سے تھا وہ آسیہ کے ساتھ موبائل پر بھی رابطے میں تھی عائزہ نے جب سنا تو فوراً اس سے نمبر مانگ لیا۔

عقیلہ نے نمبر دے تو دیا مگر ساتھ میں یہ بھی جتا دیا آپ کا نمبر دوسرے ملک کا ہے آپ سے موبائل پر رابطہ تو بہت مہنگا پڑے گا، جس پر اس نے فوراً کہا تھا۔

''اس بات کی فکر مت کرو۔''

وہ آسیہ کی دوست تھی کچھ دیر پہلے اس کے گن گا رہی تھی پھر یہ کیسے ممکن تھا عائزہ اس سے دوستی نہ کرتی، اس کی توجہ آسیہ پر سے ہٹا کر اپنی طرف مبذول کیوں نہ کرا لیتی اور اپنی اس کوشش میں اسے فوراً کامیابی بھی ملی تھی۔

☆☆☆

آج اس کو پارٹ ٹائم جاب کرتے مہینہ ہو چکا تھا اس کو اپنی محنت کے نتیجے میں آج تنخواہ ملی تو اس نے چالیس ہزار کی رقم آسیہ کو منی آرڈر کر دی۔

منی آرڈر کروا چکنے کے بعد اس نے آسیہ کو اس کی اطلاع دی وہ بہت زیادہ خوش ہو گئی۔

''تم نے دوستی کا حق ادا کر دیا عائزہ۔'' وہ کافی ممنون تھی اس کی۔

''تم یہ حق کب ادا کرو گی؟'' عائزہ نے بڑا بے ساختہ پوچھا تھا مگر فوراً ہی بات کو گھما گئی۔

''اب تم آنٹی کی آنکھوں کا آپریشن کرواؤ اتنے پیسوں میں سب کام آرام سے ہو جائے گا۔''

''ہاں وہ تو اسی ہفتے میں کروا لیں گے۔''

''میں انتظار کروں گی۔'' اس نے بے صبری کا مظاہرہ کیا تھا، عائزہ دھیرے سے مسکرا دی، جانتی تھی آسیہ کا کام نکلوانے کا خاص انداز تھا، اب تک وہ اس کے ہر ہر انداز سے واقف ہو چکی تھی۔

''آج میں سکون سے سوؤں گی، بہت دن ہوئے سکون کی نیند نہیں لی۔'' عائزہ نے اچانک ہی کہا تھا، آسیہ اس کی بات کا مطلب سمجھ نہ سکی تھی جب ہی حیرت سے پوچھا تھا۔

''کیا مطلب...... روز سوتی نہیں تھی کیا تم؟''

''سوتی تھی مگر دو دو جاب کرنے کی وجہ سے

برڈن زیادہ ہو گیا تھا اس کی وجہ سے نیند پوری نہیں ہوتی تھی، اب تمہیں پیسے بھیج دیئے اب سیکنڈ جاب چھوڑ دوں گی، پھر اتنا کام نہیں ہوا کرے گا۔" اس کا انداز ہلکا پھلکا تھا۔

"ارے تم کیوں اچھی بھلی جاب چھوڑ دو گی۔" اس نے فوراً استفسار کیا تھا۔

"مجھے اب اس جاب کی ضرورت نہیں ہے آسیہ، جب تک ضرورت تھی میں نے جاب کی مگر اب کیوں کروں؟" اس کی پیشانی پر چند ایک سلوٹیں نمودار ہوئی تھیں۔

"کیونکہ تم مجھے بھی اپنے گھر والوں کی طرح ہر مہینے پیسے بھیجا کرو، میں تمہاری بچپن کی دوست ہوں میرے گھر کے حالات سے تم اچھی طرح واقف ہو اس لئے مجھے میرے خرچے کے لئے ہر مہینے پیسے بھیجا کرو۔" آسیہ نے ایک دم بہت بڑی فرمائش کر دی تھی۔

ذرا سی بھی شرم کیے بنا وہ اسے مزید کہہ رہی تھی۔

"اتنی مہنگائی ہو گئی ہے ابو جتنا کماتے ہیں اس میں کھانے پینے کا پورا ہو جائے وہی بڑی بات ہے، کتنا عرصہ ہو گیا، نہ میں نے کوئی نیا سوٹ سلوایا نہ ہی کوئی چیز خریدی میرا کتنا دل چاہتا ہے میں بھی مہنگے مہنگے سوٹ سلواؤں، ان کے ساتھ میچنگ جیولری، سینڈل خریدوں، تمہاری اماں اور بہنیں اتنی اچھی شاپنگ کرتی ہیں ہر مہینے، میرا دل چاہتا ہے عائزہ، میں بھی اس طرح خریداری کر سکوں۔"

"تم مجھے پیسے بھیجا کرو گی ناں؟" عائزہ کو جواب دینے کا موقع دیئے بنا وہ پھر سے شروع ہو چکی تھی۔

"تم یہاں فارغ ہی تو ہوتی ہو تمہیں تو کوئی فرق نہیں پڑے گا چند گھنٹے کی نوکری کر کے تم تیس چالیس ہزار کما سکتی ہو اتنے سارے پیسے تم اپنے گھر والوں کو بھجواتی ہو وہ دوسری نوکری سے ملنے والے پیسے مجھے بھجوا دینا پھر میں بھی اپنی ہر خواہش پوری کر سکوں گی۔" اس کے ہر لفظ میں اس کی دبی دبی خواہشات نمایاں تھیں، وہ مزید کچھ کہتی جب آسیہ نے درمیان میں کچھ کہنا چاہا۔

"مگر آسیہ۔" مگر آسیہ نے تیزی سے اس کی بات کاٹ دی۔

"اب تم نخرے دیکھانا مت لگ جانا، جانتی ہوں خدا نے تمہیں اتنا قابل کر دیا ہے تم کسی کو بھی دے سکتی ہو پھر بھی اتنے نخرے دیکھائی ہو کب سے تمہاری منت کر رہی ہوں تم ہو کہ ایک بار بھی ہاں نہیں کی، اگر تم نوکری نہیں کر سکتی تو تم ایسا کرو تم مجھے یہاں اپنے پاس بلوا لو میں خود کما لوں گی۔" اس نے ایک دوسرا حل اس کے سامنے پیش کیا تھا جو اس کے لئے بہت زیادہ مشکل تھا اس لئے اس نے اس کی بات مان لینے کا فیصلہ کیا ورنہ آسیہ کے تیور بتا رہے تھے اب انکار کیا تو قطع تعلق کا آغاز پھر سے شروع ہو جائے گا۔

آسیہ کی دھوکے باز عادت کی وجہ سے عائزہ کا خود کا دل اس سے بھرنے لگا تھا، اس کے باوجود بھی وہ اسے چھوڑ نہیں سکتی تھی نجانے کیوں وہ اپنے آپ کو برباد کرنے پر تلی تھی، جان بوجھ کر خود کو دھوکہ دے رہی تھی۔

"ٹھیک ہے میں تمہیں پیسے بھیج دیا کروں گی۔" اس نے ہتھیار ڈال دیئے۔

"یہ ہوئی ناں بات، اس قدر بحث کے بعد بھی تو مانتی ہو کیا ہو جائے جو پہلے ہی مان جاؤ۔" آسیہ نے مسکرا کر کہا تھا، عائزہ اس کی بات پر تکلفاً مسکرائی تھی۔

"تمہارے لئے تو پیسوں کا کوئی مسئلہ ہی نہیں ہوتا ہو گا ناں عائزہ۔" اس نے بھی وہی

بات کہی تھی جو آسیہ اسے کہا کرتی تھی۔
نجانے لوگ باہر کے ملکوں میں کمانے والوں کے لئے ایسا کیوں سمجھتے ہیں کہ جیسے وہ دولت کے خزانے پر بیٹھے ہوتے ہیں۔
''ہاں یہ تو ہے اتنا کماتی ہوں خود میرا تو اتنا زیادہ خرچہ نہیں ہوتا بس گھر والوں کو بھجوا دیتی ہوں اور آسیہ کو۔'' اس نے بتایا۔
''کیا آسیہ کو بھی پیسے بھجواتی ہو؟'' اس کا تجسس عروج پر پہنچا تھا۔
''ہاں بالکل۔'' اس نے اقرار کیا۔
''واہ بھئی آسیہ تو بڑی قسمت والی ہے اسے تمہارے جیسی دوست ملی ہے۔'' وہ اسے کچھ زیادہ ہی چڑھا رہی تھی اور وہ تھی کہ اس کے لفظوں پر آسمان تک اڑی جا رہی تھی۔
''اب تو میں تمہاری بھی دوست ہوں تم بھی قسمت والی ہو۔'' اس کی انا کو اس کے مجروح جذبات کو بہت زیادہ تسکین مل رہی تھی۔
''اچھا ایسی بات ہے تو کیا میں تم سے کچھ مانگوں تو تم بھیجو گی مجھے۔'' وہ بڑی چالاکی کے ساتھ اپنے مطلب پر آئی تھی۔
پھر عائزہ اس وقت جس موڈ میں تھی کوئی اس سے جان بھی مانگتا تو وہ انکار نہ کرتی عقیلہ تو بس کسی چیز کا مطالبہ کر رہی تھی۔
''تم بتاؤ تمہیں کیا چاہیے؟'' اس نے پوچھا۔
''مجھے بہت پیارا سا کیمرے والا موبائل بھیج سکتی ہو؟''
''بس اتنی سی بات۔'' اس نے ہنس کر کہا تھا۔
''تم اپنے گھر کا ایڈریس دو میں تمہیں تین چار روز میں موبائل بھیج دوں گی۔'' سخاوت میں وہ حاتم طائی کو بھی مات دینے پر تلی تھی۔
''ہائے سچی، تم بھیجو گی مجھے؟'' اسے یقین ہی نہیں ہو رہا تھا، وہ اتنی جلدی اسے موبائل دینے پر آمادہ ہو جائے گی۔
''ہاں بالکل دوں گی، یہاں کا سب سے اچھا موبائل بھیجوں گی تمہیں۔'' اس نے اسے یقین دلایا۔
''پھر میری بہن کے لئے بھی بھیجنا ورنہ وہ مجھ سے میرے والا چھین لے گی۔'' اس نے منہ بسور کر ایک اور فرمائش کر دی۔
''میری بہن کو تم بہت پسند ہو میں اس سے سارا دن تمہاری باتیں کرتی ہوں وہ بھی تم سے بات کرنا چاہتی ہے۔'' اس کی معصومیت میں اس کی چالاکی صاف محسوس ہو رہی تھی مگر عائزہ کو اس وقت کچھ دیکھائی نہیں دے رہا تھا، اگر اسے کچھ دیکھائی دے رہا تھا تو بس یہ کہ عقیلہ اور اس کی بہن اس سے تعلق رکھنا چاہتی ہیں اس کے ساتھ رہنا چاہتی ہیں اسے سراہا رہی ہیں، اس نے فوراً اس سے اس کی بہن کا نمبر مانگ لیا، عقیلہ نے اپنے گھر کے ایڈریس کے ساتھ اپنی بہن کا نمبر بھی اسے نوٹ کروا دیا۔
اس کے رابطے میں ایک اور فرد کا اضافہ ہوا تھا، اسے بے وقوف بنایا گیا تھا اور وہ خود جان بوجھ کر بے وقوف بن جانے پر حد درجہ مسرور تھی، یہی وجہ تھی آج احسان اور راضیہ کو دیکھ کر روز کی طرح اسے کچھ خاص جلن محسوس نہیں ہوئی تھی، اس کے چہرے پر ایک بڑی سی مسکراہٹ نے اپنا احاطہ کیا ہوا تھا، جو اس کی سوچ کو صاف ظاہر کر رہی تھی۔
''کسی کو میری بھی ضرورت ہے مجھے بھی چاہا جا رہا ہے۔''

☆☆☆

دو دن کے اندر اندر اس نے دو خوبصورت

موبائل فون خرید کر عقیلہ کو بھجوا دیئے تھے جنہیں پا کر عقیلہ کے لہجے میں اس کے لئے کچھ اور زیادہ شیرینی گھل گئی تھی تو اس کی بہن عدیلہ تو اس کے عشق میں مبتلا نظر آنے لگی تھی۔

پرسوں پرانی اس کی آرزو عقیلہ اور عدیلہ کی صورت میں پوری ہو رہی تھی، ان دنوں وہ پہلے کی نسبت تھوڑا خوش رہنے لگی تھی۔

آج آفس سے چھٹی تھی اس لئے آرام سے ناشتہ کر چکنے کے بعد اس نے لیپ ٹاپ اٹھایا تو عظمٰی سے بات کرنے کا خیال ذہن میں آیا تو اس نے چارج پر لگا سیل فون اٹھا کر عظمٰی کو فوراً آن لائن ہونے کا میسج کرنے کے بعد اس کے آن لائن ہونے کا انتظار کرنے لگی۔

لیپ ٹاپ بیڈ پر رکھے خود فرش پر بیٹھ کر اس نے لیپ ٹاپ اوپن کیا، ذرا دیر بعد ہی عظمٰی سکائپ پر اس کے سامنے موجود تھی۔

''ہیلو عظمٰی کیسی ہو؟'' اس نے مسکرا کر اس سے احوال دریافت کیا تھا۔

''میں بالکل ٹھیک ہوں تم بتاؤ کیسی ہو؟ پچھلے کتنے ہی دنوں سے تم نے مجھ سے بات ہی نہیں کی کہیں یو کے کی رنگین فضاؤں نے مجھے بھولنے پر مجبور تو نہیں کر دیا؟'' عظمٰی نے شرارت سے اسے چھیڑا تھا۔

''ہاہاہا، رنگین فضائیں؟ ایسی کون سی رنگینیت ہے یہاں کی فضاؤں میں جو میں تمہیں بھول جاؤں گی؟'' اس نے الٹا اسی سے سوال کر دیا۔

''رنگینیت تو بہت ہے اگر تم اپنے خول سے باہر نکل کر دیکھو تو۔'' اس نے بڑی ذومعنی بات کہی تھی جسے سمجھ کر بھی عائزہ اگنور کیے مسکرا کر بولی۔

''اپنی یہ غلط فہمی دور کر لو کہ میں تمہیں بھلاؤں گی، تم میری ایسی دوست ہو، جس نے یہاں ہر قدم پر میرا ساتھ دیا اور پھر تم مجھ سے دور چلی گئی، مگر اس کے باوجود بھی میں یہ تسلیم کرتی ہوں تمہارے جانے کے بعد میں نے تمہیں ہر قدم پر یاد کیا ہے، تم تھی تو تسلی تھی مگر اب۔'' کچھ کہتی کہتی وہ لب بھینچ گئی، عظمٰی نے بہت غور سے اسے دیکھا تھا، کچھ وقت کے لئے دونوں ہی خاموش رہ گئی، اس وقتی خاموشی کو عظمٰی نے توڑا تھا۔

''تمہیں ساتھی کی ضرورت محسوس ہونے لگی ہے ناں عائزہ؟''

وہ حقیقت سے مکمل باخبر تھی ابراہیم اس سے مسلسل رابطے میں تھا عائزہ کی ذہنی کیفیت اور اس کے حالات عظمٰی کے گوش گزار چکا تھا۔

سب کچھ جاننے کے باوجود بھی وہ یہ اعتراف خود اس کے منہ سے سننا چاہتی تھی اور اب یہ پہلی بار ایسا ہوا تھا عائزہ نے اس کی بات پر پہلے کی طرح انکار نہیں کیا تھا بلکہ وہ خاموشی سے سر جھکائے نیچے کچھ تلاشنے لگی تھی، کیا اس کی خاموشی میں اس کی ہار کا اعتراف چھپا تھا؟

یا پھر آج پھر وہ اس کے سوال پر پہلے دن کی طرح کترا کر گزر جانا چاہتی تھی؟ اس کی مسلسل خاموشی پر عظمٰی نے اس کا جھکا سر دیکھا اور ایکدم چونک کر مزید غور سے اس کے اطراف میں دیکھنے لگی۔

عائزہ جس جگہ بیٹھی تھی اس کے عین پیچھے ڈریسنگ ٹیبل تھی جس کے شیشے سے اس کا عکس واضح دیکھائی دے رہا تھا۔

وہ اس لہو جما دینے والی سردی میں جوتوں اور شال سے بے نیاز ٹھنڈے فرش پر بڑے آرام سے دوزانوں بیٹھی تھی، اسے اس حالت میں بیٹھے دیکھ کر خود اس کی کپکپی چھوٹ گئی تھی جبھی سرسراتی آواز میں اس سے بولی۔

''عائزہ اس قدر ٹھنڈ میں تم فرش پر بیٹھی ہو؟'' اس کی بات سن کر عائزہ نے حیرت سے جھکا سر اٹھا کر اسے دیکھا تھا جو ابھی اس کے پیچھے نظر آتے شیشے میں اس کے عکس پر نظر جمائے ہوئے تھی، اس کی نظروں کے تعاقب میں اس نے مڑ کر پیچھے دیکھا تو اسے اپنی حیرت کا جواب خود ہی مل گیا، وہ مسکراتی ہوئی سیدھی ہوئی تھی۔

''ہاں تو کیا ہوا؟'' بڑی بے نیازی سے اس نے پوچھا تھا۔

''عائزہ تم پاگل ہو گئی ہو کیا، اس قدر ٹھنڈ ہے اور تم۔'' اس کی خود سے اس درجہ بے نیازی نے اسے تکلیف میں مبتلا کیا تھا۔

''ایک اچھا بھلا انسان دوسروں کی خود غرضی کی بدولت اپنے ہر نفع نقصان سے بے پروا خود اپنی ذات کو کس قدر اذیت پسند بنا دیتا ہے۔'' عائزہ کی اذیت کا سوچ کر اس کی آنکھوں میں پانی جمع ہونے لگا تھا، اس تکلیف سے بچانے کی خاطر اس نے عائزہ کو سمجھانا چاہا تھا مگر۔

''تم اس قدر فکر مند کیوں ہو رہی ہو عظمیٰ۔''

''رویوں کے جو موسم میں سہہ رہی ہوں اس کے بعد اب سردی گرمی کے یہ موسم مجھ پر اثر انداز نہیں ہوتے، میں ٹھنڈے فرش پر ضرور بیٹھی ہوں مگر یقین جانوں ہلکی سی بھی ٹھنڈ محسوس نہیں ہو رہی، میرے اندر جو آگ بڑھکی ہوئی ہے اس نے میرا جسم اس قدر گرما دیا ہے کہ میں خود اس ٹھنڈے فرش پر بیٹھ جاتی ہوں، تب اس کی ٹھنڈ ذرا دیر کو میرے اندر سرایت کرتی ہے تو مجھے بہت سکون محسوس ہوتا ہے۔'' عظمیٰ لب بھینچے دکھ بھری کیفیت میں اسے دیکھ کر رہ گئی تھی، اسے چپ ایسے لگ گئی تھی جیسے اس کے پاس بولنے کو کچھ رہا ہی نا ہو، اسے سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ عائزہ کو کس طرح جھنجھوڑ کر رکھ دے کہ اس کے اندر خود اپنی ذات کا احساس جاگ اٹھے، مگر اس پل جیسے ہر لفظ اس سے دامن چھڑائے دور دور کھڑے دیکھائی دے رہے تھے۔

جب عائزہ نے گہرا سانس کھینچ کر ماحول میں بس اس کیفیت کو دور کرنا چاہا۔

''خیر تم اس سب کو چھوڑو، مجھے بتاؤ آج کل کیا مصروفیات ہیں تمہاری؟ پاکستان میں کوئی جاب شروع کی؟''

''نہیں فل ریسٹ پر ہوں جاب کا ابھی کوئی ارادہ نہیں ہے۔'' عظمیٰ نے سنجیدہ سے موڈ میں اس کی بات کا جواب دیا تھا، پھر کچھ سوچ کر پوچھنے لگی۔

''عائزہ، ابراہیم کیسا لڑکا ہے؟'' اس کے اس طرح پوچھنے پر عائزہ نے حیرت سے استفہامیہ اس کی طرف دیکھ کر پوچھا تھا۔

''کیسا لڑکا ہے سے تمہاری کیا مراد ہے؟''

''مطلب تو کوئی نہیں ویسے ہی پوچھ رہی ہوں، ابراہیم بھائی بہت اچھے انسان ہیں ان کا دنیا میں کوئی نہیں سوائے ایک بھائی کے اور وہ بھائی بھی ان سے دور یہاں پاکستان میں اپنی دنیا میں مگن رہتا ہے جب میں یو کے میں نئی تھی تو انہوں نے میری وہاں سیٹل ہونے میں بہت مدد کی، بہت نیک اور شریف طبع انسان ہیں، ان کی زندگی کے بہت سے اتار چڑھاؤ سے میں واقف ہوں مگر یقین جانو وہ اس قدر باہمت انسان ہیں کہ زندگی کے کسی مقام پر ان کے قدم نہیں لڑکھڑائے میں نے ان کو ہمیشہ ثابت قدم پایا ہے۔''

''تم غور کرنا ہمہ وقت ان کے چہرے پر بڑی پرسکون سی مسکراہٹ قائم رہتی ہے، ایسی مسکراہٹ جسے دیکھ کر اگلا بندہ بھی سکون محسوس کرنے لگتا ہے۔'' وہ سرسری سے انداز میں اس

کی توجہ جان بوجھ کر ابراہیم کی طرف مبذول کرنا چاہ رہی تھی، وہ چاہتی تھی وہ ابراہیم کے متعلق سوچے۔

''جب میں پاکستان واپس جا رہی تھی تو ابراہیم بھائی کو خاص کر تمہارا خیال رکھنے کی تاکید کر کے آئی تھی، تم بتاؤ وہ تمہارا خیال رکھتے ہیں ناں؟'' اس کے سوال پر اس کے ذہن میں پھول شاپ پر ہونے والا واقعہ از سر نو تازہ ہو گیا، مگر فوراً ہی اپنی بے اختیاری کا سوچ کر اس نے کھسیا کر سر جھکا۔

''پتہ نہیں میں نے اس سے کبھی بات نہیں کی۔'' نجانے کیوں وہ اس سے چھپا گئی، عظمیٰ نے لبوں پہ اچانک در آنے والی مسکراہٹ کو بے ساختہ لبوں پہ انگلی رکھ کر چھپایا تھا، ابراہیم سے وہ مسلسل رابطے میں تھی اور تمام حالات سے واقف تھی اور دل سے چاہتی تھی عائزہ ابراہیم کے لئے کچھ اچھا سوچے تاکہ اس کی ویران زندگی خوشیوں سے بھر جائے، اسی لئے وہ جان بوجھ کر آج اس سے ابراہیم کی باتیں کر رہی تاکہ ابھی نہ سہی فرصت کے کسی لمحے میں وہ اس کے متعلق سوچنے پر مجبور ہو جائے۔

''اچھا یہ بتاؤ تم نے احسان سے کوئی بات کی؟ اس کو کہا تم نے کہ وہ تمہیں اپنے ساتھ رکھے؟ اپنے اس مسئلے کا کوئی تو حل نکالو عائزہ، کب تک ایسے درمیان میں لٹکی رہو گی؟'' اس نے اس کی بات کا جواب نہ دیا تو وہ مزید بولی۔

''تم ہمیشہ میری بات کو اگنور کر دیتی ہو، مگر میں ہر بار کی طرح اس بار بھی تمہیں کہوں گی اس فضول کے بندھن سے خود کو آزاد کراؤ اور آگے بڑھو، اگر تم وہاں خود کوئی بھی سٹینڈ لیتے ڈرتی ہو تو مجھے بتاؤ میں ابراہیم بھائی سے کہہ دوں گی وہ خود جا کر احسان سے بات کرے، وہ یا تو تمہیں اپنے ساتھ رکھے یا اس بندھن سے تمہیں آزاد کر دے۔''

''کیوں...... کیوں آزاد کر دے؟ تم پاگل ہو گیا؟'' وہ تیزی سے جیسے اس پر چلائی تھی۔

''کوئی ضرورت نہیں کسی کو کچھ کہنے کی، میں بالکل ٹھیک ہوں اور اس بندھن سے خوش بھی ہوں، سمجھی تم۔'' اس نے جیسے اس کے ساتھ ساتھ خود کو بھی یقین دلایا تھا۔

''مگر عائزہ۔'' عظمیٰ کچھ کہنا چاہتی تھی مگر عائزہ نے ہاتھ اٹھا کر اسے روک دیا۔

''بس اب تم اور کچھ نہیں کہو گی میں پھر تم سے بات کروں گی، ابھی مجھے واش روم جانا ہے۔''

''او کے جیسے تمہاری مرضی۔'' عظمیٰ نے بے بسی سے ہار مانتے ہوئے کہا، وہ ہمیشہ ہی اس کے سوالوں پر گھبرا کر فرار کی راہ اختیار کر لیتی تھی، آج بھی اس نے ایسا ہی کیا تھا۔

اس کو خدا حافظ کہہ کر لیپ ٹاپ بند کیے وہ بیڈ کے سرے پر سر ٹکائے خالی الذہنی کی کیفیت میں آنکھیں بند کیے پاؤں پھیلا کر بیٹھ گئی۔

عظمیٰ کی باتیں کبھی بھی غلط نہیں ہوتی تھیں مگر نجانے کیوں وہ ہر بار اس کی حقیقت پر مبنی باتوں سے نظریں چرا لیا کرتی تھی، اس کیوں کا اس کے پاس خود بھی کوئی جواب نہیں تھا۔

☆☆☆

وہ سب معمول کی طرح آج بھی آفس میں بیٹھے کام میں مصروف تھے جب ان کی توجہ کا ارتکاز اچانک در آنے والی ہلچل نے اپنی طرف مبذول کرائی تھی۔

فائلز سے نظریں ہٹا کر انہوں نے دروازے کی طرف دیکھا جہاں مسکراتی ہوئی ان کے سامنے کھڑی تھی، الوینہ اپنی شادی کی وجہ سے

پچھلے کچھ دنوں سے آفس سے چھٹیوں پر تھی، یہی وجہ تھی اسے اس طرح اپنے سامنے دیکھ کر وہ سب ہی حیران ہوئے تھے۔

''الوینہ تم یہاں اس طرح؟''

''سب خیریت تو ہے ناں؟'' شکیل نے آگے بڑھ کر ان سب کے لبوں پر مچلتا سوال کیا تھا۔

''ہاں ہاں سب ٹھیک ہے کچھ غلط مت سوچئیں گا۔'' وہ آگے بڑھ کر ان کے قریب چلی آئی۔

''تو پھر؟'' وہ سبھی استفہامیہ اس کی طرف دیکھ رہے تھے۔

''میں خصوصی طور پر آپ لوگوں کی وجہ سے یہاں آئی ہوں تاکہ شادی کے انویٹیشن کارڈ خود آپ لوگوں کو دوں تاکہ اگر آپ میں سے کوئی نہ آنے کا سوچے بھی تو میری اس خصوصی آمد کا سوچ کر تھوڑی سی شرم کرلے۔'' اس نے مسکرا کر اپنے آنے کی وضاحت پیش کی تو وہ سب بھی مسکرا دیئے۔

''یہ تم نے کیسے سوچ لیا ہم تمہاری شادی میں نہیں آئیں گے؟'' ابراہیم نے آگے بڑھ کر اس کے سر پر چپت رسید کی تھی۔

''کوئی بھروسہ بھی ہے ابراہیم بھائی۔'' الوینہ نے خاموش بیٹھی عائزہ کی طرف دیکھ کر معنی خیزی سے کہا۔

''عائزہ میں آپ کی وجہ سے یہاں آئی ہوں۔'' اس سے کہتی وہ اس کے سامنے رکھی ٹیبل کے اس پار پڑی کرسی پر اس کے سامنے بیٹھ گئی، باقی افراد ان کے گرد کھڑے ہوگئے۔

''اتنا عرصہ ہو جانے کے باوجود بھی آپ ہم لوگوں میں پوری طرح گھلی ملی نہیں ہیں رہتی بھی یہاں اکیلی ہیں، میں نے گھر میں آپ کا ذکر کیا تو امی جان نے خصوصی مجھے آپ کو بلانے کے لئے بھیجا، امی جان تو سن کر ہی فکرمند ہوگئی کہ آپ یہاں اپنوں سے دور اکیلی رہتی ہیں۔

☆☆☆

وہ کہتی ہیں جاؤ اس دن کے بعد ابراہیم سے اس کا سامنا بس ایک بار ہوا تھا، وہ بھی اتفاقاً۔'' ابراہیم چند پل اس کے سامنے کھڑا گہری نظروں سے اسے دیکھتا رہا مگر وہ اس سے نظر چرائے کھڑی رہی تو وہ اس کے سامنے سے ہٹ گیا۔

وہ جان بوجھ کر اسے سنبھلنے کا وقت دے رہا تھا، جانتا تھا جس طرح اچانک اس نے اپنا آپ اس پر کھولا ہے وہ اس سے ہچکچاہٹ محسوس کر رہی ہوگی، ایسے میں اگر وہ اس سے کچھ بات کرے گا تو وہ ہتھے سے اکھڑ جائے گی، پھر جو وہ کرنا چاہ رہا تھا وہ نہ کر پاتا، بس یہی سوچ کر وہ خود جان بوجھ کر منظر سے ہٹ گیا تھا، پھر وہ اس کی فطرت کو بھی اچھی طرح جان چکا تھا۔

اب تک وہ خود سے اپنی توجہ سے نوازتا آیا تھا عائزہ نے اس کی توجہ محسوس تو کیا تھا مگر وہ آگے نہیں بڑھی تھی اور اب جب وہ اسے اگنور کرنے لگا تھا تو اپنی فطرت کے مطابق وہ غلط اندازے لگانے لگی تھی اسے لگا وہ عائزہ کے متعلق سب جان گیا ہے اسی لئے اس سے پیچھے ہٹ رہا ہے اور بس یہی کچھ سوچ کر اسے خود ابراہیم کی طرف چلے آنا تھا وہ اسے خود سے الگ ہونے کیسے دے سکتی تھی، وہ اسے کیا کسی کو بھی خود سے دور ہونے دینا نہیں چاہتی تھی، اسی لئے تو آج تک وہ اتنی تگ ودو میں مصروف رہا کرتی تھی۔

ابراہیم کے اندازے کے مطابق ٹھیک نو دن بعد وہ اس کے سامنے کھڑی تھی۔

''تم مجھ سے ملنے کیوں نہیں آتے اب۔''

اس کا ڈر اس کی آنکھوں سے عیاں ہو رہا تھا، ابراہیم نے اپنی بے ساختہ امڈ آنے والی مسکراہٹ کو بمشکل چھپایا تھا۔

''کام اتنا بڑھ گیا ہے وقت ہی نہیں ملتا ادھر ادھر جانے کا۔''

''میں نے ادھر ادھر جانے کا تو نہیں کہا، میں نے مجھ سے ملنے کا کہا ہے۔'' اپنے آپ ہی اس کے انداز میں ملکیت کا حق در آیا تھا۔

''اچھا تو تم مجھ سے ملنا چاہتی تھیں؟ تو تم مجھے بتا دیتیں میں آ جاتا۔'' وہ اب کھل کے مسکرا رہا تھا۔

''میں بتاتی؟ تمہیں خود نہیں پتا کیا۔'' اس نے ناک چڑھ کر کہا، ابراہیم ایکدم زور سے ہنس پڑا۔

''ہاہاہا بالکل پتا ہے۔''

''اچھا چلو تمہیں اچھی سی کافی پلواتا ہوں۔'' تب وہ اس کے ساتھ کافی شاپ چلی آئی جہاں دونوں نے ایک ساتھ خوشگوار موڈ میں کافی پی پھر واپسی پر خود ابراہیم نے اسے اس کے گھر ڈراپ کیا تھا، آج وہ خوش تھی اس نے ابراہیم کو کھونے نہیں دیا تھا وہ اب سب کے ساتھ تھی، ضرور رتا ہی سہی مگر سب کو اس کی فکر تھی اور وہ اسی میں حد درجہ خوش تھی۔

☆☆☆

''اپنے گھر لے آؤ، آپ چاہو تو ہمارے گھر رہ سکتی ہو ورنہ رہنا نہ چاہو تو کم از کم شادی میں شرکت ضرور کریں تاکہ ہماری پاکستانی شادی سے لطف اندوز ہو سکیں۔'' وہ مسکراتی ہوئی اپنے اور اپنی ماں کے خلوص کا اظہار کر رہی تھی۔

عائزہ جو خاموشی سے چہکتی اٹھلاتی الوینہ کو دیکھ کر عجیب سے احساسات کا شکار ہونے لگی تھی اس کے منہ سے نکلے لفظوں کو سن کر اسے پاگل پن کا اٹیک ہونے لگا تھا، اس کا احساس کمتری عود کر آیا تھا۔

''یہ مجھ پر ترس کھا رہی ہے۔'' اس نے ایک تیز نظر سے الوینہ کو دیکھا۔

''دنیا میں اور بھی بہت سے لوگ اکیلے رہتے ہیں مس الوینہ تو کیا آپ۔'' اس کے لہجے میں غصے کی تپش جھلکنے لگی تھی، اس سے پہلے وہ اپنی بات مکمل کرتی کچھ غلط بول کر ماحول خراب کرتی ابراہیم نے تیزی سے اس کی بات کاٹ دی۔

''ہاں بھئی الوینہ، عائزہ بھی تمہاری شادی میں شرکت کرے گی، اس کی گارنٹی میں تمہیں دیتا ہوں۔''

''آر یو شیور بھائی؟'' الوینہ نے یقین چاہا۔

''بالکل تم بے فکر ہو کر گھر جاؤ چار دن شادی میں رہتے ہیں اور تم باہر گھومتی پھر رہی ہو۔'' اس نے اسے وہاں سے ہٹانا چاہا تھا۔

عائزہ نے غصے سے اس کی طرف دیکھا تھا مگر وہ انجان بن کر الوینہ کو دروازے تک رخصت کرنے اس کے ساتھ آگے بڑھ گیا۔

الوینہ کو رخصت کر چکنے کے بعد جب وہ دوبارہ آفس میں داخل ہوا تو سیدھا عائزہ کے پاس چلا آیا۔

''تمہیں الوینہ سے اس طرح بات نہیں کرنی چاہیے تھی۔'' وہ اس کے سامنے بیٹھا اسے اس کی غلطی کا احساس کرانا چاہ رہا تھا مگر وہ الٹا اسی پر چڑھ دوڑی۔

''اور کس طرح بات کرنی چاہیے تھی؟''

''مجھے سخت زہر لگ رہا تھا اس کا اس طرح ترس کھانا۔''

''نہیں برداشت ہوتی مجھ سے لوگوں کی ترس بھری نظریں۔'' مٹھیاں بھینچتے جیسے وہ خود پر

ضبط کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔

''ترس؟''

اس کی بات سن کر ابراہیم کو حیرت نہیں ہوئی تھی، کیونکہ اسے اس سے اسی طرح کی سوچ کی امید تھی، مگر اس نے اس کی سوچ کی تصحیح کرنا ضروری سمجھا تھا۔

''عائزہ ہر ایک کے خلوص کو ترس کا نام مت دیا کرو، اپنی سوچ کو بدلو۔''

''اونہہ۔'' عائزہ سر جھٹک کر سامنے رکھی فائل کے صفحات پلٹنے لگی، ابراہیم نے چند پل خاموشی سے اس کے چہرے کے تاثرات کو بہت غور سے دیکھا پھر اچانک جیسے اس سے درخواست کرنے لگا۔

''عائزہ، الوینہ بہت اچھی لڑکی ہے پلیز اس کی خوشیوں کے لئے دعا کرنا۔'' اس کے لفظوں میں نجانے کتنی التجائیں تھی جو اس کے سامنے ہاتھ جوڑے کھڑی ہو گئی تھیں عائزہ نے چونک کر اس کے چہرے کی طرف دیکھا جہاں ابھی بھی منت بھرے تاثرات نمایاں تھے جنہیں دیکھ کر اس نے سر جھکا کر دل میں اعتراف کیا تھا۔

''یہ سچ تھا الوینہ کا مسکراتا چہرہ اس کے کہے لفظ مجھے اپنا مذاق اڑاتے محسوس ہو رہے تھے، اسے چہکتے دیکھ کر دل نے چپکے سے انہونی سی ایک خواہش کر ڈالی تھی۔''

''کرو گی ناں اس کے لئے دعا؟'' ابراہیم جیسے اس کے سبھی خیالات سے واقف تھا جبھی باخبر تھا اور الوینہ کے لئے دعا کی حامی بھرے، عائزہ نے جھکا سر اٹھایا نہیں تھا۔

کیونکہ جانتی تھی وہ چہروں کے ساتھ سوچ پڑھ لینے کا ہنر بھی جانتا ہے وہ مزید سر جھکا گئی تھی۔

☆☆☆

ابراہیم نے اسے الوینہ کی شادی میں شرکت کرنے کے لئے راضی کر ہی لیا تھا یہی وجہ تھی اس وقت اپنے تمام کولیگ کے ساتھ وہ الوینہ کے گھر اس کی مہندی کی رسم میں موجود تھی، شادی کا گھر تھا ہر طرف خوبصورت سماں طاری تھا شکیل چند اور لڑکوں کے ہمراہ اسٹیج کے سامنے مست سا بھنگڑا پیش کر رہا تھا جبکہ۔

عائزہ بہت غور و حسرت سے ایک ایک چیز کو دیکھ رہی تھی، الوینہ اور اومان کا نکاح ہو چکا تھا ذرا دیر بعد کچھ خواتین الوینہ کو ریشمی آنچل تلے لئے سٹیج پر آ گئی جہاں پر پہلے سے بیٹھا اومان الوینہ کو دیکھ کر اس کے استقبال کو اٹھ کھڑا ہوا تھا، اس کی اس حرکت پر نجانے کتنے شرارت بھرے جملے کسے گئے تھے، مگر وہ ذرا سا بھی گھبرائے بنا دو قدم اور آگے بڑھا تاکہ مزید اچھے انداز میں الوینہ کا استقبال کر سکے۔

الوینہ کا سر جھکا ہونے کے باوجود کیمرے کے بار بار چمکتے فلش اور مصنوعی روشنیوں کی جگمگاہٹ کی بدولت اس کے چہرے پر سجی شرمیلی سی مسکان دور بیٹھے بھی صاف دکھائی دے رہی تھی، الوینہ سٹیج پر اومان کے برابر بیٹھ چکی تو سب باری باری انہیں مہندی لگانے کے لئے سٹیج پر آنا شروع ہو چکے تھے، تقریباً سبھی اس ہلے گھلے میں بڑھ چڑھ کر حصہ لے رہے تھے مگر عائزہ ان سب سے الگ ایک طرف کونے میں بیٹھی سب ہوتا دیکھ رہی تھی۔

''میرے حصے کی خوشیاں کہاں رہ گئی خدایا؟'' ہاتھوں کو آپس میں جوڑے اس نے منہ سے کچھ کہے بنا آسمان کی طرف دیکھا اس کی اس نگاہ میں کیا کچھ نہیں تھا، شکایتیں، گلے، محرومیاں۔

تاریک میں ڈوبے آسمان نے اس کے ذہن میں مزید تاریکی بھر دی تھی اس نے نظر گھما کر دوبارہ سٹیج کی طرف دیکھا جہاں تمام لوگ مہندی کی رسم کر کے سٹیج سے اتر چکے تھے اس کی نظروں کے عین سامنے اب الوینہ اور اومان تھے، سجے سنورے روپ میں خوبصورت ترین محسوس ہوتی الوینہ۔

اس کو چاہنے اور سراہنے والا اومان، اس کا ساتھی، جو اس کی طرف جھکا جانے کیا سرگوشیاں کر رہا تھا جس کی وجہ سے الوینہ مسلسل مسکرا رہی تھی، اس کے اندر جلن بھرنے لگی۔

''یہ سب کچھ میرے نصیب میں کیوں نہیں؟'' اسے ایک دم اپنے اور احسان کے نکاح کی وہ معمولی سی تقریب یاد آنے لگی، جس میں وہ دلہن تھی ایسی دلہن جو نہ تو شرم سے مسکرائی تھی نہ ہی کسی سنگھار کا اہتمام کیا تھا اور احسان، اس نے بھی تو کوئی شرارت بھرا میٹھا جملہ اس کی سماعتوں کی نذر نہیں کیا تھا اس کے دل سے آہ ابھری تھی۔

''آہ احسان کاش تم نے میرا ذرا سا خیال کیا ہوتا۔''

اپنی اور الوینہ کی شادی کے اس تقابلی جائزے نے اس کی آنکھوں میں مرچیں سی بھر دی تھیں، ایک دم وحشت کے بڑے سے بگولے نے اس کی سوچوں پر حملہ کیا تو اس کا دل چاہا وہ یہاں موجود ہر چیز کو آگ لگا دے، ہر مسکراتے چہرے سے ان کی مسکراہٹ نوچ لے۔

وہ بے ساختہ اٹھ کھڑی ہوئی تھی، جب اس کی نظر دائیں طرف کھڑے ابراہیم پر پڑی، جو الوینہ کے بھائیوں کے ساتھ کھڑا سنجیدگی سے شاید انہیں کسی مشورے سے نواز رہا تھا، جب سے وہ یہاں آئی تھی تب سے اس نے ابراہیم کو مسلسل کسی نہ کسی کام میں معروف پایا تھا، وہ جیسے بے ساختہ اپنی جگہ سے اٹھی تھی اسی طرح اپنی جگہ پر واپس بیٹھ گئی، اس کی نظریں ابھی بھی ابراہیم کے چہرے پر جمی تھیں جب اس کی سماعتوں سے عظمیٰ کی کہی پرانی بات ٹکرائی۔

''ابراہیم بھائی اس دنیا میں بالکل اکیلے ہیں، میں نے انہیں ہر طرح کے حالات میں انہیں ہمیشہ ثابت قدم پایا ہے۔''

ابراہیم کسی بات پر زور سے ہنسا تھا جس کی وجہ سے اس کی سفید رنگت سرخ ہوئی تھی، اس نے مزید غور سے اس کی طرف دیکھا۔

''تم غور کرنا ابراہیم بھائی کے چہرے پر ہمہ وقت ایک پرسکون مسکراہٹ سجی رہتی ہے جسے دیکھ کر اگلا بندہ خود بھی سکون محسوس کرنے لگتا ہے۔'' ایک اور سرگوشی نے اس کی سماعتوں پر دستک دی تھی۔

''تمہیں ابراہیم بھائی کیسے لگتے ہیں؟'' اس کی سوچوں نے دوسری طرف بہنا شروع کیا تھا، جب ابراہیم کی آواز نے اسے اپنی طرف متوجہ کیا۔

''عائزہ پیسوں سے سب کچھ خریدا نہیں جا سکتا مگر تم جو چاہو گی میں تمہیں وہ سب خرید دوں گا۔'' اس کے ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں لئے اس نے کیسے اسے تسلی دینا چاہی تھی، گزریں یادیں یکہ بعد دیگرے اسے سوچ میں مبتلا کر رہی تھیں، جب اس نے جھنجھلا کر خود کلامی کی تھی۔

(باقی اگلے ماہ)

الک جہاں اور ہے

سدرۃ المنتہیٰ

بائیسویں قسط کا خلاصہ

لاھوت امرت کو وضاحت دینے آتا ہے۔
فنکار ایک عرصے بعد بھائی کی موت پر اپنے گاؤں جاتا ہے۔
امرت جاب کے سلسلے میں کئی جگہ انٹرویو دینے جاتی ہے۔
ھالار امرکلہ سے ملنے ایک عجیب علاقے تک آنکلا ہے اور اس نے امرکلہ کو شادی کے لئے پروپوز کر دیا، وہ شدید حیرت کی زد میں آجاتی ہے۔

اب آپ آگے پڑھیئے

تیئسویں قسط

''جز اور کل کا سوال اٹھنے لگے تو روح کے طلسم کے چھٹ جانے کا وقت ہوتا ہے۔''
''تو امرت تم بھی، تو اب تم پہ بھی......''
''میں نے کہا تھا آپ کو کہ وہ لڑکی معمولی نہیں ہے، جو آپ کے روبرو ہوئی تھی۔'' خاتون نے غیر معمولی انداز میں کمرے میں قدم رکھ دیئے تھے۔
''کیا اسے امانت مل گئی ہے؟'' بی بی لرز گئیں تھیں۔
''مجھے لگتا ہے اسے امانت مل چکی ہے بی بی۔''
''قسم کھاؤ مائی، رب پاک کی قسم کھاؤ۔'' بی بی بپھر گئیں تھیں۔
''نہ بی بی نہ، قسم کھانا میری شان نہیں، میں تو اپنی اوقات میں اچھی، گناہ گار نہ کریں مجھے۔''
''تو پھر بواء اماں کو بلاؤ، انہوں نے یہ سب دکھانے ہمیں بلاوایا ہے کیا۔''
''نہ بی بی...... توبہ کریں، بواء اماں خود اس طرف آتی ہوں گی آپ سامان باندھیں نہ باندھیں بس چلنے کی کریں۔''
''میں اس لڑکی سے ملے بغیر نہیں جاؤں گی مائی، اسے بلاؤ۔''
''نہ بی بی، اب آپ کے جانے کی باری ہے، اسے بلانے کی مجھ میں ہمت نہیں ہے، باپ کو سینے سے لگائے بیٹھی ہے، باپ کا سارا جسم تھر تھر کانپ رہا ہے، برداشت سے باہر ہو رہا ہے وہ، لڑکی نے سنبھال رکھا ہے، اس کا لڑکا تو دروازے کی چوکھٹ پر بیٹھا آنسو بہا رہا ہے بزدلوں کی طرح، باپ سے زیادہ سہا ہوا ہے، لڑکی بہادر ہے بڑی۔''
''لڑکی کو نہیں مائی اس کے ابے کو امانت ملی ہے یہ اسی کا حق تھی۔''
''تو عبدالحادی تو نہ چاہتے ہوئے بھی پھنس گیا۔'' بی بی کے ہونٹوں پر عجیب مسکراہٹ تھی جسے مائی نہ خوشی کا نام دے سکتی تھی نہ ہی دکھ کا نام دے سکی۔
سرور اور بے بسی کی ایک ساتھ جھلک تھی۔
ادھر امرت نے ابے کو زور سے تھام رکھا تھا، نیند میں آنے والی آوازوں کے بعد اب ان کا جسم تھر تھر کانپ رہا تھا۔
''میرے باپ کو بچا لو امرت تمہیں اللہ کا واسطہ انہیں بچا لو۔'' جو کل لڑنے مرنے مارنے پر تلا ہوا تھا وہ آج منتیں کر رہا تھا، بس پاؤں پڑنے کی کسر تھی۔
''جس کے واسطے دے رہے ہو، اسے پکارو ھالار۔'' امرت نے ابے کے سر کو اپنے بازوؤں میں بھر لیا۔
وہ بچہ بن کر بیٹی کو ماں سمجھ کر تڑپ رہا تھا اور امرت انہیں ساتھ ساتھ بھینچے کسی قرآنی آیت کی بہ آواز بلند تلاوت کر رہی تھی۔
وہ ہوش میں نہ تھی اور وہ ہو رہا تھا جو تقدیر کے کسی صفحے کی سطر میں درج تھا۔
بی بی کہنے لگیں امانت مل رہی ہے۔
فنکار سمجھا ہاتھ سے نکل گیا ہوں۔

ھالار سمجھا ابا جیتے جی گیا۔
امرت کو صرف بے بسی، سرور، قصور، معافی طلب گاری کی لہر اور عنایت کی چاہ نے تھام رکھا تھا۔
معاملہ تھا، ذرے سے سمندر کا، قطرے سے دریا کا اور تھوڑے سے تمام کا، جز سے کل کا، پیاس سے تلاش کا، معاملہ تھا بندے سے بندے کے رب کا، معاملہ بڑا گمبھیر تھا۔
کون معاملے میں پڑتا، جان سے جاتا اگر منہ کھولتا تو، کون جانتا تھا کہ امانت کس کی ہے، کسی کو مل رہی ہے اور کیا ہے۔
کیونکہ سمندر میں تو کتنے ذرے ہوئے ہیں اور ذرے کی پناہ سمندر ہے، جو جا کر سمندر میں گم ہو کر پناہ لیتا ہے، قطرہ اپنی کیا اوقات جانتا، یہاں لوگ طاقتوں کے نشے سے چور اور کچھ آمد کے طلسم سے گھبرائے ہوئے، ہر کوئی اپنے اپنے گناہ میں تر، خیال سے بہرہ ور اپنے اپنے محور کے گرد چکر کاٹتا اپنی ہستیاں جلا بجھا رہا تھا اور کرنے والے ان لمحوں میں اپنا کام کر جاتے تھے۔
امرت کو ابے کی جان کی پڑی تھی، ابے کو اپنی کوتاہی سے کانپنا پڑ رہا تھا۔
ھالی کو ابے کے اوسان کی فکر تھی، وہ ہاتھ سے نکلتا ابا دیکھ کر ہاتھوں سے نکلا جا رہا تھا، دامن پھیلا لیا۔
''یا اللہ! میں تجھ سے کچھ نہیں کہتا بس اتنا کہ مجھے اپنے بابا کی زندگی ان کی صحت اور ہوش کے ساتھ دے دے۔'' دست سوال دراز تھا۔
امرت نے زندگی میں پہلی بار جس کانپتے کمزور کو ساتھ لگایا تھا جس سے یہ احساس ہوا کہ باپ کیا ہوتا ہے اور کتنا پیارا ہوتا ہے اور کتنا ضروری ہوتا ہے۔
اور فنکار کو صرف اتنا پتہ تھا کہ وہ کسی کے رحم وکرم پر ہے اور بیٹی ماں کی محبت کا ایک زندہ روپ ہوتی ہے، بات طلسم کی ہے، جو ماتا میں چھپا ہوا ہے، بات صرف محبت کے رنگ کی اور اس کی چاہ کی تھی، بات بہت بڑی تھی، ابھی منزلیں پڑی تھیں۔

☆☆☆

اپنی آگ میں خود جل جائے، تو ایسا پروانہ بن جا، راکھ دل ہوا یا دل راکھ، معاملہ ایک سا تھا، اس نے الٹے قدموں کی گنتی سیدھی کر لی تھی، اسے پکڑ کر اس نے کہا۔
''وہ تیرے پیچھے آئے گی، وہ تیری تلاش میں نکلے گی، ترسے گی تڑپے گی، اس نے سوچا نہیں ترساؤں گا نہیں تڑپاؤں گا، اگر جو بس میں ہوا علی گوہر کے، اگر جو وہ پیچھے آگئی۔'' آدمی مسکرایا۔
''بات کا مطلب ابھی نہیں سمجھا علی گوہر بھائی۔'' یہ قدم گاہ مولیٰ علی کے پاس پھرنے والا فرید معین تھا۔
''جانے کتنے ملنگ نگریوں میں پھرتے ہیں، خدا جانے، پہلے سے ایسے ہوئے ہیں، یا اللہ والوں کے پاس آ کر رنگ پہن لیتے ہیں، رنگین بن جاتے ہیں، کہیں جا کر پھیریاں لگاتے ہیں، یہ جھاڑ و گھما کر پیسے لینے والوں میں سے نہیں ہوتے، یہ کہاں سے نکل آتے ہیں پتہ نہیں چلتا، رنگ پہن لیتے ہیں اور رنگین ہو جاتے ہیں، پھر رنگ چھوڑتے نہیں پکے بھی ہو جاتے ہیں، ہاں کچھ چھوڑ

بھی جائیں تو داغ رہ جاتے ہیں۔''
''فرید حسین بھی شکار ہوا تھا کبھی، روح کی پیاس رکتی ہو، دل کی دھڑکن چلتی ہو پھر تھمتی ہو۔''
کہہ تو اپنی سہیلی سے رہی تھی، مگر آنکھوں کے جنتر منتر والے سارے قصے جانتی تھی، جاتے ہوئے کہنے لگی کہ۔
''فرید حسین کیا دیکھ رہے ہو؟ اپنی آنکھوں کی دولت چھپا کے رکھو، مجھے تمہارے فیض کی پرواہ نہیں ہے، جب میں نے آنکھیں چرائیں تو اس نے مجھے نشانہ بنا دیا، وہ کیا کچھ سمجھتی ہے علی گوہر، اس کے اندر جنگ چھڑ چکی ہے، ہم سب کے اندر تلاش کی جنگ چھڑ چکی ہے، قطرہ سمندر میں شناخت بنانے کے پر تول رہا ہے، سنو انسانی طلب گاڑیاں بنگلے ہی نہیں پوری کر سکتے بڑی تڑپ ہوتی ہے، جستجو مچلتی ہے من میں، جب دنیا دکھ دیتی ہے تب جھٹکا لگتا ہے اور جب جھٹکا لگتا ہے تو گاڑی اچانک بھی راہ بھٹکتی ہے، پتہ ہے بھٹکتی نہیں ہے بھاؤ، دوسرا راستہ نکال لیتی ہے جیسے تھکن نیند کا رستہ نکال لیتی ہے، جیسے زندگی سکون کا، جیسے روح امن کا، جیسے دل عشق کا اور عشق بقاء کا، مگر اس سے پہلے فناء سے گزرنا پڑتا ہے، جدائی سے ہجر سے پھر فناء کاٹ کر بقاء کی طرف سفر کرتا ہے، مگر اس سے پہلے موت ضروری ہے۔
''موت۔'' علی گوہر کو جھٹکا لگا۔
''نفس کی۔'' فرید حسین کی آنکھیں جھلمل کرنے لگیں۔
''نہیں بھاؤ کئی چیزوں کی، ہجر بھی موت کا ایک روپ ہے اور نیند بھی، دیکھ گوہر بچہ پیدا ہوتے بھی تکلیف سے گزرتا ہے، مگر وہ دنیا پر آنے کے بعد بہت جلد مسکراتا ہے۔''
گوہر نے کہا۔
''مجھے ہجر کی وجہ بتاؤ، مجھے موت کی وجہ بتاؤ۔''
''جو گزرا نہیں وہ بکھرا ہے گوہر، سمٹے گا جب گزرے گا، بس یہ جانتے ہیں کہ ذائقہ ضروری ہے۔''
''تجھے یہ الجھاوا ہے کہ تو امر کلہ کے پیچھے ہے یا تڑپ نے تجھے رسوا کیا ہے؟'' وہ ٹھٹک گیا، امرت کی تعریف کرنے والا خود اس سے چار ہاتھ آگے نکلا تھا۔
''تجھے اُسی نے تڑپایا ہے، جس کے پیچھے تو جا رہا ہے وہ امر کلہ خود نہیں تو امر کلہ کے ساتھ وہ جڑی ضرور ہے تو بے وفا نہیں ہے بس تلاش ذرا لمبی کھینچ گئی ہے، فکر مت کرو، تلاش کو بھی موت آنی ہے۔''
''میں بے وارث نہیں مرنا چاہتا فرید بھاؤ، دل کا چین کہاں سے لاؤں یا جستجو، پھنس گیا ہوں۔''
''تو دل تھام اور کام کر، باقی کام مقدر پر چھوڑ دے، چھوڑ دے، تو گاڑی چلانا سیکھ جا، چابی ڈھونڈ چابی۔''
''کہاں ہوگی؟''
''پروفیسر غور سے ایک بار مل لے، اس کی دعائیں سنی جاتی ہیں آج کل، دیر نہ کر، چل بھاگ

لے۔"

"ابھی چلا جاؤں۔"

"دل پکڑو، کمزور ہے تو گھر جاؤ، ورنہ سیدھے چلے جاؤ" وہ نکلا فرید حسین نے دیکھا وہ لڑکھڑایا تھا، تھکن کا بوجھ زیادہ تھا، اسے پتہ تھا یہ سیدھا گھر جائے گا، کیونکہ امرکلہ پروفیسر کے گھر کے لئے نکل کھڑی ہوئی تھی۔

☆☆☆

"او میری سوہنی پتری، کتھے جا رہی ہے۔" سکھی نے امرکلہ کو چھوٹا سا تھیلا باندھتے ہوئے دیکھا اور اندر آ گئی۔

"تھیلا نہ باندھ بچے تیری ماں مرجھا جائے گی، دل ہول اٹھے گا اس کا، اندر سے مر جائے گی۔"

"آپ نے دیکھا ہے وہ میرے ساتھ کھانا نہیں کھا رہیں، بات نہیں کر رہیں، جہاں بیٹھتی ہوں وہاں سے اٹھ جاتی ہیں۔"

"تجھے اس بات کی شکایت نہیں ہے امرکلہ، شکایت یہ ہے کہ اس نے تجھے مارا اور برحق ہے مگر امرکلہ ہمارے ہاں پتہ ہے بچے کیا ہوتا ہے، اگر جو بچہ نماز نہیں پڑھتا، تو اسے تاکید کی جاتی ہے، اگر نہیں سنتا تو ڈانٹا جاتا ہے، ڈانٹ کا اثر، ر بچے پر نہیں ہوتا تو مارا تک جاتا ہے، ہم ماں باپ اس کی آخرت کی بقاء کے لئے پریشان ہوتے ہیں، یا پھر یہ ہے شاید کہ ہم چاہتے ہیں کہ بچہ خدا کی پہچان پائے۔" سکھی پڑھی لکھی نہیں تھیں، مگر بات فکر یہ کرتی تھیں۔

"ہاں الجھن مگر ان کے ہاں بھی کچھ ان باتوں کی تھی جن کو ہم بیان نہیں کر سکتے مگر محسوس ضرور کرتے ہیں۔" وہ محسوس تو کر رہی تھی مگر بات بیان سے باہر تھی، وہ امرکلہ سے بہت کچھ ڈسکس کرنا چاہتی تھیں، انہیں پتہ تھا وہ بھی محسوس کرتی ہے، پہلے وہ اسے منا کر روک لینا چاہتی تھیں۔

"ماں نے تجھے مارا ہے امرکلہ؟"

"تجھے پتہ ہے انا کو کیا تحفظات تھے مجھ سے، پہلے انہوں نے مجھے تاکید کی، پھر ڈانٹا بھی اب تو بت مار تک آ گئی ہے، انہوں نے مجھے خواب میں نماز پڑھتے دیکھا تو تھپڑ جڑ دیا، حقیقت میں دیکھتیں تو مار بھگاتیں۔" اس نے تھیلا واپس رکھ لیا تھا۔

فاطمہ نے کمرے کے باہر جاء نماز بچھائی تھی، ستون کے آگے۔

"میں نے کبھی نماز نہیں پڑھی۔" یہ بتانے کی اسے ضرورت نہ تھی سکھی جانتی تھی، وہ ہنس پڑی۔

"بات سجدے کی نہیں ہوتی امرکلہ۔" وہ اسے کچھ سمجھانا چاہتی تھیں۔

"بات سجدے کی ہی ہوتی ہے سکھی خالہ! سجدہ اقرار ہوتا ہے غلامی کا، میں نے کیئوں کو سجدے میں خود کی جان دیتے دیکھا ہے، سانس چلتی رہتی تھیں مگر جان غلامی میں ہوتی تھی، میں اتنی فرمانبردار نہیں بن سکتی، میں نے عیسیٰ مسیح کی بھی فرمانبرداری کم کی ہے، میں کسی بھی مذہب کو مکمل طور پہ اپنانے کے لائق نہیں محسوس کرتی خود کو، مگر مسئلہ یہ ہے کہ خالہ میں بے دین بن کر زندگی

نہیں گزار سکتی، خدا کے احساس میں جو احساس ہے زندگی کا وہ بھرپور ہوتا ہے، فرمانبرداری آپ کا باطن سجا دیتی ہے، میرے اندر کئی سوال ہیں مگر دیگر حل ہو چکے ہیں۔'' وہ کسے پڑھا رہی تھی سکھی کو، جو پڑھی لکھی نہیں تھی مگر پھر بھی بہت کچھ سمجھتی تھی۔

ان دونوں کی مسکراہٹ ملی اور نظر، دونوں ایک ہی وقت میں چپ ہو گئیں تھیں اور دونوں کی توجہ فاطمہ کی طرف تھی، وہ کچھ دنوں سے فاطمہ کے چہرے پر ایک عجیب شگفتگی محسوس کر رہی تھی، چہرے پر جھلکیاں آئی تھیں، رنگ آ جاتے تھے، اسے پتہ تھا اب رنگ آئے گا، وہ ڈر نہ جائے، وہ اندرونی طور پہ پیاسی تھی اور پیاس صحرا بن گئی تھی، جتنا پانی پڑتا تھا صحرا پی جاتا تھا، تھر کی خشکی آ گن تھی، وہی جو کسی کیفیت میں رچ بس جانے کے بعد آتی ہے۔

اس کا خود سے پہلے ہی یہ شکایتی سوال تھا کہ جب اپنا محبوب نہ ہو تو ہم خدا کو محبوب بنا لیتے ہیں، جب کوئی راہ نہ ہو تو ہی کیوں اور آخر کب عمر کے کسی حصے میں کیسے اور کسی طرح، جب کہ ان سب میں سے کیوں تو بہت جان کھپانے والا سوال تھا۔

وہ لفظ کیوں کے اندر چھپے غصے شدت، ملال، الجھاوے سے گھبرا جاتی تھی، اسے پتہ تھا اس نے کتنے لوگوں کے کیوں کا جواب دینا ہے، اسے ھالار کے کیوں کا جواب دینا ہے، اسے سادھنا کی ماں کے کیوں کا جواب دینا تھا، اسے سادھنا کے کس وجہ سے اور کس طرح اور کیا کا جواب دینا تھا۔

ایک علی گوہر نے اس سے کہاں؟ کا سوال نہیں کیا تھا۔
پروفیسر غفور کا کس لئے اپنی جگہ زندہ تھا اور فنکار کا کس کی خاطر۔
وہ بھاگ بھاگ کر تھک چکی تھی، اسے لگتا تھا دنیا اس کے چھپنے کے لئے بہت چھوٹی پڑ گئی ہے، جتنا چھپے گی اتنا ظاہر ہو گی، اس لئے وہ اب پوری طرح سے باہر آنا چاہتی تھی جس ڈر کے خوف سے ایک زندگی گزار دی تھی۔

اس ڈر کو ایک بار اپنی آنکھوں کے سامنے دیکھ کر لڑ لینا چاہتی تھی، وہ خود کو ایک بار آزمانا چاہتی تھی، ایک بار...... اور اس نے رات پروفیسر غفور کو خواب میں دیکھا تھا وہ ان کی مشکور تھی، ان کی احسان مند تھی، ان کا شکر یہ ضرور ادا کرنا چاہتی تھی، ایک بار ان سے کھل کر بات کر لینا اور کچھ پوچھ لینا چاہتی تھی اور کیا...... کون کیسے کے سوال تو اس کے اندر بھی اٹھتے تھے، ایک تو سفر اسے کبھی ٹکنے نہیں دیتا تھا۔

''فاطمہ کے لئے بہت پریشان ہوں امر کلہ، وہ رستہ چن رہی ہے، ابھی ڈرتی ہوں خدا جانے کیا کرے گی، کہاں جائے گی اور کس طرف، ڈوب نہ جائے۔''

وہ سمجھ رہی تھی کہ فاطمہ کا رخ دونوں طرف ہو رہا ہے کبھی ادھر کبھی ادھر اور دونوں طرف شدت کے ساتھ۔

''وہ اسے دونوں سے نہیں کھونا چاہتی تھی، مگر اعتدال ہی تو مشکل ہے۔''

''دیکھا امر کلہ پڑوس کی خواتین آنے لگی ہیں، لوگ اسے دعا کروانے آتے ہیں، اس کے ارد گرد لوگوں کا تانتا نہ کہیں بندھ جائے، وہ کوٹھی تک نہ محدود ہو جائے، لوگ اسے درویشنی کہنا

شروع کر دیں گے اور وہ دنیا کو اپنے اوپر حرام کرنا شروع کر دے گی، ویسے ہی بہت مانھی ہے، چپ ہے، اس کی چپ مارتی ہے مجھے، اندر سے بھی۔"

"یہ چٹھی لے جاؤ فرید حسین ہے میاں محمد حسین کا اکلوتا بیٹا، شیرو کا جگری یار تھا، ابھی حیدر آباد میں ہو گا دو بچے ہیں اس کے، دونوں پر نہ ملے تو حیدر آباد کی ساری درگاہیں چھان لینا کسی ایک سے اس کا نام و نشان مل جائے گا، مل جائے تو کہنا شیرو کی ماں بلاتی ہیں اور یہ چٹھی دے دینا۔" چٹھی کھلی تھی اس پہ دو چار ٹوٹے پھوٹے لفظ تھے، جو سمجھ سے باہر تھے۔

"مجھے بتا ئیں کیا کہنا ہے میں لکھ دوں؟" امرکلہ کو ترس آیا۔

وہ لکھنا جانتیں تو بہت کچھ خود سے لکھ لیتیں۔

"اس پہ کوئی بوجھ نہیں ڈالنا چاہتی میں، بس اسے کہنا شیرو کی ماں بلاتی ہیں، دوڑا چلا آئے گا، تجھ سے کہے گا گھر چلیں کھانا کھائیں، تو چاہے تو جاسکتی ہے مگر نہ جانا، ہاں اگر ضرورت ہو پھر چلی جانا، وہ آجائے گا تیرے ساتھ اسی لمحے چل پڑے گا، ورنہ بہانہ کر دے گا کہ کام ہے اور اگر بہانہ کر دے تو پھر نہ کہنا لوٹ آنا کہنا اماں کی دعا ہے تیرے لئے۔"

امرکلہ سمجھ گئی تھی وہ عورت شیرو کی نہیں اس وقت فاطمہ کی سگی ماں لگ رہی تھی، اسے ڈھیروں پیار آگیا، ان کے ساتھ لگ گئی۔

"ایسے ماں کو بھی ساتھ لگا لے ایک دفعہ۔" امرکلہ دل کڑا کر کے اٹھی، ماں برآمدے میں ہی تھی، اسے پتہ تھا وہ ہاتھ بڑھائے گی تو ہاتھ جھٹک دیں گی۔

"گلے لگے گی تو منہ پھیر لیں گی، مگر منایا تو مان جائیں گی، البتہ پھر اس کی لمبی کلاس شروع ہو جائے گی، سوسو وضاحتیں دینا پڑیں گی۔"

"جا رہی ہوں۔"

"کہاں؟ یہ تو بتا دے ماں کو۔" سکھی نے کہا، وہ چاہتی تھی ماں بیٹی کی صلح ہو جائے۔

"اس کے پاس جو کہتا ہے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور عیسیٰ کا خدا ایک ہے۔" ماں نے سکھی کی طرف جتاتے ہوئے دیکھا، کہ دیکھا یہ کہاں جا رہی ہے، سمت کی تعین کا ڈر اس کے اندر ہونے لگا تھا، سکھی نے امرکلہ کو آنکھوں ہی آنکھوں میں تنقیدی اشارہ کیا تھا۔

"آجائے گی تھیلا لے کر نہیں جا رہی۔" سکھی نے اپنے طور پہ آہستگی سے تسلی دی تھی سہیلی کو۔

"تھیلا لے کر جانے کا مقصد ہوتا ہے انسان اپنے کہیں جانے کے اوقات کا تعین کر رہا ہے، تھیلے کا سائز بتا دیتا ہے کہ رہائش؟ سفر کا قیام کتنا ہو گا، مگر کوئی بھی تھیلا نہ پا کر وہ کیسے اندازہ لگاتیں کہ اتنے دن میں لوٹ آئے گی۔" سکھی نے تسلی دی کہ دن بھر میں دیکھنا لوٹے گی۔

مگر وہ بھی امرکلہ کی ماں تھی، جانتی تھی۔

"اپنا خیال رکھیئے گا۔" وہ بس اتنا کہہ سکی، فاطمہ نماز ختم کر کے اٹھی تھی۔

"کہاں جا رہی ہو امرکلہ؟" لہجہ بہت نرم تھا، اس نے اپنی بات دہرائی۔

"اس سے ملنے جس نے کہا تھا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور عیسیٰ کا خدا ایک ہے اور جو محمد کے بعد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہتے تھے اور عیسیٰ کے بعد علیہ السلام کہتے تھے۔" فاطمہ کے چہرے سے

چاندنی چمکی، اس نے امر کلہ کے گال کو ہلکا سا چھوا ایسے پیار سے، جیسے کسی معصوم بچے کو گہری بات کرتے ہوئے سنتے حیران ہو کر پیار دیا جاتا ہے ایسے نہیں بلکہ ایسے کہ جب کوئی سنجیدہ انسان اپنے اندر کی تلخی پر نرم پھنوار کی برسات کھولتا ہے اور بھیگ جاتا ہے پھر بھگو دیتا ہے۔

امر کلہ کے آنکھیں تو بولتے ستارے تھے، وہ اب ان آنکھوں میں جھانکنے کی سکت سے آشنا ہوئی تھی، یا پھر اس کے چہرے پر پڑتے اپنے معصوم عکس کی پرچھائیں پر اسے پیار آیا تھا، وہ نہ جان سکی، مگر امر کلہ کی مسکراہٹ پوشیدہ تھی، وہ جانتی تھی، اس نے فاطمہ کو ساتھ لگایا۔

''اپنا خیال رکھنا۔''

''کب لوٹو گی؟ اب تو تمہارے بغیر گھر میں دل نہیں لگتا۔'' لہجہ ایسا ترنگ تھا، کھنکھناتا ہوا۔

''پیسے الماری میں ہی ہیں۔'' وہ بتانا ضروری سمجھتی تھی۔

''اسے کہہ پیسے لے جا۔'' اس نے سکھی کو کہا تھا۔

''کرائے کے پیسے میرے پاس ہیں، چلتی ہوں۔'' وہ ایک دن پہلے اپنے سونے کی ایک بالی بیچ آئی تھی، مکان کے پیسوں سے اس نے اپنے اوپر کوئی خرچہ نہیں کیا تھا، اس کا دل ایک دم سے بھاری ہو گیا تھا، خود کو بہت اکیلا محسوس کیا تھا لمحے کے لئے۔

باپ جیسا بھی تھا اس نے کچھ اور نہیں مگر فانٹا کی میٹھی ٹافیاں اور تالے کھولنا تو سکھائے تھے۔

ایک پیار کی تھپکی تو دی تھی، ایک محبت کا احساس تو تھا، اسے پہلی بار احساس ہوا وہ ہوتا تو اس کا احساس ضرور کرتا، اسے شاباشی دے کر گلے سے ضرور لگاتا، اس کی آنکھوں میں چھائی اداسی پہ پیشانی کو ضرور چوم لیتا، چاہے پیسے نہ دیتا خرچہ نہ اٹھاتا تھا، علاج نہیں کرواتا تھا۔

مگر محبت کا جو ایک احساس تھا وہ دیتا تھا، جس پر وہ محلے کی بچیوں کو بڑے فخر سے بتاتی تھی کہ میرا باپ ایک چور ہے، تب چور سے زیادہ بہادر اس نے کسی کو نہیں سمجھا تھا، بلکہ ایک بار تو اس نے یہ بھی کہہ دیا کہ میں بڑی ہو کر تالے کھولوں گی اور چور بنوں گی، اس کی ماں نے تب ہی اسے تالے میں پیسے اور چیزیں رکھنا چھوڑ دی تھیں۔

اور رات کے پہلے پہر کے اختتام پہ جب اس نے پروفیسر غفور کے گھر کا بیرونی تالہ کھولا تھا تو اسے تب ہنسی ضرور آئی تھی اور اندر سے انہوں نے چور کے کودنے کا یقین پورا کر کے ایک لاٹھی اٹھائی تھی۔

جو امر کلہ پہ سیدھی تو پڑی تھی، اگر وہ ہاتھ سے نہ روکتی گھپ اندھیرے میں لاٹھی تھامے کھڑا وہ پروفیسر غفور نہ تھا۔

☆☆☆

اور وہ شام تھی جب اس نے کلاس سے باہر نکلتے ہوئے اپنا فیوچر پلین وضاحت کرتے ہوئے فرمایا تھا۔

''میں بڑی ہو کر چور بنوں گی۔'' اور امرت کی زبان دانتوں تلے آ گئیں تھیں۔

''یہ اب کہا ہے پھر نہیں کہنا، میں تمہیں بتاتی ہوں کہ بڑے چچا جو کہتے ہیں کہ چور کا ہاتھ کاٹا جاتا ہے، اس نے کہا کیا ہوا ہاتھ پھر سے اگ آئے گا۔'' امرت نے یقین دلایا نہیں اگے گا۔

یہ چودہ سال کی عمر کا خواب تھا جو اس نے دیکھا تھا جاگتی آنکھوں سے جب لوگ کہتے ہیں، ڈاکٹر انجینئر بنیں گے، تب وہ کہہ رہی تھی بڑی ہو کر چور بنوں گی اور امرت نے اسی دن اس کے خواب کا وژن اڑا دیا تھا۔

وہ گھر آئی ہر بار ابے کے ہاتھوں کو دیکھتی کہ ابا کے ہاتھ کٹ تو نہیں گئے اور ڈر سے ہاتھ تھام لیتی چوم بھی لیتی جب وہ سویا ہوا ہوتا، نگار بری طرح بگڑتی۔

''اس بے غیرت کے ہاتھ چومتے ہوئے تجھے کیا مسرت ہوتی ہے۔''

''کیوں ابا ہے میرا۔''

''دفعہ ہو ابا ہے تیرا، لاتا کیا ہے تیرے لئے، چار ٹافیاں دے کر خوش کر دیتا ہے بے غیرت جو چوری کرتا ہے۔'' انہیں بڑا غصہ ہوتا تھا۔

آدمی کی کچھ نا ہوتے بھی دو شادیاں تھیں، زیادہ تر وہیں رہتا تھا، گھومتا پھرتا لٹاتا، چھوٹی موٹی چوریاں کرتا اور لمبے لمبے قہقہے لگ کر اڑا دیتا۔

سال میں دو جوڑے امرکلہ کو دلواتا، ایک بیوی کے منہ مار آتا ہر بار چار چھ ٹافیاں او بسکٹ دے کر بچی کو خوش کر دیتا وہ اسی زندگی میں جی رہی تھی، اسکول اس لئے جاتی کہ گھر میں دن نہ گزرتا تھا، پھر تو امرت آ گئی اور اسکول اس کے لئے پناہ گاہ بن گیا جیسے آٹھ گھنٹے کی پناہ گاہ، امن، کہانیاں، مسرتیں، قہقہے، کھلکھلاہٹیں اور لطیفے، تجسس، عجیب، عجیب کہانیاں لائی تھی وہ دیہات سے اور امرکلہ تو ان کہانیوں میں ہی کھوئی رہتی تھی۔

ساری رات سوچتی، اسے امرت کے گاؤں دیکھنے کا بہت شوق تھا، مگر خوف بھی کہ امرت اسے لے آئی تھی گاؤں سے جیسے شہزادی کو محل سے رہائی ہوئی ہو، جو جتنا بھی خوبصورت ہو مگر ہو تو قید خانہ ہی۔

امرت تو بھولے سے بھی نہ جانا چاہتی تھی، صرف تب جب اس کا سوتیلا بھائی عدنان اس کی زندگی حرام کر دیتا تھا۔

وہ سارا دن کتابوں میں کھوئی رہتی، ماں خوش تھی کہ بیٹی آ گئی اب ہاتھ بھی بٹاتی تھی چھوٹے موٹے کاموں میں۔

عدنان ہر وقت ناک میں دم کیے رہتا تھا، اس کے کہانیوں کے صفحات پھاڑ دیتا تھا، کلرز پین اٹھا کر گٹر میں پھینک آتا، کھلونے جو کاپی پین سلیٹ بھی تھے جو وقت گزاری بھی تھی اور خواب بھی، بھولے سے ایک روز امرکلہ کا گھر میں ماں کے سامنے ذکر کر دیا اور انہوں نے پوری تفتیش لے لی۔

''اچھا تو لڑکی عیسائی ہے، خبردار امرت جو اس سے ملی بات چیت کی۔'' اپنے تئیں وہ پورا زور لگاتی۔

ادھر نگار ایک روز امرکلہ کے اسکول آئی تو پتہ چلا مسلمانوں کی لڑکی کے ساتھ کیا ہی بنتی ہے، ایک نوالہ ساتھ کھاتی ہیں ایک ساتھ روم جاتی ہیں، دوسری پہرہ دیتی ہے، ایک باہر نکلتی ہے چیز لاتی ہے، دوسری بیگ تھامے سنبھال کر رکھتی ہے، ساتھ کھیلتی ہیں، اٹھتی ہیں، بیٹھتی ہیں، گھومتی پھرتی ہیں، کہنے کو ایک منہ سے سانس لیتی ہیں۔

وہ بگڑی بگڑی استانی کو سنا آئی کہ خبردار جو میری بیٹی کو اس مسلم سید زادی کے ساتھ چھوڑا، بری بگڑے گی، صحبت کا اثر تو چڑھتا ہے، حالانکہ دیکھ بھی رہی تھی، اس کی صحبت کا اثر جو چڑھا اچھا چڑھا تھا، ماں باپ جتنا دونوں پر پہرے بٹھاتے ان کی آپس میں دوستی اتنی ہی بڑھتی گئی تھی۔

اسکول سے کالج بھی ایک، جب امرکلہ کو تو بٹھا دیا جاتا اگر وہ نہ اس پہ چیختی کہ پڑھنا ہے، تبھی امرکلہ کو سر میں درد رہنے لگا تھا اور سر درد کو معمولی سمجھ کر وہ نظر انداز کرتی تھی، امرت ایک بار اسے زبردستی ڈاکٹر کے پاس لے گئی تھی اور اچھی خاصی دوائیوں کا مطلب تھا کہ کیسر کی ضرورت ہے اسے پتا تھا دوائی کہاں سے آئے گی، سو چٹ پھاڑ دی، دوسری بار ماں نے ترس کیا ڈاکٹر کو دکھا دیا، چار گولیاں دلوا دیں، وقتی فائدہ ہوا، مگر جب اچانک یہ درد اٹھتا تھا تو جان لے لیتا تھا، سر کا پچھلا حصہ، اگلا حصہ، جیسے الگ الگ محسوس ہوتا، وہ چکرا چکرا کر گر جاتی تھی، تب ایک فقیر سے راہ گزرتے ہوئے امرت نے کہا تھا۔

''بابو میری دوست کے پاس پیسے نہیں ہیں، ان کے لئے دعا کریں انہیں درد نہ ہو۔'' تب لاٹھی اٹھائے ہوئے پروفیسر غفور جو ٹانگ کی ہلکی چوٹ کی وجہ سے کچھ معمولی لڑکھڑاتا تھا۔

ہلکا ہلکا لاٹھی اس کے ہاتھ پر رکھ کر بجائی اور پھر فقیر سے کچھ نہ کہا البتہ اسے ایک چٹ لکھ دی۔

''کہ یہ اسے دے دو، کہو سر کے نیچے رکھا کرے۔'' اس نے یہی کیا تھا اور واقعی اس کے درد میں کمی واقع ہوئی تھی، وہ خوش ہو گئی تھی۔

اور تبھی وہ...... وہ امرکلہ کے نام سے لکھنے لگی تھی، ایک ادیب سے متاثر تھی جس کا نام عبد الحادی تھا، لوگ اسے مزاج کے حساب سے فنکار کہتے تھے۔

اور وہ فنکار کی کہانیوں کی فین تھی، ان کے موضوع ان کے مسائل ملتے جلتے تھے، وہ ان کی انسپریشن لے کر بڑھ رہی تھی اور ھالار نے سب سے پہلی کہانی جو پڑھی وہ امرکلہ کی تھی اور اسے لکھا امرت نے تھا اور ھالار اس لڑکی کی کہانیوں کا فین ہو گیا تھا، ٹین ایجر تھا، خوابوں کے دیس میں قدم رکھنے کو بے تاب تھا، کالج کا پتہ پرچے کے دفتر سے زبردستی لیا اور کالج کے دروازے پر اس نے اپنی پسندید لکھاری کو دیکھا، ایک لڑکی سے پوچھا امرکلہ کون ہے، اس نے بتایا وہ گہری آنکھوں والی، حالانکہ خوبصورت آنکھیں تو زیادہ امرت کی تھیں وہ امرکلہ کی تلاش میں آیا تھا اور دیکھ لیا۔

اس رات وہ کیسے سو سکتا تھا، پوری رات آنکھوں میں کٹ گئی، خوبصورتی خواب دلکشی تو اور تھی، مگر زندگی اتنی خوبصورت کیوں لگی۔

☆☆☆

اس نے پہلا خط امرکلہ کے نام لکھا تھا، امرکلہ چڑ گئی، امرت کو دیا، ھالار بھی چالاک تھا، پہلا خط صرف کہانیوں کی تعریف میں لکھا تھا، سو امر نے کہا امرت تمہارے لئے ہے۔

اور امرت نے شرارت میں نہیں بلکہ پوری سنجیدگی سے جواب دیا خط کا کیونکہ خط میں کوئی بہت سنجیدہ مسئلہ اٹھایا گیا تھا جو کہانی پر مبنی تھا، امرت نے دو خط جواب میں لکھے، پھر تیسرے افسانے پر تیسرا خط آیا۔

اسے مزا آنے لگا، امرکلہ اسے خط پکڑا دیتی تھی، خود کوئی دلچسپی نہ تھی اسے، امرت جانے اس

کا کام، یہ وہ وقت تھا جب کہانیوں پر کوئی انکم نہ تھی، صرف چھپ جانا نام لگ جانا بھی بڑی بات تھی۔

فنکار کا دل کہانیوں سے اٹھ چکا تھا، وہ گانے بجانے کی طرف لگ گیا، ھالار نے کتابیں پکڑ لیں، امرکلہ کی کہانی اور خط کا انتظار زندگی کو کتنا عجیب خوبصورت بنا دیتا تھا، امرت بھی نئی حیرتوں اور جبرتوں کا شکار تھی، زد میں آ گئی نہ بچ سکی، مگر اسے پتا تھا یہ سب قلمی ہے وہ امرکلہ کو دیکھ گیا ہے، یہ خطوط بس وہ اسی کی طرف سے لکھتی ہے۔

دو سال گزر گئے، اعتماد پورا آ گیا، کبھی کسی خط میں کوئی نازیبا بات نہ تھی، آخر کار ایک فرمائش آئی جسے ٹالنا مشکل تھا، ٹالا بھی، مگر وہ پہلی بار سرخ کوٹ پہن کر امرکلہ کے رستے میں آ گیا تھا، اسے یہ نہیں پتہ تھا بات کہاں تک جاتی ہے۔

☆☆☆

امرت نے اسے آوارہ لڑکوں کی طرح گیٹ پر کھڑے ہو کر دیکھنے سے منع کیا تھا۔

ھالی نے بھی قسم کھا لی اب تب دیکھوں گا جب وہ ہاں کر لے گی، امرت کو اس کی سچائی پر یقین تھا، امرکلہ سے کہتی رہی لڑکا اچھا ہے مل لو سوچ لو، مذہب کا کیا ہے، اہل کتاب تم بھی وہ بھی، [illegible] گئی تھی اور امرکلہ نے سوچا کہ کھیل ختم ہو جانا چاہیے۔

وہ اسے بتانا چاہتی تھی اور تب ہی آخری بار امرکلہ نے خود امرت سے کہا کہ اسے کہوں میں ملنا چاہتی ہوں، وہ اسکالرشپ پر باہر جا رہا تھا اور انتظار تھا کہ اس سے پہلے وہ قصہ رشتے میں بدل جائے اور امرکلہ چاہتی تھی کہ ختم ہو اور آخری بار تب بھی وہ سرخ کوٹ پہن کر آیا تھا اور پہلی بار امرکلہ کے دل کو کچھ ہوا تھا، پہلی بار۔

اور پھر علی گوہر امرت سے نہ پوچھ سکا، کہ بتاؤ تمہیں کبھی محبت ہوئی تھی، یہ پوچھنے کی ضرورت بھی نہ تھی، کھیل کھیل میں جو جذبات پروان چڑھے تھے اسے انسیت ہمدردی اور لگاؤ کا نام دیا جا سکتا تھا، مگر محبت...... یہ خود امرت کے لئے بھی سوالیہ نشان رہا تھا۔

ہاں مگر کچی عمر کے احساسات کا زیاں تو ہوا تھا نا، وہ کشتی جو کنارے نہ لگے، اِدھر اُدھر ڈولتی رہے وہ کب تک بیچ سمندر ڈولے گی، یا پار لگے گی یا پھر ڈوبے گی۔

اس دن کے بعد چار دن خاموشی سے کام ہوا تھا، علی گوہر اور اس نے مل کر پرچے کا کام تو ختم کیا تھا، اس کی بنیاد تو ڈالی تھی، ان کا پہلا پرچہ دو ماہ بعد منظر عام پر آنے والا تھا وہ تیزی سے پلین کر رہے تھے، ان کے پاس بہت کم منافعہ تھا، وہ کام کے شروع سے رسک لے رہی تھی، اسے اندازہ تھا اس کا پرچہ چند ماہ یا ایک سال بمشکل نکال پائے گا۔

وہ لکھاری کو رکارڈ توڑ اعزاز یہ نہ سہی ایک اچھا حوصلہ افزاء اعزاز یہ دے رہی تھی، جو اس نے پلین کیا تھا، چار رائٹر وہ ماضی سے پکڑ کر لائی تھی، ایک محترمہ اسکول کی پرنسپل کو جا لیا جو کئی سالوں سے سندھی ادب سے مایوس ہو کر ہٹ گئیں تھیں۔

وہ انٹرویو کے نئے سلسلے شروع کر رہی تھی، سندھی کہانی کل اور آج کی بنیاد پر پچاس سالہ سندھی ادب کھنگالنا ضروری تھا، جہاں اس کے لئے کئی حیرتیں تھیں، اس نے سوچا وہ ہر ماہ کسی نئے

رائٹر کو متعارف کروائے گی، ہر ماہ ایک نئی نشست کہانی کی شروع کرے گی جس میں ایک دوست کے نقش قدم پہ چل کہ کئی تجربات کی خواہش تھی، اس نے شبنم گل سے بات کی تھی، وہ کہانی کی دنیا کا ایک معتبر نام تھی، وہ ادارے میں شگفتہ شاہ شبنم اور نواز حسین لڑکے جیسے محنتی اور معاون لوگوں کو لانا چاہتی تھی، مگر اس کے لئے وسائل اور وقت درکار تھا، اس نے فرید حسین سے بھی آنے کی درخواست کی تھی۔

وہ نواز حسین کو ڈھونڈ رہی تھی کئی دن سے وہ غائب تھا، شاید پھر سے موصوف کسی چکریوں میں لگا تھا، پھر اسے روک لیا گیا تھا، کسی کام کے لئے، وہ نہیں جانتی تھی کہ نواز حسین کئی دنوں سے بے مقصد ایک سنسان سڑک پر دو گھنٹے اپنا تانگہ روک کے کھڑا ہوتا ہے تو کیوں اور کس لئے، کیونکہ یہ سب نواز حسین خود بھی نہیں جانتا تھا، کہ وہ ایسا کیوں کر رہا ہے، یہ تو اندازہ تھا کہ کسی لئے کر رہا ہے، مگر کس کے لئے یہ جاننا اس کے لئے ضروری تھا۔

امرت تو بس انتظار میں تھی اس کے ساتھ آمنا سامنا ہو جائے ذرا تو وہ اس سے پوچھ لے۔

مس یاسمین کو پتہ چلا تھا، وہ کیک لے کر آئی تھی، اس نے کہا تھا اگر پورا سال میرا پرچہ چل گیا تو آپ کو بورڈ سے اٹھا کر یہاں لے آؤں گی۔

مس یاسمین نے کام کی پیشکش تو ضرور کی تھی مگر وہ انہیں کیسے بلاتی کہ بورڈ کی جاب مس یاسمین کے لئے سہولت تھی، وہ اس سے اپنے بچوں کے اخراجات کی کمی پوری کرتی تھی، وہ کیسے معصوم بچوں کے رزق کو رسک میں ڈالتی، البتہ ایک بیچارہ علی گوہر تھا، ایک وہ تھی اور چند ماہ کا رسک تھا۔

لاھوت اور عمارہ کو صرف ایک دن بٹھا کر ان لوگوں نے کام کروایا اور وہ ایک دن وہ دو دونوں شام ڈھلے دفتر سے سر پہ پیر رکھ کر بھاگے تھے، اس کے بعد ایک مرتبہ گھر پہ آ کر مل لئے مگر دفتر نہ آئے تھے، امرت انہیں سنا سنا کر تھک گئی تھی مگر کوئی اثر نہ تھا اور امید بھی نہ تھی۔

سب منصوبے اپنی جگہ، سب کام اپنے، اس نے کاموں کا ایک انبار اپنے لئے چن لیا تھا، اکٹھا کر لیا تھا، وہ اس دن بھی کاغذات کھولے بیٹھی تھی، کچھ لوگوں نے مواد بھیجا تھا اور وہ بالکل خالی تھا جیسے، ایک کہانی کی اصطلاح تو اتنی مشکل تھی کہ اسے سینئر ادیب کے پاس جانا پڑا، اس نے دو دن وقت دیا نہ ملیں۔

تیسرے دن غصے سے افسانہ لے کر علی گوہر نے خود ہی خلاصے لکھ دیئے، وہ خوشی حیرت اور دکھ کے ملے جلے تاثرات سے اسے دیکھتی رہی تھی۔

اس نے بھی کیا سر لے لیا، پتہ تھا اگر چند ماہ بعد پرچہ نہ چلا تو پیسے الگ ضائع ہوں گے، وقت الگ اور ساکھ خراب ہو گی کہ اتنے بڑے دعوے کیے تھے سو کیا ہوئے۔

مگر کچھ وقت ہی سہی وہ اپنا خواب پورا کرنا چاہتی تھی، اس نے سوچا تھا اگر چند ماہ یا سال بعد پرچہ بند کرنا پڑا تو...... وہ پھر سے نیا کام ڈھونڈے گی اپنے لئے اور جب پھر ایک چانس ملا وہ زندگی میں اس کام کو پھر سے شروع کرلے گی۔

جب بھی...... جیسے بھی...... جس صورت بھی، اس کے بعد وہ ایسا کرے گی کہ فی الوقت کچھ

دوستوں کے ساتھ مل کر کام بانٹ لے گی یا یہ پرچہ اپنی تمام پالیسیز اور عزم سمیت کسی کو دے گی جو صرف پیسہ لگائے پرچے سے وہی کمائے آگے جا کر۔

وہ صرف ایڈیٹوئل سنبھالے گی تنخواہ پر، مگر ایک حوصلہ افزا اچھا معیاری پرچہ نکالنا اور آج کے سندھی کہانی کار کو اپنی کھوئی ہوئی میراث دلانے میں ایک معمولی سا کردار بھی ضرور ادا کرے گی جتنا اس سے ہو سکا، اس سے بھی کچھ زیادہ، تھوڑا زیادہ، بس اتنا جو کہ عزم کو ابھار سکے۔

☆☆☆

نواز حسین آج شام کو گھر آیا اور خود کو بڑا ڈانٹا کہ یہ کیا طریقہ ہے کہ دو گھنٹے پورے ضائع کرنے کے لئے وہاں جاتا ہوں اور دو راتیں مسلسل اس سڑک کو خواب میں بھی دیکھا ہے آج لوٹتے ہی اس نے دو انجکشن لگوائے کہ موسم کے ساتھ اس کی طبیعت بہت بری ہو جاتی تھی، حالانکہ جنوری اس کا پسندیدہ ترین مہینہ اور موسم تھا۔

مگر دسمبر اور جنوری ہی اس کے مشکل گزرتے تھے، انجکشن لگوانے کے بعد وہ ڈھیروں نیند سونا چاہتا تھا اور اسے ضرورت بھی تھی اور سویا تھا پتہ نہ تھا کہ کوئی ہڑبڑا کر اٹھائے گا۔

☆☆☆

امر کلہ کے سامنے ایک اجنبی چہرہ تھا، وہ اسے لاٹھی سے مار ڈالتا اگر سامنے عورت ہونے کا احساس نہ ہوتا، وہ عورت دیکھ کر پیچھے ہٹ گیا، معذرت کی، اندر آنے کے لئے کہا جب پروفیسر غفور کا نام لیا اس نے، وہ اندر آئی۔

''کہاں ہیں وہ؟''

''وہ گھر پہ نہیں ہیں، آپ تشریف رکھیے۔''

''پھر میں تشریف رکھ کر کیا کروں گی۔'' وہ بیٹھی نہ تھی۔

''وہ کب تک آ جائیں گے؟'' اس نے اس گھر میں اس نوجوان کو پہلی بار دیکھا تھا۔

''مجھے نہیں معلوم، میں بس آج شام سے ذرا پہلے آیا تھا ان سے ملنے، گھر کی چابی اور تالا مجھے دے کر نکل گئے اور کہنے لگے دنوں سے بڑے سفر کی تیاری میں ہوں آج خود چل کر جاتا ہوں۔''

''بڑا سفر؟'' امر کلہ کے دل میں سوال اٹھنے لگے۔

''ہاں شاید کسی صوفی کی ملاقات درکار ہو، کسی بڑی جگہ جانا ہو، عمرے کے لئے بھی تو کہہ رہے تھے، مگر من موجی ہیں ابھی جہاں دل کیا نکل پڑے ہوں گے۔'' اسے صرف بڑے سفر پہ اس کا چونکنا حیرت دے گیا تھا کیونکہ وہ بھی اپنی جگہ سے ہلا تو تھا۔

مگر صاف مکر گیا، یا پھر نظر چرانا جسے کہیں، امر کلہ ان کی غیر موجودگی میں یہاں تک تو نہیں سکتی تھی مگر ان سے ملنا بھی ضروری تھا۔

''کیا وہ آج رات نہیں لوٹیں گے؟''

''کچھ کہہ نہیں سکتے، بس مجھے رات یہاں رکنے کو کہہ گئے ہیں۔''

وہ سوچ میں پڑ گئی وہ پوری رات کس کے آسرے پر ہٹیتی یہاں پر اٹھی۔

''اچھا ایک بات بتائیں؟ آپ محترم فرید حسین کو جانتے ہوں گے۔'' وہ اچانک مسکرایا۔

''میرے علاوہ جتنے بھی ہونگے نہیں جانتا۔''
''آپ کہاں رہتے ہیں؟''
''پتہ بتاؤں۔''
''نہیں یہ بتائیں سکھی کو جانتے ہیں، شیرو کی ماں کو۔''
''آپ کو انہوں نے بھیجا ہے؟''
''جی، انہوں نے کہا ہے، آئی تو میں اپنے کام سے ہوں انہوں نے کوئی خط دیا ہے؟''
''جی دیا ہے، ٹھہریں۔'' وہ دوپٹے کے پلو سے چٹھی کھولنے لگی۔
''رہنے دیں محترمہ، انہوں نے جو لکھا ہوگا، خط پڑھنے کے بعد اگر خط کا جواب نہ دے سکا تو گنہگار ہو جاؤں گا۔''
''اگر دینا پڑا تو مجبور، آپ مجھے بتائیں کہ کیا حکم ہے؟ بلاوہ ہے؟''
''جی بلایا ہے انہوں نے آپ کو فوری طور پہ۔''
''یہ بتائیں فاطمہ کیا ان کے پاس پہنچ گئی؟''
''جی بالکل پہنچ گئی ہے۔'' وہ ٹھہر سا گیا۔
''اب کیا بتاؤں؟'' وہ اس کی یہ بتائیں کی رٹ سے محظوظ ہوئی تھی، وہ بہت کم محظوظ ہو پاتی تھی۔
''اب مجھ سے پوچھیں کہ میں کیا کہوں مس......؟''
''امر کلہ۔'' اپنا نام خود کئی برسوں بعد لیا تھا اپنے منہ سے، عجیب سا لگا۔
''امر کلہ۔'' وہ زیر لب بڑبڑایا۔
''میرا نام سنا ہے؟''
''امرت کے منہ سے سنا تھا۔'' وہ علی گوہر نہ کہہ سکا۔
''اوہ...... امرت...... یاد کرتی ہے مجھے وہ؟''
''کرتی ہیں؟ کیا مطلب؟ ملاقات نہیں ہوتی؟''
''تو آپ سب کچھ نہیں جانتے، (چلیں عزت رہ گئی)۔''
''خیر۔''
''بہت چاہ سے نام لیتی ہے آپ کا۔'' وہ مسکرا دی۔
''کیسی ہے؟ کہاں ہے؟ اور کیا کرتی ہے؟''
''میں ان کی ذاتی زندگی کے بارے میں بہت کم جانتا ہوں، البتہ مزار پہ آتی تھیں تو بہت خوبصورت باتیں کرتیں ہیں، آج کل ایک پرچہ نکال رہی ہیں، علی گوہر کے ساتھ مل کر۔''
پرچے کی بات پہ وہ خوش ہوئی مگر علی گوہر کے نام کی چپ تو جیسے نصیب کے ساتھ بندھی ہوئی تھی، نصیب کے ساتھ بندھی ہوئی جیسی بات پہ وہ سوچنا نہیں چاہ رہی تھی، بس دل میں زیر خیال بڑبڑانا بے خودی کا ہی ایک عالم تھا۔
''میرے لئے کیا حکم تھا؟'' اسے اپنی فکر پڑی ہوئی تھی۔

''فاطمہ کچھ شدت پکڑتی جا رہی ہے۔'' سمجھ گیا۔
''مجبوری یہ ہے کہ سکھی خالہ نے آپ کی سہولت کی خاطر کہہ دیا تھا کہ نہ آ سکا تو بہانہ کر دے گا اور جب بہانہ کر دے تو زور نہ ڈالنا، بس کہہ دینا کہ ماں کی تجھے بہت دعا ہو۔'' اس کی آنکھیں بھر آئیں۔
''ان کو پتہ ہے میری ماں نہیں ہیں کچھ سال سے، تب سے مجھے دعائیں بھجواتی رہتی ہیں۔''
''آپ نے اسی لئے اب تک شادی نہیں کی؟''
''شادی؟''
''ہاں شادی اس لئے کہ عموماً ماؤں کو ہی بہت فکر ہوتی ہے بیٹوں کی شادی کی، وہ سہرا سجانے کے چکر میں بہت جلدی سہرا سجوا لیتی ہیں بیٹوں کے چہروں پہ۔''
''ٹھیک کہتی ہیں آپ۔''
''مگر ایک گارنٹی میں آپ کو دیتی ہوں، جب بھی شادی کریں، سکھی خالہ کو بتا دیجئے گا، وہ شیرو کے سہرے آپ کے چہرے پہ سجا دیں گی۔''
''فاطمہ کو بہن سمجھتا ہوں، شیرو کے حوالے سے اس کے خواب مجھ سے نہیں چھپے، کم ظرف نہیں ہوں، مگر کیا کروں شیرو کے نام کا ٹھپہ جس پہ اپنا ٹھپہ نہیں لگوا سکتا، البتہ بہن کے لئے کوئی اچھا رشتہ ڈھونڈنا میرا کام ہے۔''
''علی گوہر کیا برا ہے، جس سے آپ کی دوستی پرانی ہے۔'' وہ چونکا، امرکلہ نے زبان سے بات کیا کی، دل پہ آرا چلایا تھا۔
''علی گوہر۔'' وہ ہنس پڑا، نادانستہ نظر امرکلہ کی طرف اٹھ کر رہ گئی، خود کو جھڑک دیا۔
''اس سے پوچھوں گا۔'' شرارت سوجھی۔
''نیک کام میں دیر کیا۔'' وہ ہنسی۔
''مگر میرے لئے کیا حکم ہے؟'' وہ اس بار ہنسی دبا گیا۔
''آپ مجھے میرے انکل کے گھر کی گلی تک چھوڑ آئیں برائے مہربانی، جب پروفیسر صاحب آ جائیں تب لینے آ جایئے گا۔'' گھر کے بدلے گلی کے نام لینے سے وہ سمجھ گیا۔
''اتنے بے اعتبارے لوگوں کے ہاں کیوں؟ میں آپ کو اپنے گھر چھوڑ دوں؟''
''نہیں قطعی نہیں، کیونکہ ان کے سوالوں کے جواب میں نہیں دے سکتی جبکہ انکل کے گھر سوالوں کے جواب دینے کی میں عادی ہوں، یا اس سے بہتر ہوگا آپ مجھے نواز حسین کے گھر چھوڑ دیں، وہ پھر بھی بہتر ہوگا، کیونکہ وہاں سوال نہیں ہوتے، دوسرے دن اعتراض اٹھتا ہے، پہلا دن امن کا ہونا ہے اور ایک دن گزر جانے کے بعد میں امرت سے ملنے چلی جاؤں گی۔''
''اس کے گھر چھوڑ دوں؟'' وہ کی ذرا لمحے، دل تو بہت چاہا کہ ہاں کہہ دے۔
''یا پھر علی گوہر کے گھر؟''
''آپ مجھے صرف سڑک پر چھوڑ دیں۔'' اسے غصہ آ گیا۔
''ایک کام کریں، آپ یہیں رکیں، میں گھر چلا جاتا ہوں۔''

''آئیڈیا مناسب ہے مگر مجھے اکیلا گھر الجھن وہم اور کوفت میں مبتلا کر دیتا ہے۔''
''میں بھلا باہر رکتا ہوں؟''
''نہیں ٹھنڈ بہت ہے باہر۔''
''میں بھلا کنویں میں چھلانگ لگا دوں۔'' وہ چونکی، (اچھا خودکشی ایسے بھی ہوسکتی ہے میں بلاوجہ نہر تک گئی تھی)۔
''بولیے۔''
''آپ ایسا کریں فرید حسین صاحب یہاں رکیئے میں کمرے میں آرام کروں گی، اندر سے کنڈھا لگالوں گی۔''
''جی بہتر ہے، بہت شکریہ اتنے اعتماد کا۔''
''بس مجبوری ہے۔'' وہ مسکرائی کمرے کی طرف بڑھی، جہاں پہلے قیام کیا ہوا تھا، اسے حیرت کا جھٹکا لگا اس کی ساری چیزیں جوں کی توں پڑی تھیں، بستر، چادر، مٹی کے پانی کا کولر گلاس، دو پلیٹیں رکھی تھیں میز پر، ایک کتاب، ایک بوسیدہ خالی ڈائری اور قلم، جیسے امرکلہ نے خود رکھا تھا، اس کی آنکھوں میں آنسو آگئے تھے۔
''بابا۔'' وہ انہی قدموں باہر آئی۔
''فرید حسین انہیں ڈھونڈنے چلیں؟''
''وہ کہاں ملیں گے؟'' وہ خود سوچ رہا تھا۔
''پتہ نہیں، مگر جب تک وہ نہ ملے تب تک قرار نہیں آتا۔''
''مجھے پتہ ہے، مگر صبر کے علاوہ کوئی چارہ نہیں۔''
''آپ ایسے جملے کیوں بول رہے ہیں؟ پھر سے۔''
''میں کیا کروں؟'' وہ بے بسی سے بولا تھا۔
''کتنے معصوم ہیں (تو یہ...... بنتے ہیں)۔'' بڑبڑائی۔
''اچھا سو جائیں، میں لیٹتی ہوں۔'' اس نے کمرے کے دروازے کو کنڈھا نہیں لگایا تھا، کھڑکی کھول دی ہلکی سی۔
سردی بہت تھی، رضائی اوپر کی تو نیند کا میٹھا سا نرم جھونکا آ ٹکرایا۔
فرید حسین ہجر اور وچھوڑے کا گانا گانے، ہلکی آواز میں گنگنانے جسے جھونگارنا بھی کہتے ہیں، جھونگار رہا تھا، پھر سسی کو چھیڑ بیٹھا۔

تیری کیوں نی اکھ لگ گئی
لگی والیاں نوں نیند نہیں آندی
سسی رات سہاگ دی
سو گئی سیج وچھا کے

امرکلہ کی آنکھ سے آنسو نکلا، سردی میں گرم گرم رضائی میں دب گیا تھا، وہ کسی طرح اسے احساس دلا رہا تھا کہ میں جاگ رہا ہوں آپ سو جائیں اور عقل کا بڑا گا رہا تھا کہ سسی رات سہاگ

دی سو گئی تے وچھا کے، تیری کیوں نی اکھ لگ گئی، وہ اٹھی دروازے سے سر نکال کر اسے جھڑ کا۔

''دو گھنٹے ہی سونے دے دیجئے، براہ کرم بٹھا کر سزا سنا رہے ہیں۔'' وہ حیرانی سے ہنسا بجائے تعریف یا دلجوئی کے الٹی جھڑپ، اسے پتہ تھا یہ رات بھی وہ یاد کرے گا۔

چپ ہو کے بیٹھ گیا۔

وہ اندر جا کر لیٹی، کروٹیں بدلتی رہی نیند پتہ نہیں کیوں روٹھی، کسی کا دل جو دکھایا تھا، وہ اٹھی دروازے سے منہ نکالا، وہ کہنا چاہتا تھا کیا تکلیف ہے اور پوچھنا چاہتا تھا کہ کنڈھا کیوں نہیں لگایا، مگر اس سے پہلے اس نے کہہ دیا۔

''پھر سے گانا گائیں بڑے مزے کی نیند آنے لگی تھی۔'' وہ اب یہی کہنا چاہتا تھا اگر علی گوہر کے منہ سے بجی بانسری سن لیں تو دل تھام کر بیٹھ جائیں گی اور اس سے پہلے وہ اندر چلی گئی تھی اور لیٹ گئی۔

گی والیاں نوں نیند نہیں آندی
تیری کیوں نی اکھ لگ گئی

اب کی بار وہ مسکرائی۔

☆☆☆

صبح کا اخبار اس کے سامنے تھا، امرت کے، وہ ابھی ابھی دفتر آئی تھی، ھالار کے خالی ٹیکسٹ ایک دو روز کے وقفے کے ساتھ آتے رہتے تھے، اسے چڑ ہو گئی تھی، مگر ذہنی طور پر جیسے انتظار ہو، چار دن سے اس کا کوئی بلینک میسج نہ تھا، ذہنی طور پر وہ یہ برڈن لینے کی بھی جیسے عادی ہو گئی تھی۔

خالی میسج سارے ڈلیٹ کر دیئے تھے پچھلے، علی گوہر کا ایک پرانا ٹیکسٹ تھا۔

''آج اس نے مجھ سے سرخ کوٹ مانگا ہے، آج وہ پھر امر کلہ سے ملنے گیا ہے۔'' اس کے دل میں جیسے سوئی سی چبھ گئی تھی، علی گوہر اسی وقت ہڑ بڑا کر آیا تھا۔

''جلدی چلو امرت، ہم سے غلطی ہو گئی ہے۔''

''کیا...... خیریت؟''

''یہ اخبار دیکھ لیا تم نے؟'' اس نے صفحہ پلٹا پروفیسر غفور کی تصویر تھی، وہ ایک لاش، بے جان لاش کی صورت سڑک پر پڑے تھے، اسی سنسان سڑک پر، خاکی رنگ کی پتلون گرے جیکٹ سفید ٹی شرٹ اور ہیٹ نیچے گرا پڑا تھا، ساتھ اسٹک بھی اور نیچے دل ہلا دینے والی سرخی لکھی تھی۔

''سنسان سڑک پر ایک لاوارث لاش ملی ہے، لاش ساری رات......'' وہ آگے نہ پڑھ سکی، لفظ لاوارث ذہن پر ہتھوڑے کی طرح برسا تھا۔

''ایک لاوارث لاش۔'' وہ جیسے منجمند ہو گئی تھی۔

''چلو امرت، جلدی کرو، نواز پہنچا ہے وہاں، پولیس نے بمشکل لاش دی ہے، میں نے ھالی کو فون کیا ہے وہ نواز کے ساتھ مل کر ان کو گھر لے جا رہا ہے غسل کے لئے۔'' اس کے دل و دماغ پر جیسے ہتھوڑے برس رہے تھے۔

وہ نا سمجھی سے پھرتی کے ساتھ اٹھی تھی، بیگ اٹھایا دوپٹہ ٹھیک کیا، ذہن سائیں سائیں کر

رہا تھا۔
پروفیسر غفور، لاٹھی کی ٹک ٹک، چہرے کی شادابی لہجے کا رعب، چال کی معمول لڑکھڑاہٹ کے ساتھ جھلکتا ایک عزم جو خود بولتا ہے کہ جب تک زندہ رہوں گا اپنے زور پہ جیئوں گا۔
''اور لاوارث لاش۔'' دل کو کچھ ہوا تھا۔
وہ گوہر کے ساتھ پہنچی، نواز اور ھالار محلے کے مولوی کے ساتھ مل کر ان کو غسل دے رہے تھے، فرید حسین سر پہ کھڑا ضرورت کی چیزیں پانی وغیرہ دے رہا تھا آگے پردہ لٹکا ہوا تھا، گوہر کو دیکھ کر سیدھا ہوا۔
''اندر جا کر کفن پر قرآنی آیات لکھنا شروع کر دو۔'' اسے گوہر کا ہی انتظار تھا۔
گوہر نے غائب دماغی سے صرف دو لمحے اسے دیکھا اور یقین آ گیا پروفیسر صاحب دنیا میں نہیں رہے، اس نے وضو کے لئے ہینڈ پمپ کا رخ کیا۔
''میں لکھوں گی، میرا وضو ہے، تم ان کے پاس رکو۔'' گوہر نے اسے اندر جانے کا اشارہ کیا، خود پردے کے اندر آ گیا، کانپنے لگا تھا۔
امرت کس کے ساتھ جا کر افسوس کرتی، کس سے بات سامنے کفن کا کپڑا رکھا تھا، دروازے کے پاس ستون کی اوٹ میں ایک چہرہ مزید پیچھے کو ہٹ گیا تھا، امرت کو احساس تو ہوا تھا کسی کے ہونے کا، فرید حسین نے گوہر کو باہر جانے کا کہا۔
''تم جلدی کرو لکھوا لو اسے دیر نہ ہو جائے لباس جلدی چاہیے۔''
برآمدے میں رکھے تخت پر سفید لباس پھیلا تھا، کچھ لوگ اندر کو آ رہے تھے، گوہر نے امرت کو کمرے میں جانے کا اشارہ کیا۔
''تم عہد نامہ لکھ لو اندر جا کر کاغذ پر، میں لباس پر آیت لکھ لوں گا۔'' اس نے لباس کی سینے کو ڈھانپنے والی جگہ کھولی اور قرآن پاک کھول لیا، اس کے ہاتھ پر آنسو آ گرے، اس نے بے یقینی سے ایک لمحہ اپنے آنسو کو دیکھا پھر برابر میں آنسو ہاتھ سے جھٹکتا ہوا تیزی سے لکھتا جا رہا تھا جیسے حافظ قرآن ہو۔
امرکلہ کی نظر اس کے چہرے پر پڑی تھی اور امرت اسی وقت دروازے کا پٹ ہٹاتے اندر آئی جب اسے کسی کے ہونے کا احساس ہوا تھا، اس نے بے یقینی سے دیکھا تھا، امرکلہ کو اور امر نے اسے یقین کے ساتھ وہ اس سے لپٹنا چاہ رہی تھی ملنا چاہ رہی تھی جانے کیوں بڑھ نہ سکی اسے اپنی شرمندگی نے آ دبوچا تھا، امرت نے دوسرے لمحے پوری طرح سے اسے نظر انداز کر کے پیپر پین نکال کر لکھنا شروع کر دیا تھا اور وہ کونے میں سمٹی اس کے حرکت کرتے ہوئے ہاتھوں کے بدلتے زاویے دیکھ رہی تھی۔
اسے یاد آیا تھا، جب امرت نے اس کے نام سے پہلی کہانی لکھی تھی، تب بھی ان ہاتھوں میں لرزش تھی، عزم تھا، نیا حوصلہ تھا اور اب کیا تھا، کچھ تو نیا تھا جسے وہ نہ سمجھ سکی، ان کی ذہنی ہم آہنگی کے درمیان فاصلہ آ کھڑا تھا جس نے اجنبیت کو بڑھاوا دیا تھا، حوصلہ دیا تھا۔
اسے کہاں احساس تھا کہ وہ یوں کبھی اس امرت سے ٹکرائے گی اور چپ رہے گی، یوں

اجنبیت سے بیٹھی رہے گی نہ گلے نہ شکوے، نہ بات چیت، نہ کوئی جذبات کا سین نہ حسرت، خاموشی اور خاموشی، جسے فرید حسین نے توڑا تھا امرت سے بات کر کے، وہ اسے سمجھا رہی تھی اس کاغذ کو کہاں رکھنا ہے۔

لباس تیار تھا، پروفیسر صاحب کو سجا کر دھلا کر لباس پہنا کر برآمدے میں لیٹا دیا تھا، لوگ آس پاس بیٹھے تھے، نواز نے ہلکی آواز میں اللہ ہو کا ذکر کرنا شروع کر دیا تھا، فرید اور گوہر کھانے اور مزید انتظامات پر بات کرتے ہوئے باہر چلے گئے۔

گوہر نے قبرستان کی راہ لی، جہاں ھالار گورکن کو کہہ آیا تھا قبر کھودنے کے لئے، گوہر نے کہا اپنی موجودگی میں کھدواؤں گا، اس نے وہ جگہ انتخاب کی جہاں ایک پیڑ کا سایہ تھا اور مزید ایک پنیری لگانے کی گنجائش نکل سکتی تھی، اسے یہ جگہ بہت اچھی لگی، وہ گورکن کے ساتھ مل کر کھودنے لگا، اندر کی لمبائی چوڑائی اس نے ناپنا شروع کر دی، فون کر کے اماں ابا کو بھی وہاں جانے کا کہا اور عمارہ کو بھی اطلاع دی۔

ادھر فرید حسین نے لوگوں کو سپارے تھما دیئے، مگر پڑھنے سے زیادہ لوگوں کو اس موقع پر تبصروں میں مزا آتا ہے، بیچارہ یہ، بیچارہ وہ، بیچارے کا کوئی نہ تھا، ساری رات لاش سڑک پر تھی، اولاد ہوتی تو یہ، اولاد ہوتی تو وہ، یہ ساری باتیں امرت پر بہت اثر کر رہی تھیں۔

نواز نے امرت کو قرآن پاک تھمایا کہ سورۃ بقرہ کی تلاوت شروع کر دے دو گھنٹے بعد مسافر کو مٹی لگانا تھا، آخری ٹھکانہ، ہر انسان کا، آرام گاہ، کسی کے دل میں ہوک کیوں نہ اٹھتی، امرت نے تلاوت شروع کر دی۔

امرکلہ اجنبیوں کی طرح بیٹھی تھی، کبھی کبھار مذہب دیوار کیوں بن جاتا ہے، اسے لگا وہ سب سے الگ ہے کفنانے سے دفنانے تک وہ کونے میں رہی، کوئی رونا دھونا نہ تھا، لوگ کہہ رہے تھے اولاد ہوتی تو چیختی، اولاد ہوتی تو روتی۔

امرت پر جیسے اولے برس رہے تھے اور امرکلہ پر گہری خاموشی چھائی تھی، عمارہ اور لاھوت اپنی ماں سمیت پہنچ گیا تھا، لوگ امرکلہ سے افسوس کر رہے تھے، منہ بولی بیٹی کے طور پر ایک عورت نے افسوس کیا اور پھر سب اسے پروفیسر کی منہ بولی بیٹی کی حیثیت سے مل رہے تھے، امرت نماز سے فارغ ہوئی تھی۔

کھانے کا انتظام ہوا تھا، امرکلہ اور امرت نے مل کر لوگوں کو کھلایا، عمارہ بھی کام میں لگی تھی، آخر میں وہ ایک تھال میں چاول لے کر آ گئی اور دونوں کے آگے رکھا، امرکلہ امرت اور عمارہ ساتھ بیٹھ گئیں، عمارہ بھی اسے پروفیسر کی منہ بولی بیٹی کے طور پہ بات چیت کر رہی تھی، اسے نام لینے کی ضرورت پڑی تو پوچھا۔

''امرکلہ!'' امرکلہ نے پھر اپنا نام اسی اجنبیت سے لیا تھا، جس سے وہ خود کو جانتی تک نہ تھی،

(جاری ہے)

آخری خواہش

ثمینہ زاہد

''صنوبر!......تم''

میں بریانی کی پلیٹ ہاتھ میں تھامے کھڑی تھی کسی نے مجھے کندھے سے تھام کر پکارا۔

''کیسی ہو امبر؟'' اپنی اکلوتی دوست کو اتنے سالوں بعد اپنے سامنے دیکھ کر میں اس سے خوشی سے لپٹ گئی ایسا لگا جیسے کوئی قیمتی خزانہ ہاتھ اچانک آ گیا ہو۔

''میں تو ٹھیک ہوں موصوفہ تم سناؤ، اتنے سال بعد مائی گاڈ، ایمان سے تمہیں دیکھ کر بہت خوشی ہوئی، اندازہ نہ تھا اپنی کولیگ کی شادی میں تم سے ملاقات ہو جائے گی، میں نے ایک ملٹی نیشنل کمپنی میں جاب کر لی ہے، زندگی بور چل رہی ہے، گھر سے دفتر پھر دفتر سے گھر، میں اور ماما ہم دونوں کی زندگی میں ابھی کوئی تیسرا نہیں آیا، تم سناؤ کہاں ہوتی ہو آج کل؟'' امبر کولڈ ڈرنک کا سیپ لیے ایک ہی سانس میں اپنے مخصوص لہجے میں بولی۔

''لندن میں؟'' میں نے مختصراً کہا۔

''اوہو، لندن شفٹ ہو گئیں ہیں محترمہ اور یہاں ہمیں خبر ہی نہیں، تم تو یونیورسٹی کو ایسے خیر باد کہہ کر بھاگ گئیں جیسے گدھے کے سر سے سینگ، اپنے نمبر کے ساتھ گھر بھی بدل ڈالا کچھ تو بتا کر جاتیں۔'' وہ اب شکوہ شکایتیں کر رہی تھی، اس کا انداز ویسا ہی لا ابالی تھا جیسے وہ یونیورسٹی میں ہوا کرتا تھا، میں اسے دلچسپی سے سن رہی تھی، پرانی باتیں دہرانا اچھا لگ رہا تھا، ہم دونوں اردگرد کے لوگوں سے بے خبر باتوں میں مصروف ہو گئے۔

''ماما...... ماما۔'' اچانک تین سال کی ایک بچی مجھے پکارتی ہوئی آئی، میں نے اسے پچکارتے ہوئے گود میں اٹھا لیا۔

''یہ کون ہے صنوبر؟''

''میری بیٹی ہے آمنہ، سلام کرو بیٹا۔'' میں نے اسے پیار سے بولا۔

''السلام وعلیکم آنٹی!'' بچی نے فوراً مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھایا جیسے امبر نے جھجک کر تھاما تھا۔

''صنوبر! تمہاری بیٹی کافی چینج ہے احمر بھائی یا تم پر تو ہرگز نہیں۔'' وہ اس کے گہرے سانولے رنگ کو دیکھ کر شاکڈ تھی۔

ایک تاریک سایہ میرے چہرے پر لہرانے لگا، جسم میں سوئیاں سی چبھنے لگیں، میرے فق ہوتے چہرے کو دیکھ کر امبر گھبرا گئی اور میرے لرزتے ہاتھوں سے بریانی کی پلیٹ تھام کر ٹیبل پر رکھ دی وہ کبھی میرے اور کبھی آمنہ کی طرف دیکھ رہی تھی۔

''صنوبر! تم ٹھیک تو ہو؟'' وہ میرا کندھا جھنجھوڑ رہی تھی۔

''صنوبر...... نہیں میں صنوبر نہیں ہوں، میں مسز ندیم ہوں۔'' میں ہذیانی انداز میں چیخ رہی تھی، اچانک میرے ساکت لرزتے وجود میں کرنٹ سی تیزی بھر گئی، میں نے اپنے شفاف گورے ہاتھوں سے اپنے گہرے سانولی بیٹی کا وجود تھام لیا اور اسے گود میں بھر کر سینے سے لگائے تیز تیز چلتی ہوئی لوگوں کے ہجوم میں گم ہو گئی۔

''صنوبر...... صنوبر...... رکو تو سہی۔'' وہ مجھے پکار رہی تھی اور میرے قدم تیز بہت تیز ہو گئے۔

☆☆☆

خزاں کے آخری دن تھے
بہار آئی نہ تھی لیکن
ہوا کے لمس میں اک بے صدا سی نغمگی
محسوس ہوتی تھی
درختوں کے تحیر میں
کسی بے آسرا امید کی لو تھر تھراتی تھی

گزرگاہوں میں اڑتے خشک پتے
اجنبی لوگوں کے قدموں سے لپٹتے اور الجھتے تھے
تو اک بھولی ہوئی تصویر جیسے کوند جاتی تھی
ہر اک منظر کے چہرے پہ
لرزتی بے کلی کی ریشمیں چلمن کشیدہ تھی
نظر رستہ بنا پاتی تھی

میں نے کتاب پر سے اپنی بھیگی برستی نظریں ہٹا لیں اور اسے آہستگی کے ساتھ بند کر کے اپنی بک شیلف میں دوسری بہت سی کتابوں کے ہمراہ رکھ دی، احتیاط سے قدم اٹھاتی ایزی چیئر پر بیٹھ گئی، میں نے بستر پر پڑی بے سدھ سوتی آمنہ کی طرف دیکھا، اس کے پھولے معصوم سانولے گالوں پر بوسہ دینے کو جی کیا، دنیا کی باتوں سے بے خبر وہ بے سدھ سو رہی تھی امبر اور اس کی باتیں......آہ۔

سائیڈ ٹیبل پر پڑا کافی کا بڑا مگ میں نے اٹھا کر گہرا سپ لیا، کافی کی کڑواہٹ نے میرے دل و دماغ کو تر کر دیا، کافی کے گرم گرم کپ سے اٹھتا دھواں اب میری توجہ کا مرکز تھا، سیاہ کافی میری زندگی کی طرح سیاہ تھی، رنگوں سے خالی، روکھی، پھیکی ایک کڑوی زندگی جیسے پیتے پیتے میں زندگی کی لذتوں سے نا آشنا ہو گئی ہوں۔

''یہ کیسا پتھر تھا جو امبر نے میری ٹھہری زندگی کے دریا میں پھینک کر ہلچل سی مچا دی تھی۔'' میں خود سے ہم کلام تھی۔

''احمر!'' میرے لبوں نے کئی سالوں بعد یہ نام چھوا تھا، میرے لئے تو اب یہ نام نامحرم ہے، میں......تو کسی اور کی محرم ہوں اور ''وہ'' وہ بھی تو کسی اور کا محرم ہو گا، اس کے بچے ایک مکمل فیملی ہو گی۔

مجھے خود سے باتیں کرنا اچھا لگ رہا تھا، لندن کی بھاگتی دوڑتی زندگی میں کبھی پلٹ کے نہ دیکھا، دوست...... سہیلیاں کہاں ہیں؟ کس حال میں ہیں؟ زندگی کے دوراہے نے یہ جاننے کا موقع ہی نہ دیا، آج اتنے سالوں بعد امبر سے ملاقات نے مجھے وہیں لا کھڑا کر دیا تھا۔

کافی کا کپ خالی ہو چکا تھا، میں نے خالی کپ سائیڈ ٹیبل پر رکھ دیا اور اپنی آنکھیں موند کر ماضی کی سیڑھیاں چڑھنے لگی۔

☆☆☆

یونیورسٹی میں اپنے آخری سمسٹر سے فارغ ہونے کے بعد میں نے کمپیوٹر کلاسز جوائن کر لی، احمر وہاں پڑھاتا تھا، یہ اس کا اپنا انسٹیٹیوٹ تھا، اسکارف پہنے وقار سے ساتھ چلتا میرا خود اعتماد وجود کلاس کے پہلے دن ہی احمر کے دل میں اتر گیا، میری سہیلیوں سے میرا نمبر احمر نے حاصل کر کے میرے گھر والوں کو پرپوزل دے دیا، سب حیران تھے، مجھ سمیت۔

چند دنوں بعد میری بہن شائستہ کی شادی ہونے والی تھی، والدین حیران ہونے کے ساتھ خوش بھی تھے، احمر ہر لحاظ سے ایک آئیڈیل رشتہ تھا، احمر اپنے والدین کا اکلوتا چشم و چراغ تھا، گھر والے بھی بے حد خوش مزاج تھے، والدین نے رشتے کے لئے فوراً حامی بھر لی اور یوں بہن کی شادی والے روز میری بڑی بہن کے فنکشن پر میری ساری دوستیں آئی تھیں اور پھر منگنی کا دن آ پہنچا۔

''قسم سے یار تمہاری تو لاٹری نکل آئی ہے۔'' امبر، احمر کو دیکھ کر بولی تھی وہ تھا ہی اتنا خوبرو اور خوش مزاج کے سب ہی کے دل کو بھا گیا تھا۔

''تم دونوں کی جوڑی چاند سورج کی لگ رہی ہے۔'' امبر کے ساتھ بیٹھی مریم بولی، سب ہی دوستوں کی چھیڑ چھاڑ نے میرے سرخ ہوتے

وجود کو سرشار کر دیا تھا، مسکراہٹ میرے لبوں کے ساتھ میرے وجود کو بھی گدگدا رہی تھی، آنے والی خوشیوں کے پل میری آنکھوں میں ستارے بن کر چمک رہے تھے، ساتھ بیٹھے احمر کی اٹھتی معنی خیز نظروں نے مجھے مغرور سا بنا دیا۔

''ویسے صنوبر تم نے اپنی بڑی بہن کی شادی میں جلد بازی سے کام لیا، حور کے پہلو میں لنگور بٹھا دیا۔'' امبر صاف گوئی سے اس کے کانوں میں سرگوشیاں کر رہی تھی۔

''رنگ ہی تھوڑا گہرا سانولا ہے لیکن امی ابو کو دل کے بہت اچھے لگے۔'' میں نے بات بنائی دل سے تو مجھے بھی اپنے بہنوئی ایک آنکھ نہ بھائے تھے، ہم دونوں بہنیں ہی حسن میں ایک سے بڑھ کر ایک تھیں، خاندان بھر میں ہماری عمر سے چھوٹے لڑکے تھے، کیونکہ امی ابو فرسٹ کزن تھے، ہمارے بہنوئی امی کے دور کے عزیزوں میں سے تھے، اپنا بزنس باہر سیٹ تھا فیملی بھی چھوٹی تھی، عمر میں ہمارے بہنوئی میری بڑی بہن سے پانچ برس بڑے تھے، محض لڑکے کا رنگ گہرا تھا اور اس میں کوئی خامی نہ تھی، امی ابو کو رشتہ مناسب لگا۔

''امی آپ نے ندیم بھائی کی شکل دیکھی ہے آپ انکار کر دیں۔'' میں نے دبا سا احتجاج کیا۔

''بس کرو صنوبر بہت بری بات ہے اللہ کو امتیاز پسند نہیں بہت شریف پڑھا لکھا گھرانہ ہے، ایک رنگ کی کمی کو میں خامی نہیں سمجھتی، انشاء اللہ میری بچی بہت خوش رہے گی۔'' امی کے سمجھانے پر میں چپ سی ہو گئی۔

شائستہ باجی لندن چلی گئیں اور واقعی اپنی زندگی میں بہت خوش تھیں، ادھر میں احمر کے ساتھ منگنی کے بعد بے حد خوش تھی، ہم دونوں روز گئی کئی گھنٹے باتیں کرتے مستقبل کے سپنے بنتے، امبر سے میں ہر بات شیئر کرتی، پھر ایک دن خبر ملی شائستہ باجی کے گھر نئے مہمان کی آمد ہے، وہ تین ماہ بعد ہمارے ساتھ پاکستان آ گئی، وہ لندن سے جب سے آئی تھی میری اس سے نظریں نہ ہٹتی تھیں، میری بہن اور بھی حسین ہو گئی تھی۔

''باجی لڑکا ہو گا یا لڑکی۔''

''جو اللہ کی مرضی۔'' وہ شرمانے لگی۔

''اچھا اگر لڑکی ہوئی تو۔'' میں پھر بولی۔

''پھر تو اللہ کی رحمت میرے گھر اترے گی۔'' اس کے لہجے میں کھنک تھی۔

''اور اگر یہ رحمت آپ کے بجائے آپ کے میاں پر چلی گئی تو؟'' میں نے چھیڑا۔

''تو میری بچی مجھے اور بھی پیاری ہو گی۔'' وہ کہتے کہتے ہنس دی اور پھر وہ دن آ گیا، اللہ نے ایک رحمت بھیج دی اور ہماری رحمت ہم سے دور چلی گئی، باجی اللہ کو پیاری ہو گئیں، میں نے اسپتال میں دیکھا میری بہن کے ساکت وجود کے ساتھ نومولود کی آہ بھی تھی۔

''ماما...... ماما۔'' آمنہ کی چیخوں نے مجھے ماضی سے حال میں کھڑا کر دیا۔

''کیا ہوا آمنہ کو۔'' ندیم گھبرا کر اسٹڈی روم سے بیڈ روم میں داخل ہوئے۔

''کچھ نہیں لگتا ہے کوئی برا خواب دیکھا ہے۔'' میں نے نم ہوتی آنکھوں سے آمنہ کو اپنی آغوش میں بھر لیا اور اس کے گالوں کو چومنے لگی آخر کو یہ میری بہن کی آخری خواہش تھی۔

☆☆☆

خواب کا آنگن

ماریہ یاسر

دسمبر کا سورج اپنی تمام تر موج مستیوں اور رعنائیوں کے ساتھ پوری آب و تاب کے ساتھ چمک رہا تھا، دھوپ ہونے کے باوجود ہوا میں سردیوں کی ایک مخصوص خنکی کا احساس موجود تھا، دھوپ اور ٹھنڈی تازہ ہوا دونوں کی بیک وقت موجودگی نے ہر جاندار پر خوشگوار اثر ڈالا ہوا تھا، سالار بھی موسم کی رنگینیوں سے لطف اندوز ہونے کے لئے اپنے دوستوں کے ہمراہ سر ضیاء کی کلاس بنک کر کے ہرے بھرے گراؤنڈ میں ٹولی کی شکل میں بیٹھا خوش گپیوں میں مصروف تھا کہ نظر سامنے سے آتی زرش پر پڑی تو فوراً کپڑے جھاڑتا ہوا اٹھ کر اس کی طرف بھاگا، پیچھے بیٹھے دوست آواز دیتے رہ گئے لیکن اسے اب کچھ ہوش نہ رہا، اس نے سوچ لیا تھا کہ آج تو زرش سے اپنے حق میں فیصلہ کروا کے ہی لوٹے گا۔

''تھینک گارڈ کہ تم مل گئی مجھے، نہیں تو میں تمہاری کلاس میں ہی آنے والا تھا۔'' سن گلاسز آنکھوں پر ٹکائے ہاتھ سینے پر باندھے وہ عین اس کے سامنے کھڑا تھا۔

''اس میں اتنی حیرت کی کیا بات ہے، میں تو تمہیں روز ہی ملتی ہوں، لیکن اس سے پہلے تم اتنے خوش نہیں ہوئے جتنا آج ہو رہے ہو؟ اور بائے دی وے یہ آج کس خوشی میں اپنی کلاس بنک کر کے لڑکیوں کا دیدار کرنے میں مصروف ہو، تمہارا لاسٹ سمسٹر چل رہا ہے اور تم پڑھائی میں سیریس ہونے کی بجائے یہاں وہاں تانکا جھانکی کر رہے ہو آج کل۔'' وہ جتنی لاپرواہ خود کو ظاہر کرتی ہے اتنی ہے نہیں، آج سالار کو تو یہی محسوس ہوا۔

''ویسے سالار تمہارا لاسٹ سمسٹر ختم ہونے والا ہے، اس کے بعد میرا کیا ہوگا، تمہارے جانے کے بعد میرا...... دماغ کون چاٹے گا۔''

اس نے کچھ توقف کے بعد اپنی بات مکمل کرتے ہوئے ہنسی دبائی اور وہ جو اس کا دل اس جان جاں سے اظہار محبت سننے کے لئے ہمکنے لگا تھا خاموش سا ہو گیا۔

''زرش فضول باتیں چھوڑو اور میری بات غور سے سنو۔''

''تمہارا سانس کیوں بند ہو رہا ہے، چہرے پر کیوں ہوائیاں اڑ رہی ہیں، بھوک لگ رہی ہے کیا؟'' اس کی لائٹ براؤن آنکھوں میں شرارت بھری چمک تھی کہ ایک پل کے لئے تو سالار بھی اپنی ساری بات بھول بھال کے اس کی آنکھوں میں کھو سا گیا، پھر جیسے اچانک کچھ کھو جانے کے احساس نے اسے جھنجھوڑ ڈالا۔

''زرش میں اس ٹائم کسی قسم کے مذاق کے موڈ میں نہیں ہوں سو پلیز بی سیریس۔'' اس نے زخمی دل اور گلہ کرتی آنکھوں سے کہا، جسے وہ سمجھ کر بھی انجان بنی بیٹھی تھی۔

''زرش پلیز تم اس فیصلے میں میرا ساتھ دے دو، میں تمہارے بغیر نہیں رہ سکتا یار، تمہیں میری آنکھوں میں اپنے لئے محبت کا ٹھاٹھیں مارتا سمندر نظر نہیں آتا کیا یا پھر تم جان بوجھ کے پتھر بنی ہوئی ہو، کیا تمہارے لئے محبت کی کوئی اہمیت کوئی معنی نہیں اور یہ تمہیں بھی اچھی طرح پتہ ہے کہ یہ میری محبت، میرا دیوانہ پن کوئی فلرٹ نہیں

کسی قسم کا کوئی دھوکا نہیں تو پھر تم کیوں اتنی بے
حس ہو، کیا تمہیں محبت کی کوئی قدر نہیں۔'' اس
نے سوچ لیا تھا کہ آج اس پتھر کی مورت کو موم
کر کے رہے گا۔

''سالار میں تمہیں کتنی بار سمجھاؤں کہ میں
اپنے بابا جانی کے فیصلے کے خلاف کبھی نہیں جاؤں
گی بلکہ میں کبھی جا ہی نہیں سکتی، تمہیں کتنی بار
بولوں کہ ہماری فیملی میں رشتہ اور خاص کر لڑکیوں

کا رشتہ کسی حال میں بھی آؤٹ آف فیملی نہیں ہوتا، تم سمجھتے کیوں نہیں ہو، اسی لئے میں تم سے دوستی نہیں کرنا چاہتی تھی، کیونکہ بات دوستی سے ہٹ کر کسی اور سمت چلی جاتی ہے، میں نہیں مانتی تھی کہ لڑکے لڑکی میں صرف دوستی کا رشتہ قائم رہ سکتا ہے اور دیکھو وہی ہوا ناں، سالار کیا ایسا نہیں ہوسکتا کہ ہم صرف بہت اچھے دوست بن کر رہیں پلیز، تم آئندہ ایسی کوئی بات کہنا تو دور سوچنا بھی مت۔''

''یار زرش تم کیوں میرے ساتھ ساتھ اپنے لئے بھی پچھتاوے کے کانٹے بو رہی ہو، صرف میں ہی نہیں بلکہ تم بھی مجھ سے محبت کرتی ہو، اپنی محبت سے آنکھیں مت چراؤ، خدا کا واسطہ ہے۔'' اس کی آنکھوں میں ایسا کچھ تو تھا کہ سالار زرش جیسی لڑکی کے لئے اتنی بڑی بات آرام سے کہہ گیا۔

☆☆☆

یونیورسٹی میں آئے اسے مہینہ بھر ہی ہوا تھا کہ اپنی ذہانت اور شرارتی طبیعت کے باعث اپنے اساتذہ کی چہیتی سٹوڈنٹ بن گئی، پڑھائی کے ساتھ ساتھ وہ بہت اچھی ڈیبیٹر بھی تھی، ایسے ہی کسی مقابلے میں اس کی ملاقات سالار نوازش سے ہوئی جہاں سے ان دونوں کی دوستی کی شروعات ہوئیں، اس مقابلے میں جیت تو زرش کی ہوئی اور ہار سالار کے دل کی، اس کے بعد سالار نے اس سے دوستی میں پہل کی جس پر اس کے سارے دوست حیران و پریشان تھے کیونکہ اس سے پہلے تو وہ کسی لڑکی سے دوستی کرنا تو دور ایسی محفل سے ہی اٹھ جاتا جہاں لڑکی سے فلرٹ کی باتیں ہو رہی ہوتیں وہ تھا بھی، سالار ایم بی اے کے لاسٹ سمسٹر میں تھا اور اسے پوری امید تھی کہ وہ اتنی محنت کرے گا کہ وہ شروع کی پوزیشن میں سے کوئی لے کر اچھی نوکری حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائے گا، جبکہ زرش ابھی بی بی اے کے پہلے سمسٹر میں تھی۔

وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ سالار کی بے تابیوں میں بھی اضافہ ہوتا جا رہا تھا، وہ ہر دوسرا پیریڈ آف ہونے کے بعد بھاگتا دوڑتا اپنا ڈیپارٹمنٹ عبور کر کے اس کے ڈیپارٹمنٹ میں موجود ہوتا، کئی دفعہ تو وہ پھٹ ہی پڑتی اور اس کے بار بار اپنی کلاس میں آنے پر وہ ناراض ہو جاتی پھر سالار بیچارے کو گھنٹوں اسے منانا پڑتا اس وعدے پر کہ آئندہ وہ اس کے ڈیپارٹمنٹ میں پھٹکے گا بھی نہیں لیکن وہ وعدہ ہی کیا جو وفا ہو جائے۔

☆☆☆

''زرش میں تمہیں لاسٹ ٹائم پوچھ رہا ہوں کہ میرا ساتھ دو گی یا نہیں۔'' وہ آج پھر اس کے سامنے موجود سراپا سوال بنا کھڑا تھا، وہ جو سامنے سے آتی میڈم رانیہ کی طرف نظریں گاڑھے بیٹھی تھی سالار کے چٹکی بجانے پر ہوش میں آئی۔

''اوں کچھ کہا تم نے۔'' وہ اس کے سامنے آنے سے بھی کترا رہی تھی لیکن وہ بھی اتنا ڈھیٹ تھا کہ ایک ہی رٹ لگائے بیٹھا تھا۔

''یار زرش تم پہلے ایک ایک بندے کا ایکسرے کر لو پھر میں بات کر لوں گا۔'' ناراضگی سے کہتے ہوئے وہ اٹھ گیا۔

''اچھا سوری اب بولو، لیکن پلیز اس ایک بات کے علاوہ کوئی بات کرنا۔'' ناراضگی تو وہ بھی سالار کی برداشت نہیں کر سکتی تھی، اس لئے فوراً اس کے پیچھے آئی۔

''اچھا تو پھر مجھے پائے کی ریسپی بتا دو گھر جا کے چڑھاؤں گا۔'' اس نے غصے سے کہا تو زرش کو ہنسی آ گئی۔

''ہاں ہاں ہنس لو تمہیں کیا فکر میری تم تو میری بے بسی پر ہنسو گی ہی ناں، میرے مرنے پر بھی اسی طرح ہنستی رہنا۔'' اس نے بجھے دل سے کہا۔

''کیا فضول باتیں کر رہے ہو سالار، مجھے تمہارے انداز پر ہنسی آئی تھی بلکہ میری آنکھوں کے سامنے تو تم پائے پکاتے ہوئے بھی آ گئے تھے۔'' اس نے صفائی دی۔

''یار پلیز تم اپنے کزن کے رشتے پر ناں کر دو، انکل کو۔'' سالار نے پھر سے وہی منت کی۔

''سالار ٹرائی ٹو انڈرسٹینڈ میں اپنے بابا کو دکھ نہیں دے سکتی، انکار کر کے، انہوں نے بہت مان سے میرا رشتہ میرے ماموں زاد سے طے کیا تھا اور میں تمہیں کتنی بار بولوں کہ ہماری فیملی میں لڑکیوں کی شادی آؤٹ آف فیملی کرنے کا رواج نہیں۔'' اس نے ہمیشہ کی طرح دل پر پتھر رکھ کر وہی بات دہرائی۔

''تمہارے اس رواج کے چکر میں دیکھنا کہ میں اس دنیا سے کوچ کر کے کوئی نیا رواج نہ قائم کر دوں۔'' اس نے جلے دل سے کہا اور اٹھ کر تیزی سے چلتا ہوا اس کے ڈیپارٹمنٹ سے نکل گیا یہ دیکھے بغیر کہ جسے وہ پتھر کا بت سمجھ رہا تھا وہ تو کب سے موم بن کر پگھل گئی اب تو بس دھواں اٹھنا باقی تھا۔

☆☆☆

زرش اپنے ماں باپ کی اکلوتی اولاد تھی، اس کے بابا شہر کے بڑے ایڈووکیٹ تھے، ہمدانی صاحب کی دو بڑی بہنیں زارا اور سارہ تھیں، زارا کی شادی ان کے ماں باپ کی پسند سے تایا زاد سے ہوئی وہ ایک مطمئن اور خوشحال زندگی گزار رہی تھیں، دولت کی ریل پیل تھی دو بیٹے جن کی شادیاں ہو چکی ہیں جبکہ سارہ نے اپنی پسند سے کالج کے کسی لڑکے دانیال سے شادی کی ہوئی تھی، دانیال کی ماں سارہ سے خار کھاتی تھی کہ اس کا بیٹا اپنی مرضی سے شادی کر کے ماں کے ہاتھ سے نکل گیا، اس لئے وہ دل ہی دل میں دونوں کے بیچ غلط فہمیاں پیدا کرتی رہی، شروع شروع میں تو ہلکی پھلکی لڑائی اور مار پیٹ ہوتی رہی پھر دانیال کی ماں نے غلط فہمیوں کا ایسا جال بنا کہ سارا مچھلی کی طرح اس میں پھنس گئی، دانیال کی لڑائی اور مار پیٹ سے دل برداشتہ ہو کر اس نے تیزاب پی کر اپنی اور اپنی آنے والی اولاد کی زندگی گل کر دی، اس سارے واقعہ کا ہمدانی صاحب پر بہت اثر ہوا اور وہ خود کو کوس رہے تھے کہ کیوں ایک غیر فیملی میں بہن بیاہ دی وہ ساری زندگی یہ گرہ اپنے دل میں باندھے رہے کہ کاش بہن کو سمجھا بجھا کر خاندان کے ہی کسی لڑکے سے شادی کرا دیتے تو ایسا کبھی بھی نہ ہوتا، لیکن ایسا تو وہ کر نہ سکے پر یہ خیال انہوں نے اپنے ساتھ وعدے کی صورت میں نبھائے رکھا کہ اپنی اکلوتی اور لاڈلی بیٹی کی شادی کسی بھی صورت میں خاندان سے باہر نہ کریں گے اسی لئے بڑے دیکھ بھال کے اس کا رشتہ اس کے ماموں زاد سے طے کر دیا۔

☆☆☆

''تم میرے درد کا مداوا کر سکتی ہو یا پھر میں خود ہی کچھ کروں۔'' آج پھر سے اس پر بے بسی کا دورہ پڑا تھا، لال آنکھیں، بڑھی شیو اور چہرے پر چھائی مایوسی کے علاوہ کچھ اور بھی تھا جس کو محسوس کر کے زرش چونکی۔

''میں کیا کروں سالار، میں کچھ بھی تو نہیں کر سکتی۔'' اس نے ہارے لہجے میں کہا۔

''اس کا مطلب مجھے خود ہی اپنا راستہ بنانا پڑے گا۔'' اس نے غائب دماغی سے کہا۔

''کیا کرو گے تم؟'' زرش نے ڈرے لہجے میں پوچھتے ہوئے اپنے نوٹس کی گرفت اور مضبوط کر دی۔

''تمہیں اغوا کر کے لے جاؤں گا یہاں سے بہت دور پر تمہارے بغیر نہیں رہ سکوں گا۔''

''واٹ کیا کہہ رہے ہو، ہوش میں تو ہو یا پاگل ہو گئے ہو۔'' وہ جیسے پھٹ ہی پڑی۔

''بالکل ٹھیک کہہ رہا ہوں اس کے علاوہ کوئی راستہ بھی تو نہیں اور تم تو میرا ساتھ دو گی نہیں۔'' وہ گویا اب پرسکون ہو گیا تھا۔

''فضول کی بکواس مت کرو اور خبردار جو تم نے کوئی بھی غلط قدم اٹھانے کا سوچا بھی، سمجھے تم اور مجھے تھوڑا ٹائم دو میں کچھ سوچتی ہوں بابا سے بات کرنے کا۔'' اس نے آخر ہار مان ہی لی، سامنے سے آتی اس کی کلاس فیلوز کے پکارنے پر وہ چلی گئی تو سالار سے اپنی خوشی چھپائے نہیں چھپ رہی تھی، وہ اپنے منصوبے میں کامیاب ہو گیا تھا وہ یہی تو چاہتا تھا کہ زرش اپنے حق کے لئے کچھ کرے، آخر کار اس کی دھمکی رنگ لے آئی، وہ اب اپنی دھمکی پر خود ہی ہنس رہا تھا۔

''میں تمہیں اپنی عزت بنا کر رکھوں گا نہ کہ تمہیں ساری دنیا میں بے عزت کروں گا، ایسا کوئی کام کرنے کا میں سوچ بھی نہیں سکتا پگلی۔'' اس نے سچے دل سے کہا اور خوشی خوشی آخری پیپر دینے ہال میں گھس گیا۔

☆☆☆

''بیٹا تمہارے بابا جانی تمہیں بلا رہے ہیں۔'' وہ جو ابھی کھانا کھا کے لیٹی ہی تھی کہ مما کے کہنے پر ''جی مما میں جا رہی ہوں'' کہہ کر فوراً اٹھ گئی۔

''بابا جانی میں آ جاؤں؟'' سٹڈی کے دروازے پر کھڑے ہو کر اجازت طلب کی۔

''جی جی بالکل آ جائیں میری بیٹی کو اجازت لینے کی کیا ضرورت ہے کسی سے۔'' انہوں نے لاڈ سے اسے ساتھ لگایا۔

''بیٹا جی یہاں میرے سامنے بیٹھیں مجھے آپ سے ضروری بات کرنی ہے۔'' انہوں نے عینک ہٹا کر ٹیبل پر رکھ دی۔

''وہ اصل میں بیٹا کل آپ کے ماموں اور ممانی آئے تھے کہہ رہے تھے کہ ارحم مزید پڑھائی کے سلسلے میں جرمنی جانا چاہ رہا ہے ساتھ ہی وہاں ایک ہاسپٹل میں جاب بھی آفر ہوئی ہے اسے، وہ چاہ رہے ہیں کہ جانے سے پہلے آپ کی اور ارحم کی شادی کر دی جائے تاکہ آپ بھی ساتھ چلی جائیں۔'' انہوں نے کسی لگی لپٹی کے بغیر سیدھی بات بتائی تو زرش کو سالار کا سوچ کر پسینہ آ گیا۔

''بابا جانی میری سٹڈی کا کیا ہو گا۔'' اسے یہی بہانہ سوجھا۔

''آپ وہاں ایڈمیشن لے لینا، بابا جانی وہ میں اگر...... میرا مطلب ہے۔'' اسے سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ وہ بات کہاں سے اور کیسے شروع کرے حالانکہ ہمدانی صاحب بہت کھلے ذہن کے مالک تھے اور انہیں اپنی بیٹی پر پورا بھروسہ بھی تھا، لیکن اس کے باوجود وہ کہتے ہوئے ڈر رہی تھی۔

''زرش اینی پرابلم بیٹا؟ آپ اس شادی سے خوش تو ہو ناں، اگر آپ خوش نہیں ہو یا آپ کا دل مطمئن نہیں ہے تو بیٹا ابھی بھی وقت ہے، میں کوئی ہٹلر باپ نہیں ہوں جو تم پر اپنی مرضی مسلط کروں گا اور میں نہیں چاہتا کہ آپ میری وجہ سے اپنی زندگی میں ایک بار بھی پچھتائیں کہ کاش بابا نے زبردستی میری شادی یہاں نہ کروائی ہوتی، اس لئے جو بھی تمہارے دل میں ہے مجھے کلیئر کرو۔'' ان کی بات پر زرش کو بھی حوصلہ ملا۔

''تھینک یو سو مچ بابا جانی میں آپ سے اسی معاملے پر بات کرنا چاہتی تھی۔'' اس کی نظریں اپنے ہاتھوں پر تھیں۔

''جی بیٹا بولو۔'' وہ اسے بغور دیکھ رہے تھے۔

''وہ ایکچوئیلی بابا اگر آپ مائنڈ نہ کریں تو ایک بار سالار سے مل لیں۔'' اس کا لہجہ منت بھرا تھا۔

''کون سالار؟'' نگاہیں اب اس کے چہرے پر جیسے کچھ کھوج رہی تھیں۔

''بابا وہ میری یونیورسٹی میں پڑھتا ہے، اگر آپ بہتر سمجھیں تو پلیز ایک بار مل لیں میری خاطر۔'' اس کی جھکی نظریں مزید جھک گئیں۔

''پر بیٹا وہ آؤٹ آف فیملی ہے، نجانے کیسے لوگ ہوں گے، یہ رسک نہیں لے سکتا دوبارہ۔'' ان کے لہجے میں بے ساختہ تڑپ اتر آئی۔

''بابا ضروری تو نہیں ناں کہ جو پھپھو کے ساتھ ہوا میرے ساتھ بھی وہی ہو۔''

''اللہ نہ کرے کیسی باتیں کر رہی ہو۔'' اس کی امی نے چائے سامنے ٹیبل پر رکھ دی۔

''امی پلیز آپ ہی بابا جانی کو سمجھائیں کہ سب لوگ ایک جیسے تو نہیں ہوتے ناں اور سالار بہت اچھا انسان ہے، مجھے یقین ہے کہ آپ دونوں کو بھی وہ بہت اچھا لگے گا، پلیز ایک بار اس سے مل لیں، اس کے بعد آپ کو وہ اچھا نہ لگے تو میں کچھ نہیں بولوں گی۔'' نجانے اس میں اتنی ہمت کہاں سے آ گئی تھی۔

''تمہیں وہ پسند ہے؟'' ہمدانی صاحب اس سے اس کی خوشیاں چھیننا نہیں چاہتے تھے۔

''بابا وہ بہت اچھا انسان ہے۔'' شرم سے اس کے گال لال ہو گئے۔

''او کے تو پھر ٹھیک ہے اگر وہ ہماری بیٹی کو پسند ہے تو ہمیں بھی پسند ہے، آپ اس سنڈے سالار کو بول دیں کہ مجھ سے آ کر مل لے۔''

''کیا سچ میں بابا جانی تھینک یو سو مچ، آپ بہت اچھے ہیں، دنیا کے بیسٹ بابا ہیں۔'' اس نے پیار سے پہلے ہمدانی صاحب پھر اپنی ماں کے گال پر بوسا دیے اور بھاگتی ہوئی اپنے کمرے کی طرف چلی گئی ابھی یہ خبر سالار کو بھی تو دینی تھی۔

''اب احمد بھائی سے کیا کہیں گے ہم وہ ناراض ہو جائیں گے۔'' حنا نے تشویش سے ان کی طرف دیکھا۔

''بس بیگم اب ان سے ہاتھ جوڑ کے معذرت کریں گے ظاہر ہے ہم پہلے اپنی بچی کی خوشیاں دیکھیں گے ناں، نا کہ احمد کی ناراضگی، اب جو بھی ہو گا سنبھالیں گے ہم دونوں مل کر، ویسے بھی میں صرف زرش کی خوشی چاہتا ہوں، اس رشتے کے بعد میں نے اسے اتنا خوش نہیں دیکھا کبھی بھی، جتنا آج دیکھا، اس کا مطلب ہے اس کی خوشی سالار میں ہے، میں احمد سے معذرت کر لوں گا۔'' انہوں نے شک کا بیج دل سے نکال باہر پھینکا۔

''کبھی کبھی انسان جس کام کو ناممکن سمجھتا ہے وہ تو اتنی آسانی سے ہو جاتا ہے کہ خواب کا گمان ہونے لگتا ہے، یوں لگتا ہے کہ غیب سے کسی نے خود ہی وہ کر دیا جو انسان کو ناممکن لگ رہا تھا، بلکہ ہاں وہ واقعی غیب سے مدد ہی ہوتی ہے اللہ کی، ہماری بھی اللہ نے مدد کی جو اتنے آرام سے بابا جانی مان گئے۔'' فون پر ساری بات سالار کو بتا کر زرش مسکرا دی اور اٹھ کر وضو کرنے چل دی آخر شکرانے کے نفل بھی تو پڑھنے تھے، اللہ نے اتنی بڑی مدد کی اس پر اس کا شکر ادا بھی تو کرنا تھا۔

☆☆☆

حاصل مطالعہ

تحریم محمود

القرآن

- اور ہم نے ایک آڑ ان کے سامنے کر دی اور ایک آڑ ان کے پیچھے کر دی جس سے ہم نے (ہر طرف سے) ان کو (پردوں سے) گھیر دیا، سو وہ نہیں دیکھ سکتے اور ان کے حق میں آپ کا ڈرانا یا نہ ڈرانا دونوں برابر ہیں، یہ ایمان نہ لائیں گے۔ (سورہ یٰسین ۹، ۱۰)
- اور ان دونوں کے باغ کثیر شاخوں والے ہوں گے سوائے جن و انس تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے۔ (سورہ رحمٰن ۴۸، ۴۹)
- یہ مقرب لوگ آرام کے باغوں میں ہوں گے ان کا ایک بڑا گروہ تو اگلے لوگوں میں ہو گا اور تھوڑے سے پچھلے لوگوں میں ہوں گے وہ لوگ سونے کے تاروں سے بنے ہوئے تختوں پر تکیہ لگائے آمنے سامنے بیٹھے ہوں گے۔ (سورہ الواقعہ ۱۲ تا ۱۶)

سارا حیدر، ساہیوال

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پسند

من پسند چیز دیکھ کر الحمدللہ رب العالمین فرماتے، تکیہ، تیل، خوشبو، دودھ اگر کوئی پیش کرتا تو قبول فرماتے۔

سفید رنگ کا لباس آپ کو بہت محبوب تھا اور سبز رنگ کا لباس بھی پسند فرماتے۔

مشک اور عود کی خوشبو کی زیادہ پسند فرماتے۔

سفر کے لئے جمعرات کا دن پسند فرماتے۔

عشاء سے پہلے نہیں سوتے تھے۔

زندگی کے اوقات تین حصوں میں تقسیم کرتے تھے، ایک حصہ اللہ کی عبادت کے لئے، دوسرا گھر والوں کے لئے، معاشرتی حقوق کے لئے جن میں ہنسنا بولنا بھی تھا اور تیسرا اپنے نفس کی راحت کے لئے۔

ساجدہ احمد، ملتان

فاتح عالم

ارسطو کے ہاں مختلف شہزادے زیر تعلیم تھے ایک روز ایک شہزادے سے ارسطو نے سوال کیا۔

''اگر تمہیں بادشاہت ملی تو میری تعلیمی خدمات کا کیا صلہ دو گے؟''

''میں تمام تر مہمات سلطنت میں آپ کے مشورے کو مقدم رکھوں گا۔'' یہی سوال ارسطو نے دوسرے شہزادے سے کیا، اس نے جواب دیا۔

''میں آپ کو برابر کا شریک رکھوں گا۔''

جب سکندر کی باری آئی تو اس نے عرض کیا۔

''مجھ سے اس بارے میں کچھ نہ پوچھا جائے کیونکہ اس کا فاعل حقیقی میں نہیں بلکہ خدائے برتر ہو گا۔'' ارسطو اس جواب سے بہت خوش ہوا اور کہا۔

''تیری اس دانائی کا جواب سب پر سبقت لے گیا اور مجھے تیرے اس جواب سے تیرے فاتح عالم ہونے کی خوشبو آتی ہے۔''

صفہ خورشید، لاہور

اٹل سچائی

☆ آخرت میں جنت اس کے حصے میں آئے گی جو دعوار پارسائی کرنے کے بجائے عمل کرتا

ہے اور عمل میں جان پیدا کرنے کی کوشش کرتا ہے۔
☆ تواضع سر بلندی بڑھاتی ہے اور تکبر انسان کو خاک میں ملا دیتا ہے۔
☆ سرکش گھوڑا سر کے بل گر جاتا ہے اس لئے بلندی کی ضرورت ہو تو بلندی کا دعوا کرنا چاہیے۔
☆ جو شخص دنیا کی موج و مستی میں مشغول ہو اس سے دین کا راستہ پوچھ کر خود کو گناہ گار نہیں کرنا چاہیے۔
☆ اگر آپ کو مقام حاصل کرنا ہے تو اپنے سوا کسی کو حقیر نہ سمجھیں۔
☆ اگر آپ کو مخلوق خوش خلق اور نیک طبع کہتی ہے تو اس سے زیادہ اونچے مقام کی توقع نہیں کرنا چاہیے۔
☆ جو لوگ آپ جیسے لوگوں کو حقیر سمجھتے ہیں آپ کبھی اسے عزت دینے کو تیار نہیں ہوتے، اسی طرح اگر آپ کسی کو حقیر سمجھیں اور اس بات کے متمنی ہوں کہ دوسرا آپ کی عزت کرے عبث ہے

عابدہ حیدر، بہاول نگر

کرن

اپنے لفظوں کی حفاظت کیجئے، کیونکہ لفظ آپ کی عادت بن جاتے ہیں، اپنی عادتوں کی حفاظت کریں، کیونکہ عادتیں آپ کا عمل بن جاتی ہیں، اپنے عملوں کی حفاظت کریں کیونکہ آپ کے عمل ہی آپ کی شخصیت بناتے ہیں۔

آصفہ نعیم، فورٹ عباس

حکایات سعدی

ایک دیہاتی کو میں نے بصرہ کے جوہری بازار میں دیکھا، اس نے بتایا کہ وہ ایک دن جنگل میں راستہ بھول گیا تھا اور میرے پاس کھانے پینے کی کوئی چیز نہیں تھی اپنی موت کا یقین ہو گیا کہ اچانک میں نے ایک تھیلی پائی جو موتیوں سے بھری ہوئی تھی میں ہرگز اس خوشی کو نہیں بھول سکتا کہ میں سمجھا اس میں بھنے ہوئے گندم ہیں پھر میں اس ناامیدی کو نہیں بھول سکتا جب مجھے معلوم ہوا کہ اس تھیلی میں موتی ہیں۔

فرینہ اسلم، میاں چنوں

تمہارے لئے

وہی موسم ہے
بارش کی ہنسی
پیڑوں میں چھن چھن گونجتی ہے
ہری شاخیں ہرے پھول کے زیور پہن کر
تصور میں کسی کے مسکراتی ہیں
ہوا کی اوڑھنی کا رنگ پھر ہلکا گلابی ہے
شناسا باغ کو جاتا ہوا خوشبو بھرا رستہ
تمہاری راہ دیکھتا ہے
طلوع ماہ کی ساعت تمہاری منتظر ہے
نیک تمناؤں کے ہمراہ
نیا سال مبارک ہو

مہین آفریدی، ایبٹ آباد

کچھ لوگ

☆ کچھ لوگ گھروں کی طرح ہوتے ہیں وہ چاہے ہم سے کتنی بھی دور کیوں نہ ہوں دل ان کی روح میں سمٹ جانے کے لئے بے چین رہتا ہے۔
☆ کچھ لوگ گلابوں کی طرح ہوتے ہیں ان کا نام لیتے ہی ہمارے اردگرد خوشبو پھیل جاتی ہے۔
☆ کچھ لوگ ستاروں کی طرح ہوتے ہیں جو دور سے چمکتے ہیں مگر ہمارے ہاتھ نہیں آتے۔
☆ کچھ لوگ گھٹاؤں کی طرح ہوتے ہیں جو

دوسروں پر اس طرح برستے ہیں کہ زندگی کی سخت دھوپ نرم چھاؤں میں تبدیل ہو جاتی ہے۔

☆ کچھ لوگ نگاہ کی طرح ہوتے ہیں وہ ساتھ ہوں تو اندھیروں میں بھی راستے مل جاتے ہیں۔

راحیلہ فیصل، سرگودھا

سوچ ریزے

O شہر، دکھ اور محبتیں ایک ہی طرح کے ہوتے ہیں کبھی پرانے نہیں ہوتے ہمیشہ نئے ہی لگتے ہیں۔

O پھول زخموں، یادوں، موسموں، رنگوں اور منظروں کو پرانا نہیں ہونے دیتے۔

O کبھی غور کریں تو کتنی عجیب بات کا پتہ چلے کہ بڑے سارے عذابوں، سارے اجاڑ اور ویرانوں کا تعلق پانیوں سے ہوتا ہے پانی جو بظاہر زندگی ہے اس میں کتنی موت چھپی ہوئی ہے ایسے ہی تو دکھوں اور خوشیوں کی انتہا پر آنکھیں پانیوں سے نہیں بھر آتیں۔

O ہر کوئی الفاظ کو اپنی سمجھ کے مطابق ڈھال لیتا ہے اس لئے ہر انسان کا نظریہ دوسرے سے مختلف ہوتا ہے۔

O منفرد لوگوں کو ہمیشہ مار سہنی پڑتی ہے طعنوں کی یا تنہائی کی۔

O پتھروں سے واسطہ پڑے تا پتھر دلوں سے زندگی کا سفر رکتا نہیں۔

O دیواریں صرف کمروں کی نہیں ہوتیں، دل کے گرد بھی ہوتی ہیں کبھی خواب کئی خیال انہیں میں قید رہ جاتے ہیں۔

O اعتبار کی مالا کو کبھی ٹوٹنے نہ دو، اس انمول مالا کے موتی بکھر جائیں تو تلاش کے باوجود ملتے نہیں۔

O انسان کی شخصیت کا سب سے مضبوط حوالہ اس کا کردار اور عمل ہے۔

آمنہ خان، راولپنڈی

دعا

میں نے دعا مانگی
زمین کی سلامتی کی
اس پر رزق کی فراوانی کی
درختوں کی پناہ گاہیں آباد ہونے کی
ہجرت کر جانے والے پرندوں کی واپسی کی
لیکن ان سب دعاؤں سے پہلے
میں نے دعا مانگی
زمین کی رہائی کی

صابرہ سلطانہ، کراچی

وہم

علاقے کے بازار میں ایک خاتون نے اپنے سابق پڑوسی کی دس بارہ سالہ بچی کو سودا خریدتے دیکھا تو شفقت سے اس کا حال چال پوچھنے کے بعد دریافت کیا۔

''اور تمہارے امی ابو کیسے ہیں؟''

''امی تو ٹھیک ہیں لیکن ابو بیمار ہیں۔'' بچی نے بتایا۔

''ارے بیٹا، وہ بیمار دیمار کچھ نہیں ہیں، تمہارے ابو کو وہم ہو گیا ہے کہ وہ بیمار ہیں۔'' خاتون نے بڑے یقین سے کہا۔

کچھ عرصے بعد اسی بازار میں خاتون کی ملاقات بچی سے ہوئی تو انہوں نے ایک بار پھر بچوں کے والدین کی خیریت دریافت کی۔

''امی تو ٹھیک ہیں۔'' بچی نے دھیمی آواز میں سنجیدگی سے جواب دیا۔

''لیکن ابو کو وہم ہو گیا تھا کہ وہ مر چکے ہیں، کل ان کا چالیسواں تھا۔''

حنا شاہین، حیدرآباد

☆☆☆

میری ڈائری سے

صائمہ محمود

آصفہ نعیم: کی ڈائری سے ایک نظم
''بھیگی جنوری پھر لوٹ آئی ہے''
وہی گلیاں وہی کوچے وہی سردی کا موسم ہے
اسی انداز سے اپنا نظام زیست برہم ہے
یہ حسن اتفاق ایسا کہ نکھری چاندنی بھی ہے
وہی ہے بھیڑ سوچوں کی، وہی تنہائیاں پھر سے
مسافر اجنبی اور دشت کی تنہائیاں پھر سے
مجھے یاد ہے کچھ سال پہلے کا یہ قصہ ہے
وہی لمحہ تو ویرانے کا اک آباد حصہ ہے
وہ زندہ رات کی تنہائی میں سرگوشیاں کی تھیں
کسی کی نرم گفتاری نے دل کو لوریاں دی تھیں
کسی نے میری تنہائی کا سارا کرب بانٹا تھا
کسی نے رات کی چنری میں روشن چاند ٹانکا تھا
چمکتے جگنوؤں کا سیل اک بخشا تھا راتوں کو
دھڑکتا سا نیا عنوان دیا تھا میرے خوابوں کو
میرے شعروں میں وہ الہام کی صورت میں اترا تھا
معانی بن کے جو لفظوں میں پہلی بار دھڑکا تھا
وہ جس کے ہونے سے زندگی نغمہ سرائی ہے
اسے کہنا کہ بھیگی جنوری پھر لوٹ آئی ہے۔

فرینہ اسلم: کی ڈائری سے ایک غزل
آگے حریم غم سے کوئی راستہ نہ تھا
اچھا ہوا کہ ساتھ کسی کو لیا نہ تھا
دامان چاک چاک گلوں کو بہا نہ تھا
دل کا جو رنگ تھا وہ نظر سے چھپا نہ تھا
رنگ شفق کی دھوپ کھلی تھی قدم قدم
مقتل میں صبح و شام کا منظر جدا نہ تھا
کیا بوجھ تھا کہ جس کو اٹھائے ہوئے تھے لوگ
مڑ کر کسی سمت کوئی دیکھتا نہ تھا
کچھ اتنی روشنی میں تھے چہروں کے آئینے
دل اس کو ڈھونڈتا تھا جسے جانتا نہ تھا
کچھ لوگ شرمسار خدا جانے کیوں ہوئے
اپنے سوا ہمیں تو کسی سے گلہ نہ تھا
ہر اک قدم تھا نئے موسموں کے ساتھ
وہ جو صنم تراش تھا بت پوجتا نہ تھا
جس در سے دل کو ذوق عبادت عطا ہوا
اس آستان شوق پہ سجدہ روا نہ تھا
آندھی میں برگد کی زباں سے ادا ہوا
وہ راز جو کسی سے ابھی تک کہا نہ تھا

مہین آفریدی: کی ڈائری سے ایک نظم
اب کے برس کچھ ایسا کرنا
اپنے گزرے بارہ ماہ کے
دکھ سکھ کا اندازہ کرنا
بسری یادیں تازہ کرنا
سادہ سا اک کاغذ لے کر
بھولے بسرے پل لکھ لینا
پھر اس بیتے اک اک پل کو
اک اک موڑ کا احاطہ کرنا
سارے دوست اکٹھے کرنا
ساری بحثیں حاضر کرنا
ساری شامیں پاس بلانا
اور علاوہ ان کے دیکھو
سارے موسم دھیان میں رکھنا
اک اک یاد گمان میں رکھنا
پھر محتاط قیاس لگانا

گرتو خوشیاں بڑھ جاتی ہیں
تو پھر تم کو میری طرف سے
آنے والا سال مبارک
اور اگر غم بڑھ جائیں تو
مت بے کار تکلف کرنا
دیکھو پھر تم ایسا کرنا
میری خوشیاں تم لے لینا
مجھ کو اپنے غم دے دینا
اب کے برس کچھ ایسا کرنا

راحیلہ فیصل: کی ڈائری سے ایک نظم

''اب کے برس''

اے عمر رواں
آ پاس میرے
اک راز کی بات بتانی ہے
اک درد کی ٹیس سی دل میں ہے
اے عمر رواں
آ پاس میرے
یہ نیم شبی کی خاموشی
یہ نیند کی پلکیں بوجھل سی
یہ پردہ دل
یہ زہر نظر
اک خوف سا ذہن و دل پر ہے
تنہائی میری چپکے سے کہے
اے عمر رواں آ پاس میرے
تجھ سے فقط کہنا ہے مجھے
اک شخص سے ملنا ہے مجھ کو
ملنے کی گھڑی جو ٹھہری ہے
دو چار صدی یا اب کے برس
اے عمر رواں
آ پاس میرے، آ پاس میرے

آمنہ خان: کی ڈائری سے ایک غزل

اک رہ گزر پہ خود کو تماشا کیے ہوئے
بیٹھا ہے دل غبار کو رستہ کیے ہوئے
جیسے ہجوم خلق خدا اس کے ساتھ ہے
پھرتا ہے سارے شہر کو تنہا کیے ہوئے
چلا اس سے مانگتے ہیں دل ناتواں کی خیر
اک عمر ہو گئی ہے تقاضا کیے ہوئے
تو ہے، نہیں ہے، کون یہ سوچے، مگر میں ہوں
محفل کو تیری یاد میں برپا کیے ہوئے
بیٹھا ہے عشق مسند انکار پر سلیم
ترک رسوم و ترک تمنا کیے ہوئے

صابرہ سلطانہ: کی ڈائری سے ایک نظم

مگر اک ستارہ مہرباں
کئی چاند دھند میں کھو گئے
کئی جاگ جاگ کے سو گئے
مگر اک ستارہ مہرباں
جو گواہ تھا
سر شام سے دم صبح تک
کسی وصل رنگ سی رات کا
کسی بے کنار سے لطف کا
کسی مشکبار سی بات کا
مرے ساتھ تھا

حنا شاہین: کی ڈائری سے ایک غزل

یہ معجزہ بھی کسی کی دعا کا لگتا ہے
یہ شہر اب بھی اسی بے وفا کا لگتا ہے
یہ تیرے میرے چراغوں کی ضد جہاں سے چلی
وہیں کہیں سے علاقہ ہوا کا لگتا ہے
دل ان کے ساتھ مگر تیغ اور شخص کے ساتھ
یہ سلسلہ بھی کچھ اہل ریا کا لگتا ہے
نئی گرہ، نئے ناخن، نئے مزاج کے قرض
مگر یہ پیچ بہت ابتدا کا لگتا ہے
کہاں میں اور کہاں فیضان نغمہ و آہنگ
کرشمہ سب درد سمت نوا کا لگتا ہے

سدرۃ خانم: کی ڈائری سے ایک نظم

''بشارت''
سنو!
یہ خوشبوئیں اعلان کرتی ہیں
کسی کے لوٹ آنے کا
تو پھر لفظوں میں کیسے لکھ سکیں گے
اس کی آمد کی کہانی کو
وفا کی حکمرانی کو
محبت کی دعائیں مانگتی شب نے
نئے اک سرخرو دن کے سہانے خواب دیکھے ہیں
یہ کیسا خوشنما احساس ہے
کہ آئندہ برسوں میں
ہر اک موسم، ہر اک دن کی دھنک کرنوں کو
ہم اک ساتھ برتیں گے
سنو! یہ خوشبوئیں اعلان کرتی ہیں

آسیہ فرید: کی ڈائری سے ایک نظم
''آس''
میں نے اب کے سال بھی سبز رتوں کا پہلا پھول
اک تیری خاطر شاخ شجر سے توڑ کے
اپنی زرد کتاب میں لا رکھا ہے
کوئی نہ جانے
کبھی کوئی آوارہ بھولا بھٹکا بادل
عمر کے ترسے پیاسے دشت کی
پل میں پیاس بجھا جاتا ہے
کوئی نہ جانے
بعض اوقات ایک بھولی بسری ہوئی یاد بھی
ایسے پوری ہو جاتی ہے
جیسے غیر آباد جزیرے
رستہ بھول کے آنے والے لوگوں سے بس جاتے ہیں

مریم انصاری: کی ڈائری سے ایک غزل
کئی بار اس کا دامن بھر دیا حسن دو عالم سے
مگر دل ہے کہ اس کی خانہ ویرانی نہیں جاتی
کئی بار اس کی خاطر ذرے ذرے کا جگر چیرا
مگر یہ چشم حیراں جس کی حیرانی نہیں جاتی
نہیں جاتی متاع لعل و گہر کی گراں یابی
متاع غیرت و ایماں کی ارزانی نہیں جاتی
مری چشم تن آساں کو بصیرت مل گئی جب سے
بہت جانی ہوئی صورت بھی پہچانی نہیں جاتی
سرخ رو سے ناز کجکلاہی چھن بھی جاتی ہے
کلاہ خسروی سے بوئے سلطانی نہیں جاتی
بجز دیوانگی واں اور چارہ ہی کہو کیا ہے
جہاں عقل و خرد کی ایک بھی مانی نہیں جاتی

عزہ فیصل: کی ڈائری سے ایک نظم
اے دوستو! یہ نیا سال مبارک ہو تمہیں
عین ممکن ہے کہ کھوئی ہوئی منزل مل جائے
اور کمزور سفینوں کو بھی ساحل مل جائے
شاید اس سال ہی کچھ چین دلوں کو ہو نصیب
شاید اس سال تمہیں زیست کا حاصل مل جائے
صبح کے بھولے ہوئے شام کو شاید گھر آئیں
اپنے غم خانوں میں چپ چاپ ہی خوشیاں در آئیں
شاید اس سال جو سوچا تھا وہ پورا ہو جائے
شاید اس سال تمہاری بھی مرادیں بر آئیں
شاید اس سال شکستہ ہوں مصائب کی سلیں
شاید اس سال ہی صحراؤں میں کچھ پھول کھلیں
راہ ہستی کے دوراہے پہ اچانک اک دن
شاید اس سال ہی کچھ بچھڑے ہوئے آن ملیں
دل میں ہم سب کے محبت ہو کدورت نہ رہے
اور انسان کو انسان سے نفرت نہ رہے
شاید اس سال کوئی ایسی ہوا چل جائے
رنج و غم، آفت و آلام کی کثرت نہ رہے
اے دوستو! یہ نیا سال مبارک ہو تمہیں
اس کی رحمت کا جو ادنیٰ سا اشارہ ہو جائے
تو اسی سال ہی ''طیبہ'' کا نظارہ ہو جائے
آج جس وقت کے تیور ہیں بہت بدلے ہوئے
اے دوستو! یہ نیا سال مبارک ہو تمہیں ☆☆☆

قابل غور

لوگوں کا سرمایہ ہضم کر کے غائب ہو جانے والی ایک انویسٹمنٹ کمپنی کا مالک جب پکڑا گیا تو اسے عدالت میں پیش کیا گیا، جج صاحب نے غصے سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''تمہیں شرم نہیں آتی جن لوگوں نے تم پر اعتماد کیا، تم نے ان ہی کا پیسہ کھا کر بھاگ گئے؟''

''سر! آپ خود سوچیں جو لوگ آپ پر اعتماد نہ کرتے ہوں، ان کا پیسہ آپ کیسے کھا سکتے ہیں؟''

کمپنی کے مالک نے معصومیت سے سوال کیا۔

سدرۃ خانم، ملتان

عجلت

ایک ہوٹل کے قریب ایک صاحب نے ہاتھ دے کر ٹیکسی روکی اور پچھلی سیٹ پر ڈھیر ہو گئے، نشے سے لڑکھڑاتی آواز میں انہوں نے ڈرائیور کو حکم دیا۔

''اس ہوٹل کے چاروں طرف سو چکر لگاؤ۔''

ڈرائیور کچھ پریشان ہوا لیکن جب ان صاحب نے اسے ہزار کا نوٹ تھمایا تو اس نے ہوٹل کے گرد چکر لگانے شروع کر دیے۔

ساٹھویں چکر پر پچھلی سیٹ پر نیم دراز ان صاحب نے گردن اونچی کی اور خمار زدہ لہجے میں ڈرائیور سے مخاطب ہوئے۔

''میاں! ذرا اسپیڈ بڑھاؤ میں جلدی میں ہوں۔''

آسیہ فرید، خانیوال

ماسٹر صاحب

ہمارے ماسٹر صاحب بڑے خونخوار قسم کے آدمی تھے، یوں تو بیچلر آف آرٹس تھے لیکن بعد میں پتہ چلا کہ شادی شدہ اور کئی بچوں کے باپ ہیں، وہ ان حضرات میں سے تھے جو آپ سے سوال پوچھیں گے، آپ کی طرف سے خود ہی جواب دیں گے اور پھر آپ کو ڈانٹیں گے بھی کہ جواب غلط تھا، ان کے نوکر کی زبانی معلوم ہوا کہ انہیں نیند میں بولنے اور چلنے پھرنے کی بیماری تھی اور وہ سوتے ہوئے پیدل چلا کرتے تھے، حالانکہ ان کے پاس ایک تانگہ تھا اور ایک سائیکل۔

انہیں کھیل کود کا شوق بھی تھا لیکن فقط اتنا کہ ریفری بن کر خوش ہو لیا کرتے، ایک مرتبہ وہ فٹ بال کے میچ میں ریفری تھے کہ یک لخت جوش میں آ گئے اور گیند لے کر خود گول کر دیا، رونی کے ابا ہمیشہ ان سے کہا کرتے تھے کہ۔

''ماسٹر صاحب! آپ اس علاقے میں فٹ بال کے نمبر دو کھلاڑی ہیں۔''

ایک روز ماسٹر صاحب نے ان سے پوچھا کہ۔

''نمبر ایک کھلاڑی کون ہے۔'' وہ بولے۔

''پتہ نہیں۔''

مریم انصاری، سکھر

موقع غنیمت

مجید لاہوری اور رشید اختر ندوی دونوں بھاری بھرکم تھے، ایک مرتبہ دونوں ایک سائیکل رکشا پر سوار ہو کر کہیں جا رہے تھے، رکشا والا کمزور

سا آدمی تھا، پسینے میں شرابور بڑی دشواری سے سواری کھینچ رہا تھا، راستے میں مجید لاہوری کو پان کھانے کی خواہش ہوئی تو وہ رکشا رکوا کر اترے اور پان کی دکان کی طرف بڑھے، اتفاق سے رشید اختر ندوی کو ایک شناسا مل گئے اور وہ بھی رکشا سے اتر کر سڑک پر ان سے باتیں کرنے لگے۔

رکشے والا جو غیر معمولی مشقت سے نیم جان ہو رہا تھا، اس موقع غنیمت جان کر خالی رکشا لے کر بھاگ کھڑا ہوا، مجید صاحب نے اسے بھاگتے دیکھا تو چیخ کر بولے۔

''او میاں رکشے والے، کہاں بھاگے جا رہے ہو؟ اپنے پیسے تو لیتے جاؤ۔''

''شکریہ صاحب جی! زندگی باقی رہی تو کسی اور سے کما لوں گا۔'' رکشے والے نے ہانپتے ہوئے کہا اور بھاگتا چلا گیا۔

عزہ فیصل، قصور

علم

عدالت میں ایک بڑے اور مشہور وکیل نے اپنے مخالف وکیل کی طرف حقارت سے دیکھا کیونکہ وہ نو آموز اور گمنام تھا، پھر بڑے وکیل نے حقارت بھرے لہجے میں کہا۔

''تم ہو کون؟''

''سر میں وکیل ہوں۔'' نو آموز اور نا تجربہ کار وکیل نے مودبانہ لہجے میں جواب دیا۔

''تم جیسے وکیل میں جیب میں لئے پھرتا ہوں۔'' بڑے وکیل نے بدستور حقارت سے کہا۔

''اس کا مطلب ہے کہ آپ کے دماغ میں قانونی علم نہیں ہو گا، تبھی آپ جیب میں لئے پھرتے ہیں۔'' نو آموز وکیل نے نرمی اور شائستگی سے کہا۔

نور انور، فیصل آباد

گفٹ پیکج

ایک دن سردار جی ایک دکان میں خریداری کر رہے تھے کہ تیل کا ڈبہ اٹھا کر دکان دار سے بولے۔

''اس تیل کے ساتھ میرا مفت گفٹ کدھر ہے؟''

دکان دار نے کہا۔

''اس کے ساتھ کوئی گفٹ نہیں ہے بھائی صاحب!''

سردار جی منہ بسور کر بولے۔

''اوئے اس پر لکھا ہے کولیسٹرول فری۔''

فاریہ سلیم، شرقپور

عشق کہیں جسے

ایک شخص نے بس میں اپنے قریب بیٹھے ہوئے مایوس اور افسردہ شخص کو دیکھ کر باتوں باتوں میں کہا۔

''مجھے لگتا ہے کہ جیسے آپ نے زندگی میں عشق کیا اور ناکام ہو گئے۔''

وہ صاحب جھلا کر بولے۔

''میں نے زندگی میں ایک ہی بار عشق کیا تھا اور بدقسمتی سے کامیاب بھی ہو گیا۔''

عمیرہ ریحان، ٹوبہ ٹیک سنگھ

زور گفتار

گل صاحب نے ایک دن موڈ میں آ کر کہا۔

''میری بیوی اتنی پڑھی لکھی ہے کہ وہ کسی بھی موضوع پر گھنٹہ بھر بات چیت کر سکتی ہے۔''

جواب میں اقبال میمن نے کہا۔

''اس میں حیرت کی کیا بات ہے، یہی کام ان پڑھ عورت بھی کر لیتی ہے اور اس کے لئے موضوع کی بھی شرط نہیں ہوتی۔''

عالیہ بٹ، لاہور

تیز رفتاری

ایک خاتون نے ٹریفک سارجنٹ کو اپنی تیز رفتاری کی وجہ بتاتے ہوئے کہا۔

''میری گاڑی کے بریک خراب ہو گئے

ہیں، اس لئے میں چاہتی ہوں کہ کسی حادثے کے بغیر گھر پہنچ جاؤں۔"

فریحہ گیلانی، اوکاڑہ

جواب

ایک رنگروٹ کو آفیسر کی بے عزتی کرنے کے جرم میں کورٹ مارشل کے لئے پیش ہونا پڑا۔

"جواب دو۔" کمانڈنگ آفیسر نے سخت لہجے میں باز پرس کی۔

"تم نے اپنے آفیسر کو الو کا پٹھا کیوں کہا؟"

رنگروٹ نے جواب دیا۔

"آفیسر نے مجھ سے پوچھا تھا کہ میں اسے کیا سمجھتا ہوں۔"

صوبیہ توحید، گلشن راوی لاہور

معصومیت

ننھے جمی کا اسکول کا پہلا دن تھا، چھٹی کے وقت سب بچے گھر جانے کے لئے گاڑیوں میں بیٹھ چکے تھے لیکن جمی وین میں بیٹھنے کے لئے تیار نہ تھا۔

"کیا تم گھر نہیں جاؤ گے؟" ٹیچر نے حیرت سے پوچھا۔

"ممی کہہ رہی تھیں، اب مجھے کم از کم دس بارہ سال اسکول میں گزارنے پڑیں گے۔" جمی نے نہایت معصومیت سے جواب دیا۔

سارا حیدر، ساہیوال

انتظار

ایک خوبصورت سیلزگرل نے ایک گھر کے دروازے پہ دستک دی، صاحب خانہ باہر آئے تو سیلزگرل نے پوچھا۔

"کیا آپ کی بیگم گھر پر ہیں؟"

صاحب نے جواب دیا۔

"نہیں! لیکن آپ اندر آ کر ان کا انتظار کر سکتی ہیں وہ ایک ہفتے کے لئے میکے گئی ہوئی ہیں۔"

ساجدہ احمد، ملتان

کھانا

میاں بیوی نے شادی کی پہلی سالگرہ پر ضیافت کا اہتمام کیا، بیوی نے بڑے چاؤ سے اپنے ہاتھ سے کھانے تیار کیئے۔

مہمان جمع تھے، خوش گپیوں اور مشروبات وغیرہ کا دور چل رہا تھا، ایک دوسرے کو لطیفے سنائے جا رہے تھے، قہقہے گونج رہے تھے۔

شوہر نے بیوی سے دریافت کیا۔

"کیا خیال ہے بیگم! مہمانوں کو کچھ دیر اور لطف اندوز ہونے دیا جائے یا کھانا لگوایا جائے۔"

صفہ خورشید، لاہور

ایک منٹ

رمضان المبارک کا مہینہ تھا، مولوی صاحب رات گئے مسجد سے فارغ ہو کر گھر آ رہے تھے کہ ان کی نظر گلی کی نکڑ پر اس لڑکے پر پڑی جو شراب پی کر نالے میں اوندھے منہ پڑا تھا۔

مولوی صاحب کو اس پر رحم آ گیا اور وہ اسے سہارا دے کر اٹھانے لگے، ان کے اٹھانے پر وہ لڑکا ذرا سنبھل گیا اور ہوش میں آتے ہی وہ مولوی صاحب سے گزارش کرنے لگا۔

"پلیز مولوی صاحب آپ صرف پانچ منٹ کے لئے میرے ساتھ میرے گھر چلیں۔"

"نہیں بھائی، اب رات بہت ہو گئی ہے، مجھے سحری اور فجر کی نماز کے لئے بھی اٹھنا ہے۔"

مولوی صاحب جلدی سے بولے اور جانے لگے مگر اس لڑکے نے انہیں پیچھے سے جا لیا۔

"پلیز مولوی صاحب صرف ایک منٹ کے لئے تاکہ میں اپنی بیوی کو بتا سکوں کہ میں کس کے ساتھ آیا ہوں۔"

عابدہ حیدر، بہاول نگر

☆☆☆

حنا کی محفل

عین غین

ثوبیہ منیر ---- شیخوپورہ

س: باہر کا موسم اندر کے موسم سے کب ملتا ہے؟
ج: دل کی مراد بھر آنے پر۔
س: اگلے موسم بہار میں بھلا ہم کہاں ہوں گے؟
ج: ایک شخص کی لڑکی گھر سے بھاگ گئی، دوسرے دن وہ افسوس کرنے والے لوگوں سے کہہ رہا تھا کہ ایک بات ہے کہ میری وہ لڑکی بڑی اللہ والی تھی بھاگنے سے ایک رات پہلے وہ مجھے کہہ رہی تھی کہ ابا دو دن بعد ہمارے ہاں ایک شخص کم ہو جائے گا، اب تم؟
س: ہر شوہر کی بیوی اچھی لگتی ہے مگر دوسرے کی کیوں؟
ج: اس کو تو کہتے ہیں کہ گھر کی مرغی دال برابر۔

ناعمہ عثمان ---- وہاڑی

س: آپ کو کبھی کسی نے دن میں تارے دکھائے؟
ج: کیوں تمہارا ارادہ ہے۔
س: اگر انسان ریموٹ کنٹرول سے چلنے لگیں تو؟
ج: لگیں تو کیا مطلب، ابھی بھی چلتے ہیں یقین نہیں آتا تو کسی بھی شوہر کو دیکھ لو۔
س: نفرت کی زمین پر بھی پیار لکھنے والے لوگ کیسے ہوتے ہیں؟
ج: اس دور میں تو پاگل ہی ہوتے ہیں۔
س: کس موسم کا جادو سر چڑھ کر بولتا ہے؟
ج: جس میں اندر اور باہر کا موسم یکساں خوشگوار ہو۔

وفا حیدر ---- سرگودھا

س: السلام علیکم! جناب کیا کر رہے ہیں؟
ج: آپ کے سوال پڑھ رہا ہوں۔
س: ہمیں تو حنا کی محفل سے محبت ہے اور آپ کو؟
ج: محفل والوں سے۔
س: کبھی غصہ آیا؟
ج: بے تکے سوال پڑھ کر۔
س: کس بات پر زیادہ غصہ آیا؟
ج: جس بات پر بھی غصہ آیا۔
س: زندگی میں کس چیز کی کمی محسوس ہوتی ہے؟
ج: بر امان جاؤ گی پڑھ کر۔
س: کیا دوستی پیار ہے؟
ج: نہیں۔
س: کیا زندگی گزارنے کے لئے لو میرج ضروری ہے؟
ج: اچھے بچے ایسی باتیں نہیں سوچتے۔
س: میرے بی اے کے پیپرز ہونے والے ہیں، دعا کریں گے؟
ج: کس کے لئے؟ تمہارے لئے یا ممتحن کے لئے۔

رضا فاطمہ ---- سادھوکی

س: آداب عین غین جی کیسے مزاج ہیں؟
ج: اللہ کا شکر ہے۔
س: میرے بغیر کیسا رہا؟
ج: سچ سچ بتائیں، برا تو نہیں مانوں گی۔
س: عین غین جی نو مائنڈ بتائیں؟
ج: بہت سکون رہا۔

☆☆☆

بیاض

تسنیم طاہر

نورانور ---- فیصل آباد
ہر شام نئے خواب اس پہ کاڑھیں گے
ہمارے ہاتھ اگر تیری شال آ جائے
ان ہی دنوں وہ میرے ساتھ چائے پیتا تھا
کہیں سے کاش میرا پچھلا سال آ جائے

....

موسم تھا بے قرار تمہیں سوچتے رہے
کل رات بار بار تمہیں سوچتے رہے
بارش ہوئی تو گھر کے دریچے سے لگ کر ہم
چپ چاپ سوگوار تمہیں سوچتے رہے

....

خود اپنی ذات اسیر عذاب رکھتے ہیں
ہمارے عہد کے انسان خواب رکھتے ہیں
یہ تاجران محبت بھی خوش گماں ہیں بہت
گناہ کرکے امید ثواب رکھتے ہیں
فاریہ سلیم ---- شرقپور
بہت منتظر ہیں اگلے برس کے
وہ لوٹ آئے گا اگلے برس کیا

....

ناصر مجھے چھیڑیں گے بہت چاندنی اور پھول
آیا نہ میرا دوست اگر اب کے برس بھی

....

اب کے برس کچھ ایسی تدبیر کرتے ہیں
مل کے اک شہر محبت تعمیر کرتے ہیں
خزاں کی اجاڑ شامیں نہ آئیں اگلے برس
اس بہار رت کو زنجیر کرتے ہیں
عمیرہ ریحان ---- ٹوبہ ٹیک سنگھ

خوشی تم کو ملے ہر دم تمہارا حال اچھا ہو
تمہارے واسطے اللہ کرے یہ سال اچھا ہو

....

نہ جانے کیا ہوا ہے سال بھر میں
دیا روشن کہ مدھم ہو گیا ہے
ہمیں معلوم ہے اتنا کہ اک سال
ہماری عمر سے کم ہو گیا ہے

....

وہ وقت بھی دیکھا تقدیر کی گھڑیوں نے
لمحوں نے خطا کی تھی صدیوں نے سزا پائی
عالیہ بٹ ---- لاہور
نیا ہے سال خوشی یوں منائیں اب کے برس
کہ گیت امن کا سب مل کے گائیں اب کے برس
کرو کچھ اب کے بہاروں کا ایسا استقبال
بہاریں آئیں تو آ کر نہ جائیں اب کے برس

....

جس کو معلوم نہیں منزل مقصود اپنی
کتنا بے کار ہے اس شخص کا چلتے رہنا
ہم نئے خواب بنیں گے نئے منظر لے کر
نئے سورج سے کہو روز نکلتے رہنا

....

یہ خنک رت، یہ نئے سال کا پہلا لمحہ
دل یہ کہتا ہے کہ موسم اب کوئی یاد آئے
ہم نے ماضی کی سخاوت پہ جو پل بھر سوچا
دکھ بھی کیا کیا ہمیں، یادوں کے سبب یاد آئے
فریحہ گیلانی ---- اوکاڑہ
نجانے کیسے نئی رتوں میں پرانی یادوں کی ناؤ ڈوبی

نظر کے دریا میں آنے والا ابال کتنا عجیب سا ہے
ہتھیلیوں پہ رکھے چراغوں کو بجھایا ہوا نے پہلے
اداس موسم میں بے بسی کا یہ سال کتنا عجیب سا ہے

....

وہ جس سے رہا آج تک آواز کا رشتہ
بھیجے میری سوچوں کو اب الفاظ کا رشتہ
ملنے سے گریزاں ہے نہ ملنے پہ خفا بھی
دم توڑتی چاہت ہے یہ کس انداز کا رشتہ

....

میرے مولا نے مجھ کو چاہتوں کی سلطنت دی ہے
مگر پہلی محبت کا خسارہ ساتھ رہتا ہے
سفر میں عین ممکن ہے میں خود کو چھوڑ دوں لیکن
دعائیں کرنے والوں کا سہارا ساتھ رہتا ہے
صوفیہ توحید ---- گلشن راوی لاہور
اس کی آنکھوں میں کوئی دکھ بسا ہے شاید
یا مجھے خود ہی وہم سا ہوا ہے شاید
میں نے پوچھا کہ بھول گئے ہو تم بھی
پونچھ کر آنسو مجھے اس نے کہا ہے شاید

....

خدا کے خوف سے ڈرتا ہوں لیکن یاد رکھ
بات جب حد سے بڑھی رسمیں اٹھا دی جائیں گی

....

آہ بن کے سانسوں سے نکل آؤں گا
اور روکے گا تو آنکھوں سے نکل آؤں گا
بھول جانا مجھے اتنا آسان نہیں جاناں
باتوں باتوں میں ہی باتوں سے نکل آؤں گا
سارا حیدر ---- ساہیوال
تجھ سے منسوب ہوئے تو یہ حسرت ہی رہی
ہم کبھی اپنے حوالے سے پکارے جاتے

....

جہاں بھی جانا تو آنکھوں میں خواب بھر لانا
یہ کیا کہ دل کو ہمیشہ اداس کر لانا

میں برف رتوں میں جلا تو اس نے کہا
پلٹ کے آنا تو کشتی میں دھوپ بھر لانا

....

رابطہ پیڑ سے کٹ جاتا ہے جس وقت ضفی
خشک پتے کو تو جھونکے کا بھی ڈر رہتا ہے
ساجدہ احمد ---- ملتان
یاد بھی اس کی یہ کہتے ہوئے دل سے نکلی
ایسی اجڑی ہوئی بستی میں بھلا کیا رہنا

....

کبھی کبھی یہ سب اپنا خیال لگتا ہے
وہ میرا ہے یا نہیں الجھا سوال لگتا ہے
میں وفا کرکے بھی گمنامیوں میں ہوں
وہ بے وفا ہے مگر بے مثال لگتا ہے

....

ہم یہی پوچھتے پھرتے ہیں زمانے بھر سے
جن کی تقدیر بگڑتی ہے وہ کیا کرتے ہیں
صفہ خورشید ---- لاہور
کبھی ہم بھیگتے ہیں چاہتوں کی تیز بارش میں
کبھی برسوں نہیں ملتے کسی ہلکی سی رنجش میں
تم ہی میں دیوتاؤں کی خوبو نہ تھی ورنہ
کمی نہ تھی کوئی میرے انداز پرستش میں

....

یونہی ختم ہجر کا باب ہو نئے سال میں
کوئی خواب ہی تیرا خواب ہو نئے سال میں
کبھی یوں بھی ہو کسی شب کو تو مجھے آ ملے
گئے رتجگوں کا حساب ہو نئے سال میں
عابدہ حیدر ---- بہاول نگر
ممکنہ فیصلوں میں ایک ہجر کا فیصلہ بھی تھا
میں نے تو ایک بات کی اور اس نے کمال کر دیا
میرے لبوں پہ مہر تھی پر میرے شیشہ رونے تو
شہر کے شہر کو میرا واقف حال کر دیا

....

یہ سنگریزے عداوتوں کے، وہ آبگینے سخاوتوں کے
دل مسافر قبول کر لے، ملا جو کچھ جہاں سے
تو ہم نفس ہے، نہ ہم سفر ہے، کسے خبر کہ تو کدھر ہے
میں دستکیں دے کے پوچھ بیٹھا، مکیں سے مکاں مکاں سے
آصفہ نعیم ---- فورٹ عباس
اس نسل کا ذہن کٹ رہا ہے
اگلوں نے کٹائے تھے فقط سر

....

کیا برا ہے کہ میں اقرار محبت کر لوں
لوگ ویسے بھی تو کہتے ہیں گناہ گار مجھے

....

درخت جاں پہ عذاب رت تھی نہ برگ جاگے نہ پھول آئے
بہار وادی سے جتنے پنچھی ادھر کو آئے ملول آئے
وہ ساری خوشیاں جو اس نے چاہیں اٹھا کے اپنی جھولی میں رکھ لیں
ہمارے حصے میں عذر آئے جواز آئے اصول آئے
فریدہ اسلم ---- میاں چنوں
کون رہتا تھا نہ جانے اس جا
خواہشیں نقش ہیں دیواروں پر

....

یہ نہ ہو شہر میں کہ تنہائی کے مجرم ٹھہرو
دل ملیں یا نہ ملیں ہاتھ ملاتے رہنا
میں ہمیشہ کی طرح سچ ہی کہوں گا عارف
تم ہمیشہ کی طرح زہر پلاتے رہنا

....

ہمارے عجز کو سمجھا نہیں گیا محسن
ہم آزما کے اب اپنی انا دیکھتے ہیں
مہین آفریدی ---- ایبٹ آباد
حسن کی خوشبو سے مہکتی تھی پگھلتی ہوئی آگ
پھول ایسے بھی تو موسم سفاک ہیں تھے

....

سال کی پہلی کرن کے ساتھ پھر جاگا ہے دل
پھر مری وہی طلب اس کے برس مل جائے تو

....

اب سیل بلا چاہے گزر جائے جدھر سے
میں گھر ہی بناتا نہیں طوفان کے ڈر سے
راحیلہ فیصل ---- سرگودھا
ہم آہ بھی کرتے ہیں تو ہو جاتے ہیں بدنام
وہ قتل بھی کرتے تو ہیں چرچا نہیں ہوتا

....

اس زندگی میں اتنی فراغت کسے نصیب
اتنا نہ یاد آ کہ تجھے بھول جائیں ہم

....

محبت کے لئے کچھ خاص دل مخصوص ہوتے ہیں
یہ وہ نغمہ ہے جو ہر ساز پر گایا نہیں جاتا
آمنہ خان ---- راولپنڈی
میں کھلی ہوئی اک سچائی مجھے جاننے والے جانتے ہیں
میں نے کن لوگوں سے نفرت کی اور کن لوگوں کو پیار دیا

....

ہمیں بجھانے کو اندر کا حبس کافی ہے
ہم مزاجوں کا احسان کم اٹھاتے ہیں

....

علم نے کرب اضطراب دیا
کس قدر پرسکون تھی نادانی
صابرہ سلطانہ ---- کراچی
اندھیروں کو حقارت کی نگاہ سے دیکھنے والو
اجالوں کا پس نظر بڑا تاریک ہوتا ہے

....

یوں ہی تو شاخ سے پتے گرا نہیں کرتے
بچھڑ کے لوگ زیادہ جیا نہیں کرتے

....

میرے لہو میں کھلے ہیں تیرے ہجر کے پھول
کب آئے ان پہ تیرا موسم وفا دیکھیں
☆☆☆

افراح طارق

چکن اینڈ کارن سوپ

اشیاء

چکن لیگ پیس — دو عدد (صاف کر کے دھولیں)

مکھن — چوتھائی کپ

تیل — دو چائے کے چمچے

میدہ — ایک کھانے کا چمچہ

پیاز — ایک عدد (چھوٹے سائز کی)

مرغی کی یخنی — ڈھائی کپ

شملہ مرچ — ایک عدد (چھوٹے سائز کی)

(بیج نکال کر باریک چوپ کرلیں)

ٹماٹر — دو عدد (بڑے سائز کے)

(چھلکا اتار کر باریک چوپ کرلیں)

ٹماٹر پیسٹ — دو چائے کے چمچے

مکئی کے دانے — ایک کپ (ابلے ہوئے)

اوریگانو پاؤڈر — ایک چٹکی

دھنیا پاؤڈر — چوتھائی چائے کا چمچہ

نمک — حسب ذائقہ

سیاہ مرچ پاؤڈر — حسب ضرورت

ہرا دھنیا — حسب پسند (چوپ کیا ہوا)

ترکیب

سوس پین میں تیل اور مکھن ڈال کر گرم کریں اور اس میں پیاز ڈال کر فرائی کرلیں، اس کے بعد اس میں چکن پیس ڈال کر چمچہ چلائی اور گوشت کی رنگت گولڈن براؤن ہو جانے تک فرائی کریں، میدہ ڈال کر چمچہ چلائیں اور دو منٹ تک فرائی کریں، فرائی کرنے کے بعد مرغی کی یخنی ڈال کر ایک مرتبہ ابالیں، اس کے بعد ڈھکن ڈھک کر ہلکی آنچ پر پانچ منٹ تک پکائیں، شملہ مرچ، ٹماٹر، ٹماٹو پیسٹ، مکئی کے دانے اور یگانو پاؤڈر، دھنیا پاؤڈر، نمک اور سیاہ مرچ پاؤڈر شامل کر کے چمچہ چلائیں اور ڈھکن ڈھک کر مزید بیس منٹ تک پکائیں، گوشت جب اچھی طرح گل جائے تو اسے سوس پین سے نکال کر ہڈی الگ کر کے باریک ریشے کرلیں اور اسے سوس پین میں ڈال کر آمیزے کے ساتھ مکس کریں، ڈھکن ڈھک کر دھیمی آنچ پر تین منٹ تک پکائیں، مزے دار چکن کارن سوپ تیار ہے، سروِنگ باؤل میں نکال کر ہرا دھنیا سے گارنش کر کے سرو کریں۔

چکن پی نٹس اینڈ چلی سوپ

اشیاء

مرغی — آدھا کلو

(بون لیس کیوبز میں کاٹ لیں)

ادرک (باریک کی ہوئی) — ایک چائے کا چمچہ

سرکہ — ایک چائے کا چمچہ

سویا ساس — ایک کھانے کا چمچہ

ثابت لال مرچ — دس بارہ عدد

(باریک کاٹ لیں)

مونگ پھلی — آدھا کپ

تیل — آدھا کپ

پیاز — ایک عدد

(سلائس کاٹ لیں)

شملہ مرچ — ایک عدد

(بیج نکال کر کیوبز کاٹ لیں)

مرغی کی یخنی	ڈیڑھ کپ
چلی سوس	ایک چائے کا چمچہ
کارن فلور	ایک کھانے کا چمچہ

(دو کھانے کے چمچے پانی ملا کر آمیز بنا لیں)

نمک	حسب ذائقہ

ترکیب

مرغی کے گوشت میں سرکہ، سویا ساس اور نمک لگا کر تیس منٹ تک کے لئے رکھ دیں، ایک سوس پین میں تیل گرم کر کے مونگ پھلی فرائی کر لیں اور پلیٹ میں نکال لیں۔

اس کے بعد اسی تیل میں پیاز ڈال کر فرائی کریں اور اس میں ادرک، مرغی کا گوشت ڈال کر فرائی کریں، گولڈن ہو جائے تو یخنی، چلی ساس، لال مرچ ڈال کر ہلکی آنچ پر پکائیں، جب مرغی کا گوشت گل جائے تو کارن فلور کا آمیزہ ڈال دیں، ساتھ ہی شملہ مرچ اور فرائی کی ہوئی مونگ پھلی ڈال کر مسلسل چمچہ چلاتی رہیں، گاڑھا ہو جائے تو سرونگ ڈش میں نکال لیں۔

مونگ پھلی سے گارنش کر کے نوڈلز یا فرائیڈ رائس کے ساتھ سرو کریں۔

ہاٹ اینڈ ساور سوپ

اشیاء

مرغی کی ہڈیاں	دو کلو
مرغی	ایک کلو

(ابال کر ریشے کر لیں)

جھینگے	ڈیڑھ کلو

(ابال کر چوپ کر لیں)

چینی	ایک سو پچاس گرام
نمک	حسب ذائقہ
چائینیز نمک	چار چائے کے چمچے
سفید مرچ پاؤڈر	دو کھانے کے چمچے
نارنجی یا سرخ رنگ	ایک چٹکی
مشروم (سلائس کیے ہوئے)	ایک سو پچاس گرام
بند گوبھی	آدھا کلو

(باریک کاٹ لیں)

گاجر	آدھا کلو

(قاشیں کاٹ لیں)

چلی ساس	ایک کپ
لیموں کا رس	ایک کپ
سرکہ	آدھا کپ
کارن فلور	ڈیڑھ کپ
ہری پیاز	ایک عدد

(سلائس کاٹ لیں)

گوبھی	تین کھانے کے چمچے
انڈے (پھینٹ لیں)	دس عدد

ترکیب

سوپ بنانے کی تیاری میں اہم مرحلہ مرغی کی یخنی بنانے کا ہے، یخنی پانچ گھنٹوں میں تیار ہو گی، اس کے لئے ایک برتن میں سات کپ پانی ڈالیں اور ہڈیاں ڈال کر یخنی تیار کرنے کے لئے رکھ دیں، پانچ گھنٹے تک پکنے دیں، اس کے بعد ہڈیاں الگ کر کے یخنی چھان لیں، اس میں نمک، چائنیز نمک، چینی، چلی ساس، سفید مرچ پاؤڈر اور سرکہ ڈال کر دس، پندرہ منٹ تک پکائیں، ایک پیالے میں کارن فلور میں پانی شامل کر کے اچھی طرح مکس کر لیں، کچھ دیر بعد مشروم، گاجر، بند گوبھی، مرغی، جھینگے اور پھینٹے ہوئے انڈے آہستہ آہستہ سوپ میں شامل کر کے چمچہ چلائیں اور چولہا بجھا دیں، مزے دار ہاٹ اینڈ ساور سوپ تیار ہے، سرونگ باؤل میں نکال کر بند گوبھی اور ہری پیاز کے سلائسز سے گارنش کر کے چلی گارلک سوس کے ساتھ سرو کریں۔

اسپائسی ویجی ٹیبل سوپ

اشیاء

پیاز — ایک عدد
شلجم — ایک عدد
(چھوٹے سائز کا)
کدو — پچاس گرام
آلو — ایک عدد
مکھن — دو کھانے کے چمچے
ادرک پیسٹ — آدھا چائے کا چمچہ
دار چینی پاؤڈر — چوتھائی چائے کا چمچہ
ہری پیاز چوپ کی ہوئی — ایک کھانے کا چمچہ
سبزی کی یخنی — چار کپ
بادام (ہوائیاں کٹی ہوئی) — دو کھانے کے چمچے
تازی لال مرچ — ایک عدد
(بیج نکال کر چوپ کر لیں)
شکر — ایک چائے کا چمچہ
کوکونٹ کریم — آدھا کپ
نمک — حسب ذائقہ
سیاہ مرچ پاؤڈر — حسب ضرورت
ہرا دھنیا — حسب ضرورت
(گارنش کے لئے)

ترکیب

پیاز کو چوپ کر لیں، شلجم کدو اور آلو کو چھیل کر درمیانے سائز کے ٹکڑے کاٹ لیں، سوس پین میں مکھن گرم کریں اور اس میں پیاز ڈال کر چار پانچ منٹ تک فرائی کریں، اس کے بعد اس میں شلجم، کدو اور آلو ڈال کر تین چار منٹ تک فرائی کریں، اس میں ادرک، دار چینی پاؤڈر، ہری مرچ، نمک اور سیاہ مرچ پاؤڈر ڈال کر مکس کریں اور ہلکی آنچ پر دس منٹ تک پکائیں، اس دوران مسلسل چمچہ چلاتی جائیں، سبزی کی یخنی، بادام، لال مرچ اور شکر ڈال کر چمچہ چلائیں اور ڈھکن ڈھک کر ہلکی آنچ پر پکائیں، سبزیوں کے نرم ہونے پر اس میں کوکونٹ کریم شامل کریں، مزے دار اسپائس ویجی ٹیبل سوپ سرونگ باؤل میں نکالیں اور ہرا دھنیا سے گارنش کر کے سرو کریں۔

کولڈ چکن سلاد

اشیاء

چکن (بغیر ہڈی کے) — دو بڑے ٹکڑے
(ابال کر چھوٹے ٹکڑے کر لیں)
آلو — تین عدد
(ابال کر چھوٹے ٹکڑے کر لیں)
گاجر — تین عدد
مٹر (ابلے ہوئے) — ایک پیالی
سیب — دو عدد
(چھوٹے ٹکڑے کر لیں چینی اور لیموں چھڑک دیں)
پائن ایپل سلائسز — چار عدد
(چھوٹے ٹکڑے کر لیں)
چھلے بادام بھنے ہوئے — تین چار عدد
(دو ٹکڑے کر لیں)
کشمش — دس دانے
(گرم پانی میں بھگو کر توے کے اوپر بھون لیں)
تازہ کریم — ایک پیالی
سفید مرچ پسی ہوئی — ایک چائے کا چمچہ
نمک — حسب ذائقہ
چینی — آدھا کھانے کا چمچہ
(وائٹ ساس بنانے کے لئے)
میدہ — تین کھانے کے چمچے
دودھ — تین پیالی
سفید مرچ (پسی ہوئی) — ایک چائے کا چمچہ
مکھن — آدھا چائے کا چمچہ
نمک — حسب ذائقہ

ترکیب

چھوٹی دیگچی میں مکھن ڈال کر ہلکا گرم کریں پھر میدہ ڈال کر بھون لیں، دیگچی نیچے اتار لیں،

چکن اینڈ کارن سوپ

اشیاء

چکن لیگ پیس	دو عدد (صاف کر کے دھولیں)
مکھن	چوتھائی کپ
تیل	دو چائے کے چمچے
میدہ	ایک کھانے کا چمچہ
پیاز	ایک عدد (چھوٹے سائز کی)
مرغی کی یخنی	ڈھائی کپ
شملہ مرچ	ایک عدد (چھوٹے سائز کی) (بیج نکال کر باریک چوپ کرلیں)
ٹماٹر	دو عدد (بڑے سائز کے) (چھلکا اتار کر باریک چوپ کرلیں)
ٹماٹر پیسٹ	دو چائے کے چمچے
مکئی کے دانے	ایک کپ (ابلے ہوئے)
اوریگانو پاؤڈر	ایک چٹکی
دھنیا پاؤڈر	چوتھائی چائے کا چمچہ
نمک	حسب ذائقہ
سیاہ مرچ پاؤڈر	حسب ضرورت
ہرا دھنیا	حسب پسند (چوپ کیا ہوا)

ترکیب

سوس پین میں تیل اور مکھن ڈال کر گرم کریں اور اس میں پیاز ڈال کر فرائی کرلیں، اس کے بعد اس میں چکن پیس ڈال کر چمچہ چلائیں اور گوشت کی رنگت گولڈن براؤن ہو جانے تک فرائی کریں، میدہ ڈال کر چمچہ چلائیں اور دو منٹ تک فرائی کریں، فرائی کرنے کے بعد مرغی کی یخنی ڈال کر ایک مرتبہ ابال لیں، اس کے بعد ڈھکن ڈھک کر ہلکی آنچ پر پانچ منٹ تک پکائیں، شملہ مرچ، ٹماٹر، ٹماٹو پیسٹ، مکئی کے دانے اور یگانو پاؤڈر، دھنیا پاؤڈر، نمک اور سیاہ مرچ پاؤڈر شامل کر کے چمچہ چلائیں اور ڈھکن ڈھک کر مزید بیس منٹ تک پکائیں، گوشت جب اچھی طرح گل جائے تو اسے سوس پین سے نکال کر ہڈی الگ کر کے باریک ریشے کرلیں اور اسے سوس پین میں ڈال کر آمیزے کے ساتھ مکس کریں، ڈھکن ڈھک کر دھیمی آنچ پر تین منٹ تک پکائیں، مزے دار چکن کارن سوپ تیار ہے، سرونگ باول میں نکال کر ہرا دھنیا سے گارنش کر کے سرو کریں۔

ہاٹ اینڈ ساور سوپ

اشیاء

مرغی کی ہڈیاں	دو کلو
مرغی	ایک کلو (ابال کر ریشے کرلیں)
جھینگے	ڈیڑھ کلو (ابال کر چوپ کرلیں)
چینی	ایک سو پچاس گرام
نمک	حسب ذائقہ
چائنیز نمک	چار چائے کے چمچے
سفید مرچ پاؤڈر	دو کھانے کے چمچے
نارنجی یا سرخ رنگ	ایک چٹکی

ترکیب

مرغی کے گوشت میں سرکہ، سویا ساس اور نمک لگا کر بیس منٹ تک کے لئے رکھ دیں، ایک سوس پین میں تیل گرم کر کے مونگ پھلی فرائی کر لیں اور پلیٹ میں نکال لیں۔

اس کے بعد اسی تیل میں پیاز ڈال کر فرائی کریں اور اس میں ادرک، مرغی کا گوشت ڈال کر فرائی کریں، گولڈن ہو جائے تو یخنی، چلی ساس، لال مرچ ڈال کر ہلکی آنچ پر پکائیں، جب مرغی کا گوشت گل جائے تو کارن فلور کا آمیزہ ڈال دیں، ساتھ ہی شملہ مرچ اور فرائی کی ہوئی مونگ پھلی ڈال کر مسلسل چمچہ چلاتی رہیں، گاڑھا ہو جائے تو سرونگ ڈش میں نکال لیں۔

☆☆☆

کس قیامت کے یہ نامے

فوزیہ شیخ

السلام علیکم!

آپ کے خطوط اور ان کے جوابات کے ساتھ حاضر ہیں، بہت سی دعاؤں اور نیک خواہشات کے ساتھ۔

لیجئے 2015ء کا سفر بھی تمام ہوا، وقت اسی طرح رواں دواں رہتا ہے، گزرتے دن، مہینے اور سال تاریخ کا حصہ بنتے جاتے ہیں، تاریخ جو کبھی باعث عبرت اور کبھی فہم و شعور عطا کرتی ہے مگر صرف ان کو جو غور و فکر کرتے ہیں اور سر اٹھا کر جینے کی خواہش رکھتے ہیں اور صرف اپنے لئے نہیں دوسروں کے لئے بھی سوچتے ہیں، کیونکہ گزرتے ہوئے دنوں کا شمار اور آنے والے دنوں کا حساب ہی تو مقصد حیات نہیں، زیست کے اس سفر میں آپ یہ دیکھیں کہ آپ نے کیا کھویا اور کیا پایا، سوچئے کہ زندگی کے اس سود و زیاں میں آپ نے کیا کیا حاصل کیا ہے، وقت اور موقع کا کتنا فائدہ اٹھایا اور پھر گزرے وقت کے زیاں کے حساب کر کے موجودہ وقت کو ضائع نہ کریں کیونکہ جو پل گزر گے انہیں گزرنا تھا، زندگی کے اس سنگ میل پر ماضی ایک مختصر یاد داشت اور مستقبل ایک بڑا سوالیہ نشان ہے، آنے والی کل پردہ غیب میں چھپی ہے لیکن بہترین حکمت عملی سے آپ اپنے مستقبل کو روشن بنا سکتے ہیں۔

نیا طلوع ہونے والا سورج بہت سی امیدوں اور آرزوں کا پیغام لے کر آیا ہے، ایک نئے عزم سے آگے بڑھیں اور اپنے آنے والے کل کو کامیاب بنائیں، یاد رکھیں اللہ تعالیٰ ان لوگوں کی مدد کرتا ہے جو زندگی کے نشیب و فراز سے گزرتے ہوئے اپنے حالات کو درست سمت لے جاتے ہیں۔

اپنا بہت سا خیال رکھئے گا اور ان کا بھی جو آپ کا خیال رکھتے ہیں آپ سے محبت کرتے ہیں، خطوط کی محفل میں جانے سے پہلے ہمیشہ کی طرح درود شریف، کلمہ طیبہ اور استغفار کے ورد کے پھول بکھیرتے ہوئے چلتے ہیں۔

یہ پہلا خط ہمیں خانیوال سے رافعہ عظمت کا ملا ہے وہ اپنی رائے کا اظہار کچھ یوں کر رہی ہیں۔

سال کا آخری شمارہ دسمبر کے پہلے ہفتے میں ہی مل گیا، ٹائٹل خوبصورت ہونے کے باوجود دل کو بھایا نہیں نہ جانے کیوں؟

"کچھ باتیں ہماریاں میں" سردار محمود صاحب کی بصیرت افروز باتوں پر سر دھنتے حمد و نعت اور پیارے نبیؐ کی پیاری باتوں سے مستفید ہوئے، ماشاء اللہ سید اختر ناز کے پاس دین کا انمول خزانہ ہے جو وہ حنا کے صفحات کے ذریعے ہم تک منتقل کر دیتے ہیں جزاک اللہ۔

"انشاء نامہ" اس مرتبہ انشاء جی نے اپنے اشعار کے ذریعے ہمیں تاریخ کی سیر کروائی بہت خوب۔

"ایک دن حنا کے ساتھ" فرزانہ صاحبہ اپنے انتہائی مختصر تعارف کے ساتھ آئیں، آگے صفحات پلٹے اور بے ساختہ چونکے بھلا کیوں؟ جی جی ام

مریم کا نام دیکھ کر ''واہ کیا بات ہے فوزیہ آپی آپ کی'' ایک مرتبہ پھر آپ کی بدولت اُم مریم کا ناول پڑھنے کو مل رہا ہے، ناول کا نام بے حد خوبصورت ہے، پہلی قسط ہی انتہائی شاندار ہے، اگر چہ ابھی کہانی واضح نہیں ہوئی، لیکن کہانی کا تانا بہت خوبصورتی سے بنا گیا ہے، شدت سے دوسری قسط کا انتظار ہے، سدرۃ المنتہیٰ کا ناول ''اک جہاں اور ہے'' اک جہاں کی سیر کروا کر اب منزل کے قریب ہے، بے حد جامع اور دل میں اترنے والی سدرۃ کی یہ تحریر، اس میں شامل ہر کردار نے پڑھنے والوں کو اپنے سحر میں جکڑ رکھا ہے، سدرۃ جی ہماری طرف سے اتنی اچھی تحریر لکھنے پر مبارکباد قبول کیجئے، نایاب صاحبہ گیارہ ماہ سے آپ ہمیں ''پربت کے اس پار کہیں'' دیکھنے کا کہہ دیتی ہے اور ہم ذوق وشوق سے دیکھ بھی رہے ہیں پلیز اب آپ ہمیں بتا دیجئے کہ آخر اس پار ہے کیا؟ اگر چہ گیارہویں قسط میں کہانی کچھ اوپن ہوئی ہے لیکن ابھی بھی کچھ تشنگی ہے، مکمل ناول میں صاعقہ عاطف ایک نیا نام دیکھ کر آگے پڑھنا چاہا مگر پھر چند لائن پڑھ کر ہی پوری تحریر پڑھنے پر مجبور ہو گئے، ٹائٹل ''محبت میں بھیگتا موسم'' جیسے پڑھتے اپنے آس پاس بارش کی کن من محسوس ہوئی، کہانی بے حد جاندار تھی ہر کردار اپنی جگہ بہترین اور پرفیکٹ تھا، صاعقہ عاطف آپ کو پڑھ کر ایک لمحے کو احساس نہیں ہوا کہ آپ نئی مصنفہ ہیں پلیز حنا سے اپنا رابطہ استوار رکھئے گا، سعدیہ عابد کا ''اعتبار کچھ محبت کا'' مکمل ناول بھی اچھا لگا، ناولٹ میں مبشرہ ناز کی تحریر بے حد پسند آئی، کافی عرصے کے بعد آئی ہے مبشرہ، فرح طاہر کی تحریر ''خواب خواہش اور آرزو'' کوئی خاص تاثر نہ چھوڑ سکی، پہلا حصہ تو کوئی خاص نہیں بقیہ آگے دیکھئے، افسانوں میں سپاس گل ''بریکنگ نیوز'' لکھ کر اداس کر دیا، شبانہ شوکت کا افسانہ ''بادصبا ٹھہر جائے'' اور سونیا چوہدری کا ''بھیگا دسمبر'' بے حد پسند آئے۔

سیما بنت عاصم بھی اچھی کوشش کی، عائی ناز معذرت کے ساتھ آپ کے افسانے میں کوئی ربط ہی نہیں تھا انتہائی بور تحریر تھی آپ کی، مستقل سلسلوں میں حاصل مطالعہ، بیاض، ڈائری اور رنگ حنا میں ہر ایک نے بہترین تحریریں اور اشعار بھیجے، جبکہ دستر خوان سوپ سے سجا سردی کی شدت کو کم کر رہا تھا۔

رافیعہ عظمت کیسی ہیں آپ؟ آپ سے فون پر بھی بات ہوئی تھی تب بھی اچھا لگا تھا اور آج آپ کا خط پڑھ کر بے حد اچھا لگا، دسمبر کے شمارے کا ٹائٹل آپ کو اچھا نہیں لگا اچھا ہونے کے باوجود یہ جان کر ہمیں افسوس ہے، انشاء اللہ آئندہ ٹائٹل مزید بہترین بنانے کی کوشش کریں گے، دسمبر کے شمارے کی تحریروں کو پسند کرنے کا شکریہ آپ کی رائے ہمارے لئے بے حد اہم ہوتی ہے آپ نے کیسے سوچا ہم اسے ردی کی نظر کریں گے، مستقل سلسلوں کے لئے جو تحریریں آپ نے بھیجی ہیں انشاء اللہ وہ اگلے ماہ شائع ہوں گی، آپ کی قیمتی رائے کے منتظر رہیں گے شکریہ۔

ماریہ یاسر: کراچی سے لکھتی ہیں۔

دسمبر کا شمارہ تھوڑا سا لیٹ ملا، لیکن جب تمام رائٹرز کے ناموں پر نظر پڑی تو دل خوشی سے جھوم اٹھا سب ہی میری پسندیدہ رائٹرز ہیں، مکمل ناول سے لے کر ناولٹ اور افسانے سب ہی بہت شاندار تھے، مستقل سلسلوں کے تو کیا ہی کہنے، ساری رائٹرز بہت محنت سے لکھتی ہیں اس لئے ان کا حرف حرف سیدھا دل میں اترتا محسوس ہوتا ہے، رسالے کا بہترین معیار ایک ڈھیروں

محنت کا منہ بولتا ثبوت ہے، دعا ہے کہ اللہ آپ کو مزید کامیابیاں و کامرانیاں فرمائے، ویسے مجھے آپ سے ایک گلہ ہے کہ میری آپ سے جب بات ہوئی تو آپ نے دسمبر کا بتایا کہ میری چھوٹی سی کوشش جو میں نے بہت پیار سے آپ کو بھیجی تھی دسمبر میں لگ جائے گی اس لئے خوب انتظار کیا دسمبر کے شمارے کا شمارہ ملتے ہی جب کھولا تو اپنا نام نہ پا کے دل بہت اداس ہوا، اب امید کرتی ہوں کہ جنوری کے شمارے میں جگہ ضرور دیں گی، ایک اور بات پوچھنی ہے کہ میں نے دو تین قسط کا ناولٹ لکھا ہے، اگر اس کو بھی جگہ ملے تو بھیج دوں، خط کے ساتھ میں نے اپنی شاعری بھی بھیجی ہے، امید کرتی ہوں کہ اس کے لئے زیادہ انتظار نہیں کروائیں گی۔

ماریہ یاسر خوش آمدید حنا کے شمارے کو پسند کرنے کا شکریہ، آپ کی تحریر انشاء اللہ جلد شائع ہو گی ناولٹ ضرور بھیجیں قابل اشاعت ہوا تو ضرور شائع ہوگا، ناولٹ کی ایک کاپی اپنے پاس رکھیں اور اصل ہمیں بھجوائیں ناقابل اشاعت تحریر واپس نہیں کی جاتیں، آپ کی آمد کا شکریہ۔

منعم اصغر: ڈیرہ غازی خان سے لکھتے ہیں۔

فوزیہ آپی اور حنا کے تمام اسٹاف کو میرا سلام قبول ہو، ویسے تو حنا ہر گھر کے لئے مگر اس میں حصہ صرف خواتین لے سکتی ہیں، میں خود بھی رائٹر ہوں مگر مطالعہ بھی میرا جنون ہے تو ہر ماہ ہمارے ہاں آٹھ ماہنامہ آتے ہیں جن میں حنا بھی شامل اور میرا فیورٹ بھی حنا ہے۔

تو اس بار حنا پانچ کو بہترین ٹائٹل کے ساتھ ملا، کچھ باتیں ہماریاں پڑھ کر سب سے پہلے ام مریم کو پڑھا، سٹارٹ ہی زبردست تھا غانیہ کا کردار بہت اچھا تھا، ام مریم کا تو اپنا ہی منفرد انداز تحریر ہے ویلڈن، سلسلے وار میں ''اک جہاں اور ہے'' میں واقعی ایک جہاں اور ہے سدرۃ نے کیا لفظوں کا جال بچھایا ہوا ہے کہ جس میں قاری الجھتا اور اس کی بھول بھلیوں میں کھوتا جاتا ہے سدرۃ آپی بڑی خوبصورتی سے ناول سمیٹ رہی ہیں، پھر آئے نایاب کی طرف تو بہت معذرت سے نایاب جی کہ بالکل مزہ نہیں آیا، آپ میری فیورٹ رائٹر ہیں آپ پلیز اپنے مخصوص انداز میں آئیں، افسانوں میں سب ہی خوب تھے، سونیا کے افسانہ نے خاصا متاثر کیا واقعی بے جان اینٹوں میں عورت ہی جان ڈالتی ہے، شبانہ شوکت بھی بہت اچھا لکھتی ہیں اور سباس گل کی تو بات ہی اور ہے، لاجواب رہے سب، اعتبار کے کچھ رنگوں کا اور خواب، خواہش آرزو دل کو چھو گئے، باقی دو بھی اچھے تھے، فرزانہ حبیب سے ملاقات اچھی لگی خاصی سادہ لگیں ماشاء اللہ، باقی سلسلے بھی لاجواب تھے۔

منعم اصغر خوش آمدید اس محفل میں، دسمبر کے شمارے کو پسند کرنے کا شکریہ، ماہنامہ حنا گھر کے ہر فرد کے لئے ہے اس لئے سب کی رائے ہمارے لئے اہم ہے، ہم آئندہ بھی آپ کی رائے کے منتظر رہیں گے شکریہ۔

روشانے گل: کسی نامعلوم مقام سے ای میل موصول ہوئی ہے وہ لکھتی ہیں۔

حنا بے حد اچھا ماہنامہ ہے، مجھے بے حد پسند ہے میں دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ اسے مزید کامیابیاں عطا کرے آمین۔

آپی مجھے آپ سے فرمائش کرنی ہے کہ آپ پلیز حنا میں عمیرہ احمد اور نمرہ احمد کی تحریر بھی شائع کیا کریں، ام مریم کا نیا سلسلے وار ناول دیکھ کر بے حد خوشی ہوئی، سدرۃ آپی کے ناول ''اک جہاں اور ہے'' بھی مجھے بے حد پسند ہے، سدرۃ آپی کے والد کی مغفرت کے لئے بہت سی

ڈھیروں دعائیں۔

روشانے گل شکریہ آپ کی رائے کا، آئندہ جب بھی میل کریں یا خط لکھیں اپنے شہر کا نام ضرور لکھیں شکریہ۔

کوثر ناز: حیدر آباد سے لکھتی ہیں۔

آپی جی خوش آمدید کہیے کہ پہلی بار آپ کی محفل میں شامل ہو رہی ہوں امید ہے کہ میں اب سے حنا کی فیملی کا حصہ بن جاؤں گی تبصرے میں صرف یہی کہوں گی کہ حنا میں دلچسپی کا تمام تر مواد موجود ہے افسانے سبھی سبق آموز اور ناول ناولٹ دلچسپ ہوتے ہیں کسی کہانی پر تبصرہ نہیں کروں گی کیونکہ ماہ دسمبر کا حنا ابھی تک ملا نہیں اب دسمبر کا پڑھنا تو تبصرہ بھی اسی پر کروں گی انشاءاللہ۔

آپی جی میں نے ایک کہانی بھیجی تھی نام تھا ''بازی محبت کی'' جاننا چاہتی ہوں کہ کیا سلیکٹ ہوئی یا رد ہوئی اور آپ سے بات کرنے کا ذریعہ صرف خط ہے یا کہانی کے بارے میں معلومات کسی دوسرے ذریعے سے بھی کی جاسکتی ہے مثلاً ای میل وغیرہ پچھلی دفعہ میل کیا تھا مگر کوئی جواب نہیں ملا کیا اسی پر میل کر کے پوچھ سکتی ہوں یا خط ہی لکھوں اس کے علاوہ بیاض کے لئے کچھ اشعار بھیج رہی ہوں امید ہے پسند آئیں گے اور ''غلطی'' نامی ایک افسانہ امید واثق ہے کہ آپ کے معیار پر پورا اترے گا اور آپی جی جواب لازمی دیجیے گا شدت سے منتظر رہوں گی۔

کوثر ناز خوش آمدید پسندیدگی اور نیک جذبات کے لئے شکریہ آپ کی تحریر ناقابل اشاعت تھی، آپ مزید کچھ لکھیں، آپ میل بھی اپنی تحریروں کے متعلق جان سکتی ہے، مستقل سلسلوں کے لئے تحریریں مل گی ہیں انشاء اللہ اگلے ماہ شائع ہوں گی شکریہ۔

عابد محمود: ملکہ ہانس سے لکھتے ہیں۔

سال 2015ء کا آخری شمارہ دسمبر کی اداس رتوں کی ایک اداس شام کو دیدہ زیب سرورق کے ساتھ سجا ملا، جلدی سے اشتہاروں کو پھلانگتے ہوئے انکل سردار محمود کی مسحور کن باتیں پڑھیں جن میں ہمیشہ کی طرح سچائی اور چاشنی گوندھی ہوئی تھی، حمد و نعت اور پیارے نبیؐ کی پیاری باتیں پڑھ کر دلی طروات محسوس ہوئی، فرزانہ حبیب کا مختصر مگر جامع انٹرویو پڑھ کر دلی راحت محسوس ہوئی طویل تحریروں میں اس بار ''دل گزیدہ'' ام مریم، ''محبت میں بھیگتا موسم'' صاعقہ عاطف، ''خواب خواہش اور آرزو'' فرح طاہر، ''بریکنگ نیوز'' سباس گل، ''تیری چاہت کے نام'' سیما بنت عاصم، ''اک جہاں اور ہے'' سدرۃ المنتہیٰ بے حد پسند آئیں، رائٹرز کو مبارکباد پیش کرتا ہوں، میری ڈائری سے آمنہ خان، حنا شاہین، آسیہ فرید، عزہ فیصل، نور انور، سارا حیدر اور ساجدہ احمد کا انتخاب دل کو بھایا آخر میں نئے سال کی آمد حنا کے سٹاف، قارئین اور رائٹرز کے نام ڈھیروں پرخلوص دعائیں۔

بھائی عابد محمود بہت شکریہ آپ کی پسندیدگی کا، آپ کی رائے ان سطور کے ذریعے مصنفین کو پہنچائی جارہی ہیں، آئندہ بھی آپ کی قیمتی رائے کے منتظر رہیں گے شکریہ۔

☆☆☆